جواہرلعل نہرو

حصہ دوم

کچھ پرانے خط

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

حصّہ دوم

کچھ پرانے خط

مرتّبہ

جواہر لعل نہرو

مترجمہ

عبدالمجید الحریری ایم۔ اے ایل ایل۔ بی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

اس مجموعے میں مطبوعہ خطوط کی فہرست

۱۹۳- از سروجنی نائیڈو

مہاتماجی کا پڑاؤ، کلکتہ
۱۳ر نومبر ۱۹۲۷ء

میرے بڑے ہی عزیز جواہر،

یہ خط میں عہدِ حاضر کے قلعۂ بابل سے لکھ رہی ہوں۔ وہ ننھا سا[1] آدمی بے گانہ وار بیٹھا ہوا پالک کا ساگ اور اُبلا ہوا گھیا کھا رہا ہے اور زندگی کا سمندر اُس کے گرد و پیش موجیں مار رہا ہے اور بہہ رہا ہے۔ یہ موجیں کبھی بنگلہ میں کبھی گجراتی میں، کبھی انگریزی میں کبھی ہندی میں باہم ٹکرا رہی ہیں۔ اپنی صحت سے متعلق اُس کی اٹل ضد کو دیکھ کر بدھان اور اُن کے رفقائے کار مایوس ہوئے جا رہے ہیں۔ وہ سچ مچ بیمار ہے ـــــ نہ صرف اپنی بے لوچ اور کڑکیلی ہڈیوں میں اور اپنے رقیق ہوتے جانے والے خون میں بلکہ اپنی روح کی گہرائیوں میں...... اپنے وقت کی بالکل ہی تنہا اور دُکھ بھری شخصیت...... ہندوستان کا مردِ تقدیر اپنی ہلاکت کے دروازے پر......

تم کو، دوسرے مردِ تقدیر کو، یومِ پیدائش کا ہدیۂ تبریک بھیج رہی ہوں۔ یہ ہدیہ تمھیں وقت پر نہ ملے گا اس لئے کہ جو آنکھیں بیچ میں حائل ہیں وہ تمھارے خطوط پڑھ ہی کر آگے جانے دیں گی۔ میں اِدھر دو سال سے بڑی ہی شدّت کے ساتھ تمھاری تکلیف اور تنہائی کو محسوس کر رہی ہوں اور جانتی ہوں کہ یہ حالت بدلی نہیں جا سکتی۔

سالِ نَو میں میں تمھارے لئے کس چیز کی تمنا کروں؟ مسرّت کی؟ امن و آشتی کی؟ فتح و ظفر کی؟ یہ تمام چیزیں جن کو لوگ نہایت ہی عزیز رکھتے ہیں تمھارے لئے ثانوی درجے کی چیزیں ہیں۔ تقریباً ضمنی و اتفاقی...... میرے عزیز..... میں تمھارے لئے تمنا کروں گی غیر متزلزل ایمان اور

---

[1] مہاتما گاندھی سے مُراد ہے۔

ثابت قدم جرأت و جسارت کی، تمھاری اُس راہِ آزمائش و امتحان میں جس سے ہر اُس طلب گارِ آزادی کو گزرنا پڑے گا جو اس متاع کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے..... شخصی آزادی نہیں بلکہ قیدِ غلامی سے پوری ایک قوم کی نجات۔ اس بلا کی ڈھلوان اور پُر خطر راہ پر ثابت قدمی کے ساتھ گام زن رہو... اگرچہ تمھاری قسمت میں رنج و غم، تکلیف و اذیت اور تنہائی ہی کیوں نہ آئے یاد رکھو کہ تمھاری تمام جد و جہد کا آخری ثمر یا تاج آزادی ہی ہے...... مگر تم اس راہ میں تنہا گام زن نہ رہو گے۔

تمھاری محبت کیش

سروجینی

۱۹۴ - از مہاتما گاندھی

واردھا کے راستے میں

۱۸ر نومبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

میرا خیال ہے کہ میں نے تمھاری آنکھوں میں نجی اور ذاتی خط پڑھ لیا جب تم اُس دہشت ناک اتوار اور خاموش دوشنبہ کے دن میرے گرد و پیش چکر کاٹ رہے تھے۔ کمزوری نے ابھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ مجھے تمام دماغی محنت سے ایک طویل آرام کی ضرورت ہے مگر یہ آرام شاید میسّر نہیں آ سکتا۔

یہ خط میں تم کو یہ بتانے کے لئے لکھ رہا ہوں کہ میں نے بنگال کے قیدیوں کے لئے کیا کیا، اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا اُس سے تم بھی متفق ہو یا نہیں۔ گفت و شنید ایک بڑا سخت محنت طلب معاملہ ثابت ہوئی۔ گفت و شنید کا آغاز کرنے سے پہلے اس امر کی نسبت کہ آیا گفت و شنید کے ذریعے اعانت و مدد یا مخلصی طلب کرنا معقول سی بات بھی ہوگی یا نہیں میں نے دونوں بھائیوں سے بھی مشورہ کر لیا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ نتیجے کی طرف سے بے پروائی برتی جائے، اور رائے عامّہ کی قوّت پذیری پر بھروسا کیا جائے یہاں تک کہ رائے عامّہ کی یہ قوّت و شدت حکومت کو قیدیوں کے رہا کر دینے

پر مجبور کر دے جب بھی ایسا ہو سکے۔ دونوں بھائی شدّت کے ساتھ گفت و شنید پر مصر تھے جب کہ پبلک تحریک جاری تھی۔ میں نے اپنا منصوبہ بھی بیان کر دیا جو اُسی طرز کا تھا جس طرز کا میرا وہ تار تھا جو میں نے انڈمان کے قیدیوں کو دیا تھا۔ اور اس لئے میں اُن قیدیوں سے ملا جو واپس لائے گئے تھے، اُن نظر بندوں سے بھی ملا جو دیولی سے واپس لائے گئے تھے اور شب گزشتہ ہجلی کے قیدیوں سے بھی ملا۔ وزراء آمادہ ہو گئے ہیں کہ جن قیدیوں کو وہ "دیہات اور گھروں میں مستقل بود و باش رکھنے والے" نظر بند قرار دیتے ہیں، اُن کو وہ تقریباً فوراً رہا کر دیں گے اور چار ماہ کے اندر اندر اُن قیدیوں کو بھی رہا کر دیں گے جو اس وقت نظر بندوں کے کیمپ میں ہیں، مگر ان قیدیوں میں سے وہی قیدی رہا کئے جائیں گے جن کو وزراء بے ضرر سمجھتے ہیں۔ باقی قیدیوں کے لئے، اگر وہ پہلی سی رہائی نہ پا چکے ہوں گے، میری سفارش قبول کریں گے۔ میری سفارش کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ میں ان نظر بندوں کا موجودہ عقیدہ معلوم کروں۔ اگر میں اس تحقیق و تفتیش کے بعد اس قابل ہوا کہ حکومت سے یہ کہہ سکوں کہ یہ لوگ حصولِ آزادی کی خاطر تشدّد آمیز طریقوں سے کام لینے پر ایمان نہیں رکھتے اور کانگریس کی انہی سرگرمیوں کی پیروی کریں گے جو کانگریس وقتاً فوقتاً منظور کرتی رہے گی، تو وزراء اُن کو رہا کر دیں گے۔ حکومت اپنی پالیسی کا اعلان کسی وقت بھی کر سکتی ہے۔ مختلف جیل خانوں اور ہجلی کیمپ میں قیدیوں سے جو باتیں ہوئیں اُن کی تفصیل بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تمام باتیں تمھیں بھی پسند آئیں گی یا نہیں۔ اگر تم ان باتوں کو سختی کے ساتھ ناپسند کرتے ہو تو میں چاہتا ہوں کہ تم تار دے دو۔ ورنہ میں تمھارے خط کا انتظار کروں گا۔

احمد آباد کی ہڑتالیں جن کے متعلق میں صرف اُسی قدر جانتا ہوں جس قدر اخبارات سے معلوم کر سکا، نیز شولاپور کے بارے میں اخبارات کے بیانات میرے لئے موجبِ انتشار و تشویش ہیں۔ اگر ہم صورتِ حال کو قابو میں نہیں رکھ سکتے، خواہ اس لئے کہ کانگریسیوں کا ایک طبقہ کانگریس کے نظم و ضبط

کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہے اور خواہ اس لئے کہ کانگریس اُن لوگوں کی سرگرمیوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی سکت نہیں رکھتی جو اُس کے دائرۂ اثر سے باہر ہیں، دونوں صورتوں میں ہمارا حکومت کے اندر عہدے قبول کرنا کانگریس کے مقاصد کے لئے لازمی طور پر مضر ہوگا۔

"بندے ماترم" والی نزاع ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے بنگالی مجلسِ عاملہ کے فیصلے سے سخت برہم ہیں۔ سبھاش نے مجھے بتایا کہ وہ فضا کو پُرسکون بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ نئے گورنر کے برسرِ عہدہ آتے ہی مجھے بنگال واپس جانا پڑے گا۔

مجھے امید ہے کہ تم بخیر ہو گے۔ اخباروں میں سروپ کے بارے میں جو پیراگراف نظر سے گزرا وہ موجبِ تشویش تھا۔ کیا اُس کی صحت اس بوجھ کی متحمل نہیں ہے جو اُس نے اُٹھا رکھا ہے۔

یہ خط اُس وقت لکھا جا رہا ہے جب ہم ناگ پور سے قریب پہنچ رہے ہیں۔ آج شام کو ہم واردھا پہنچیں گے۔

محبّت

باپو

۱۹۵۔ از مہادیو ڈیسائی

مگن واڑی، واردھا،
۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر بھائی

آپ کا آٹھویں کا خط ملا۔ سیموئیل کی آمد کے بارے میں آپ جو کچھ فرما رہے ہیں میں اس کو سمجھتا ہوں اور میں پولاک کو مطلع کر رہا ہوں کہ اگر وہ آپ سے ملنا چاہیں گے تو آپ بڑی خوشی کے ساتھ اُن سے ملیں گے۔

الوپ چند شاہ کی تجویز سے متعلق آپ نے بہت خوب کیا جو انھیں لکھ دیا کہ ایک جماعت گاندھی سیوا سنگھ کے نام سے موجود ہے۔ اب میں اُن کو لکھ رہا ہوں۔

آپ نے چودہ تاریخ کو جو خط باپو کے اُس مقالے کی نسبت لکھا تھا جو قرارداد میسور پر اُن کے قلم سے نکلا تھا اُس کا جواب وہ خود لکھتے۔ مگر اُن کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا جواب لکھوا بھی نہیں سکے۔ وہ اس قدر تھک گئے ہیں کہ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اُن کو محنت کی اجازت دینا خطرناک ہوگا۔ مگر میں نے اُن کو آپ کے خط کا خلاصہ بتا دیا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اُن کو اس باب میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عدم مداخلت کی پالیسی کی خلاف ورزی ہوئی۔ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ گزشتہ ایام میں کانگریس مداخلت کی مرتکب ہوئی مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل درست نہیں تھا۔ اور اگر وہ آگے بڑھنے سے روک دینے کو ضروری خیال نہ کرتے تو وہ یہ مقالہ نہ لکھتے۔ باپو کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرارداد کی عبارت اچھی نہیں تھی، اُن کو اس امر کا یقین ہے کہ اگر مجلسِ عاملہ کے دوسرے ممبروں نے آپ کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کرانے کی زحمت گوارا کی ہوتی کہ یہ قرارداد خارج از اختیار یا غیر قانونی ہے تو آپ قطعی طور پر وہ تقریریں نہ کرنے دیتے جو خود قرارداد سے بھی بدرجہا بدتر تھیں۔ باپو چاہتے ہیں کہ میں آپ کو یقین دلادوں کہ اُن کا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا کہ آپ کو موردِ الزام قرار دیں۔ آپ اپنے کام میں تا بہ گلو غرق تھے۔ یہ فرض آپ کے رفقائے کار کا تھا کہ وہ آپ کو متوجہ کرتے۔ آپ خود نظم وضبط کے ایسے اچھے حامی ہیں کہ آپ اُن کے مشورے کو ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔ باپو محسوس کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔

میری سرد اور اکھڑی سی زبان اُس احساس کے اظہار سے قاصر ہے جو باپو کے ذہن میں ہے۔ جس دن اُن کے قوٰی جواب دے گئے تھے اُس دن وہ اس قرارداد سے سخت مضطرب تھے، اور آج جب وہ اس معاملے پر گفتگو کر رہے تھے تو وہ مجھ کو پھر اُسی حالت میں نظر آئے۔ میں نے اُن کو گفتگو سے روک دیا اور عرض کر دیا کہ میں اس معاملے سے متعلق اُن کا خیال آپ تک تا حدِ مقدور بہتر سے بہتر طریقے پر پہنچا دوں گا۔

خون کا دباؤ کچھ اس درجہ ناہموار ——— چل رہا ہے کہ ڈاکٹروں کا خیال

ہے کہ اُن کو اپنی من مانی کر لینے کی اجازت نہ دینی چاہیئے۔ وہ پندرہ دن کے اندر کلکتہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر وہ خود محسوس کرتے ہیں کہ ایسا کرنا اُن کے لیئے جسمانی لحاظ سے ناممکن ہے۔ اُنھوں نے وعدہ فرمالیا ہے کہ اب وہ مکمّل آرام کریں گے، کم از کم اُس وقت تک کہ خون کا دباؤ پندرہ دن یا اس سے بھی زیادہ یک ساں حالت میں رہے۔

محبت آپ کا
مہادیو

۱۹۶۔ از اگنیز اسمیڈلے

جنرل ہیڈ کوارٹرز
چینی آٹھویں رُوٹ آرمی (سُرخ فوج)
مغربی شانسی صوبہ، چین،
۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء

پیارے مسٹر نہرو،

میں آپ کو پھر ایک اہم مسئلہ کی بابت لکھ رہی ہوں۔

جو علاقے جاپانیوں کے قبضے میں واقعی آچکے ہیں، اُن میں ہزارہا چینی طلباء مزدور اور کسان اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور رضا کار ٹولیاں بناکر جاپانیوں سے لڑ رہے ہیں۔ اُن کے پاس اسلحہ تو ہیں مگر نہ تو جڑاول ہے اور نہ جوتے۔ اور اکثر کئی کئی دن تک کھانے کو بھی اُن کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری جو فوج یہاں ہے وہ خود بہت غریب ہے اور لوگوں کو شمال میں منظم اور مسلح کر رہی ہے۔ رضا کاروں کے لیئے اس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ اُس نے ابھی دو ہزار آدمیوں کے ایک رضا کار دستے کو ایک ہزار ڈالر کی رقم دی ہے جو تقریباً ۵۰ سینٹ فی کس پڑی! یہ رقم چار یا پانچ دنوں کے بقدر سدِّ رمق کھانے کے لیئے ہے۔

کیا ہندوستان کی نیشنل کانگریس چینی رضا کاروں کے لیئے کوئی رقم بھیج سکتی ہے؟ آج اور گزشتہ ہفتے میں میں نے اپنے جنرل ہیڈ کوارٹرز سے اس مسئلہ پر بات چیت کی تھی۔ ہم امریکہ میں اور یہاں چین میں بھی کچھ سرمایہ فراہم کرنے کی

کوشش کر رہے ہیں ۔۔۔ اگرچہ چینی خود دوسرے مقامات پر سخت گراں بار ہو رہے ہیں ۔ اس لئے اب میں ہندوستان کی نیشنل کانگریس سے اپیل کرتی ہوں ۔ ہمیں رضاکاروں کے لئے کچھ دیجئے ۔ اگر آپ کچھ دینا چاہیں تو بنک کی ہنڈی کے ذریعے بھیجئے ۔ یہ ہنڈی چینی بنک کی شاخ سیانفو، سیان، چین کے نام اِس پتے پر ہو :

مس اسمیڈلے،
بوساطت لن پہہ چو، جی ہسیان چونگ ۱۱
سیانفو، شانسی، چین

بذریعے ہوائی ڈاک
براہ ہانگ کانگ

جو کچھ بھی آپ کریں جلد کریں اس لئے کہ جاپانی جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں ۔ ہنڈی جو آپ بھیجیں وہ صرف براہ ہانگ کانگ ہوائی ڈاک سے بھیجیں، اس لئے کہ ہانگ کانگ سے سیان تک ایک ہوائی ڈاک سیدھی آتی ہے ۔

ہم آپ سے غلامی اور محکومی کے خلاف چینیوں کے اس جہاد میں مدد اور اعانت کے لئے اپیل کرتے ہیں ۔

مخلص
آگنیز اسمیڈلے

۱۹۷ ۔ از چو تہہ

ایک چینی خط کا ترجمہ
جنرل ہیڈکوارٹرز آٹھویں روٹ فوج
شانسی، چین،
۲۶ نومبر ۱۹۳۷ء

پیارے مسٹر نہرو
ہم نے یہاں چین میں خبروں میں پڑھا کہ آپ نے کئی ہندوستانی شہروں میں ہمارے جہادِ آزادی کی تائید میں عام جلسے منعقد فرمائے یا اجازت دی ہے کہ

اہلِ چین اور خصوصاً آٹھویں آرمی (چین کی سُرخ فوج) کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔

آپ جانتے ہیں کہ جاپانیوں نے کئی شہروں پر اور ہماری بڑی ریلوے لائنوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہماری آٹھویں روٹ آرمی، جو چینی عوام کی انقلابی فوج ہے، اہلِ چین کو ایک طویل جنگ کے لئے منظم اور مسلح کر رہی ہے جو بالآخر ہماری فتح و آزادی پر ختم ہوگی۔ ہمارا یہ کام دشوار ہے اس لئے کہ ہماری فوج ایک غریب فوج ہے۔ تمام شمالی علاقے میں جہاں کہیں بھی ہم لڑ رہے ہیں اپنے کسان رضاکار سپاہیوں کی مدد کر رہے ہیں اور یہ رضاکار بڑی تیزی سے ہماری باقاعدہ فوج میں داخل ہوتے جارہے ہیں۔ مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جسے ہم حل نہیں کر پا رہے ہیں اور اس وقت میں اسی مسئلے کی نسبت آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

جو علاقے اس وقت جاپانیوں کے قبضے میں واقعی آچکے ہیں، مثلاً شانسی کے شمالی حصے میں ریلوے لائنوں کے گرد و پیش، سوئیوان اور چاہار کے صوبوں میں اور مغربی ہوپائی میں، ہزارہا مزدور، کسان اور طلباء خود بخود اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، دشمنوں سے اسلحہ چھین لئے ہیں اور رضاکار دستے بنا بنا کر شہنشاہیت کی حملہ آور فوجوں سے نبرد آزما ہیں۔ اِن رضاکاروں کے پاس ہتھیار تو ہیں مگر نہ تو سرمائی کپڑے ہیں، نہ کمّل ہیں، نہ جوتے ہیں اور نہ کچھ کھانے کو ہے۔ کبھی کچھ مل جاتا ہے اور کبھی فاقہ۔ حال ہی دو ہزار رضاکاروں کا ایک گروہ، اس صوبے کے شمال مشرقی حصے میں، ہماری فوج کے ایک دستے سے ملا اور اس میں شامل ہوگیا۔ ہم ان لوگوں کو صرف ایک ہزار چینی ڈالر دے سکے جو فی کس ۵۰ سنٹ کے پڑتے ہے تقسیم ہوئے۔ یہ رقم تقریباً ایک ہفتے تک ان کو ایک وقت کا کھانا مہیا کر سکے گی۔ ہمارا مسئلہ اتنا بڑا ہے کہ ہم اِن رضاکاروں کی مدد اُن کی ضرورت کے مطابق نہیں کر سکتے۔ یہ مسئلہ ہمارے سامنے ہمیشہ رہا کرتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان رضاکاروں کے لئے خود چین سے اور دوسرے بیرونی ملکوں سے کچھ سرمایہ فراہم کریں۔ مس اسمیڈلے کہتی ہیں کہ ہم آپ سے بھی درخواست کر سکتے ہیں۔ اُن کو یقین ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس، جس کے آپ صدر ہیں، کوئی رقم بطور عطیہ دے گی جو ہماری فوج اِن

رضا کاروں میں تقسیم کر دے گی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک آنہ بھی جو آپ دیں گے یہاں اُس کو خوش آمدید کہا جائے گا اور بڑی شکر گزاری کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور رضا کاروں تک پہنچا دیا جائے گا اور وہ اپنا جہاد جاری رکھ سکیں گے۔

شاید آپ ایک کمیٹی قائم کر سکیں جو رضا کاروں کے نام سے سرمایہ فراہم کرے۔ اگر آپ ایسا کر سکتے ہوں تو فوراً کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے ملک میں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جو ہمارے اس جہادِ آزادی میں ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں اور ہماری مدد کے لئے کچھ دینے پر آمادہ ہوں گے۔

چینی قوم کی آٹھویں روٹ آرمی کے سپہ سالار کی حیثیت سے میں آپ سے انڈین نیشنل کانگریس سے اور تمام اہلِ ہند سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ چین مغلوب و محکوم نہیں ہوا ہے، اُس نے شکست نہیں کھائی ہے اور یہ کہ ہم کبھی مغلوب و محکوم نہ ہوں گے اور نہ مغلوب و محکوم کئے جا سکیں گے۔ ہماری فوج شمالی چین سے کبھی پسپا نہ ہوگی۔ ہم قوم کے ساتھ رہیں گے، اُن کو منظم اور مسلح کرتے رہیں گے، اور جاپان کی شہنشاہیت پرست حملہ آور فوجوں سے اُس وقت تک برابر برسرِ پیکار رہیں گے جب تک کہ ان فوجوں کا آخری سپاہی بھی ہمارے ملک سے بہ شمول منچوریا نکال نہیں دیا جاتا۔ جاپانیوں کے جھوٹ اور پراپیگنڈے سے دھوکا نہ کھائیے گا۔ ہمارا جہاد ابھی صرف شروع ہوا ہے۔ چینی حکومت کی باضابطہ فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ہماری فوجیں کبھی شکست نہ کھائیں گی اس لئے کہ یہ قوم کی فوجیں ہیں اور قوم کے لاکھوں افراد روزافزوں طور پر ہمارے گرد و پیش جمع ہوتے جا رہے ہیں اور ہمارے ساتھ حملہ آوروں سے لڑ رہے ہیں۔

ہم لوگ ایک زبردست، منضبط اور تربیت یافتہ لوہے کے بنے ہوئے سپاہی ہیں اور ہمارے تمام سپاہی، رضا کاروں سے لے کر کماں داروں تک، اعلیٰ درجے کی سیاسی تربیت پائے ہوئے ہیں۔ ہم سب پورے طور پر اور پوری بصیرت کے ساتھ اپنے اُس پارٹ سے آشنا ہیں جو ہم ایشیا میں آج اور مستقبل کے لئے ادا کر رہے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم یہ لڑائی صرف چینی قوم اور باشندگانِ چین کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں، بلکہ ہم تمام باشندگانِ ایشیا کی

اہلِ چین اور خصوصاً آٹھویں آرمی (چین کی سُرخ فوج) کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔

آپ جانتے ہیں کہ جاپانیوں نے کئی شہروں پر اور ہماری بڑی ریلوے لائنوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہماری آٹھویں روٹ آرمی، جو چینی عوام کی انقلابی فوج ہے، اہلِ چین کو ایک طویل جنگ کے لئے منظم اور مسلح کر رہی ہے جو بالآخر ہماری فتح و آزادی پر ختم ہوگی۔ ہمارا یہ کام دشوار ہے اس لئے کہ ہماری فوج ایک غریب فوج ہے۔ تمام شمالی علاقے میں جہاں کہیں بھی ہم لڑ رہے ہیں اپنے کسان رضاکار سپاہیوں کی مدد کر رہے ہیں اور یہ رضاکار بڑی تیزی سے ہماری باقاعدہ فوج میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جسے ہم حل نہیں کر پا رہے ہیں اور اس وقت میں اسی مسئلے کی نسبت آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

جو علاقے اس وقت جاپانیوں کے قبضے میں واقعی آچکے ہیں، مثلاً شانسی کے شمالی حصے میں ریلوے لائنوں کے گرد و پیش، سوئیوان اور چاہار کے صوبوں میں اور مغربی ہوپائی میں، ہزارہا مزدور، کسان اور طلبا، خود بخود اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، دشمنوں سے اسلحہ چھین لئے ہیں اور رضاکار دستے بنا بنا کر شہنشاہیت کی حملہ آور فوجوں سے نبرد آزما ہیں۔ اِن رضاکاروں کے پاس ہتھیار تو ہیں مگر نہ تو سرمائی کپڑے ہیں، نہ کمبل ہیں، نہ جوتے ہیں اور نہ کچھ کھانے کو ہے۔ کبھی کچھ مل جاتا ہے اور کبھی فاقہ۔ حال ہی میں دو ہزار رضاکاروں کا ایک گروہ، اس صوبے کے شمال مشرقی حصے میں، ہماری فوج کے ایک دستے سے ملا اور اس میں شامل ہوگیا۔ ہم ان لوگوں کو صرف ایک ہزار چینی ڈالر دے سکے جو فی کس ۵۰ سنٹ کے پڑتے ہیں تقسیم ہوئے۔ یہ رقم تقریباً ایک ہفتے تک ان کو ایک وقت کا کھانا مہیا کر سکے گی۔ ہمارا مسئلہ اتنا بڑا ہے کہ ہم اِن رضاکاروں کی مدد اُن کی ضرورت کے مطابق نہیں کر سکتے۔ یہ مسئلہ ہمارے سامنے ہمیشہ رہا کرتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان رضاکاروں کے لئے خود چین سے اور دوسرے بیرونی ملکوں سے کچھ سرمایہ فراہم کریں۔ مس اسمیڈلے کہتی ہیں کہ ہم آپ سے بھی درخواست کر سکتے ہیں۔ اُن کو یقین ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس، جس کے آپ صدر ہیں، کوئی رقم بطور عطیہ دے گی جو ہماری فوج اِن

رضا کاروں میں تقسیم کردے گی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک آنہ بھی جو آپ دیں گے یہاں اُس کو خوش آمدید کہا جائے گا اور بڑی شکرگزاری کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور رضا کاروں تک پہنچا دیا جائے گا اور وہ اپنا جہاد جاری رکھ سکیں گے۔

شاید آپ ایک کمیٹی قائم کرسکیں جو رضا کاروں کے نام سے سرمایہ فراہم کرے۔ اگر آپ ایسا کرسکتے ہوں تو فوراً کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے ملک میں کروڑوں آدمی ایسے ہیں جو ہمارے اس جہادِ آزادی میں ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں اور ہماری مدد کے لئے کچھ دینے پر آمادہ ہوں گے۔

چینی قوم کی آٹھویں روٹ آرمی کے سپہ سالار کی حیثیت سے میں آپ سے، انڈین نیشنل کانگریس سے اور تمام اہلِ ہند سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ چین مغلوب و محکوم نہیں ہوا ہے، اُس نے شکست نہیں کھائی ہے اور یہ کہ ہم کبھی مغلوب و محکوم نہ ہوں گے اور نہ مغلوب و محکوم کئے جاسکیں گے۔ ہماری فوج شمالی چین سے کبھی پسپا نہ ہوگی۔ ہم قوم کے ساتھ رہیں گے، اُن کو منظم اور مسلح کرتے رہیں گے، اور جاپان کی شہنشاہیت پرست حملہ آور فوجوں سے اُس وقت تک برابر برسرِ پیکار رہیں گے جب تک کہ ان فوجوں کا آخری سپاہی بھی ہمارے ملک سے بہ شمول منچوریا نکال نہیں دیا جاتا۔ جاپانیوں کے جھوٹ اور پراپگنڈے سے دھوکا نہ کھائیے گا۔ ہمارا جہاد ابھی صرف شروع ہوا ہے۔ چینی حکومت کی باضابطہ فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ہماری فوجیں کبھی شکست نہ کھائیں گی اس لئے کہ یہ قوم کی فوجیں ہیں اور قوم کے لاکھوں افراد روزافزوں طور پر ہمارے گرد و پیش جمع ہوتے جارہے ہیں اور ہمارے ساتھ حملہ آوروں سے لڑ رہے ہیں۔

ہم لوگ ایک زبردست منضبط اور تربیت یافتہ لوہے کے بنے ہوئے سپاہی ہیں اور ہمارے تمام سپاہی، رضا کاروں سے لے کر کمان داروں تک، اعلیٰ درجے کی سیاسی تربیت پائے ہوئے ہیں۔ ہم سب پورے طور پر اور پوری بصیرت کے ساتھ اپنے اُس پارٹ سے آشنا ہیں جو ہم ایشیا میں آج اور مستقبل کے لئے ادا کر رہے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم یہ لڑائی صرف چینی قوم اور باشندگانِ چین کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں، بلکہ ہم تمام باشندگانِ ایشیا کی

لڑائی لڑ رہے ہیں، نیز یہ کہ ہم اُس عالمی فوج کا ایک حصہ ہیں جو دنیا کی تمام مظلوم و مقہور اقوام اور طبقات کی آزادی کی علم بردار ہے۔ اپنے اسی شعور کی بنا پر ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم آپ سے، جو عظیم الشان ہندی قوم کے بڑے رہنماؤں میں سے ایک بڑے رہنما ہیں، یہ درخواست کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس جہاد میں ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کریں۔ ہم چینی رضاکاروں کے نام سے مالی مدد کو خوش آمدید کہیں گے، ہم دواؤں اور آلاتِ جراحی کو خوش آمدید کہیں گے، ہم تربیت یافتہ جنگی سرجنوں اور نرسوں کو خوش آمدید کہیں گے، اور ہم ایسے رضاکاروں کو بھی خوش آمدید کہیں گے جو ہماری فوجوں کے ساتھ ہمارے رضاکار دستوں کے دوش بدوش لڑ کر اپنی ہمدردی اور ہمارے ساتھ اپنا پختہ اتحاد ثابت کرنے کے خواہش مند ہوں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس سوال پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں، ہماری دست گیری اور اعانت کے لیے اپنی جدوجہد تیز تر کر دیں، جاپانی مصنوعات کے مقاطعہ کے لیے اپنی تحریک کو وسیع تر اور عمیق تر بنا دیں اور ہمارے جہادِ آزادی کے واقعات اور حقائق سے ہندوستان کے لوگوں کو آشنا کر دیں۔ اگر جاپانی، چین کو غلام بنا لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ایشیائی قوموں میں سے کوئی قوم بھی کئی سال، بلکہ شاید دسیوں بیسیوں سال اپنی آزادی سے ہم کنار نہ ہو سکے گی۔ ہماری یہ جنگ آپ کی جنگ ہے۔

ہماری فوج ایک بار پھر تہِ دل سے آپ کی اُن مساعی کا شکریہ ادا کرتی ہے جو اب تک آپ ہمارے ملک کی طرف سے انجام دے چکے ہیں۔

رفیق کار

چوتہہ

سپاہ سالار چینی آٹھویں روٹ آرمی

۱۹۸۔ از حاجی مرزا علی (فقیر صاحب ایپی)،

شیوال (وزیرستان)

۱۰ رجب ۱۳۵۶ھ (۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء)

بنام رہبر و قائدِ حریتِ ہندوستان و سرخیل نام آور قومِ ہندی،

واجبی احترامات کے ساتھ ہم عرض پرداز ذیل ہیں :
ہندوستان کے مختلف اخباروں سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہمارے خلاف بہت کچھ پروپگنڈا کیا جا رہا ہے (مجھے معاف فرمائیے گا) ہم اپنے آپ کو بعینہٖ مسیح علیٰ کی حالت میں پا رہے ہیں، اگرچہ اُن کے مقابلے میں ہم یک لخت نکمے اور ناکارہ ہیں۔ ہم مخلصانہ و گرم جوشانہ اپنے بھائیوں اور اپنی قوم کے دل دادہ ہیں۔ اِس عہد کے دشمنانِ مسیح ع کے اس کینہ پرورانہ جھوٹ کا سبب یہی ہے۔ یہ لوگ ہم کو آزادی سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر، جناب، آپ بالکل مطمئن رہیں کہ جب تک ہم اِن ظالموں کو خاکِ وطن سے بہ نوک شمشیر نکال نہیں لیتے یا اس جہاد میں ہم سب موت کے گھاٹ نہیں اُتر جاتے تب تک ہمارے اور حکومت ہند کے درمیان کوئی صلح نہیں ہو سکتی۔ ہمارے لئے آزادی کا ایک مختصر سانحہ بھی راحت آمیز غلامی کے ہزارہا ہزار سال سے بہتر ہے، (خواہ یہ غلامی مادّی لحاظ سے ہماری حالت کسی قدر بہتر ہی کیوں نہ بنا دے)

ہم مزید عرض پرداز ہیں کہ ڈکیتی اور اغوا کے جو حادثے بنّوں اور ڈیرا اسمٰعیل خاں کے قرب و جوار میں وقتاً فوقتاً وقوع پذیر ہوا کرتے ہیں۔ وہ تمام تر برطانوی ایجنٹوں کے جوڑ توڑ اور ترکیبوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہم یقیناً ان مجرمانہ افعال کو بنظر استحسان نہیں دیکھا کرتے۔ ہمارا مذہب ایسے افعال سے صاف لفظوں میں منع کرتا ہے۔ اسلام میں جو لوگ ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ "ظالم" و "مردود" اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اِس لئے کہ اسلام صلح و آشتی کا پیغام ہے، وہ ظلم و تعدّی کا حامی نہیں ہے جو صریحاً شیطنت اور ابلیسیت ہے۔

اسلام دنیا میں جنگ و جدال کی ہمت افزائی نہیں کرتا۔ بایں ہمہ ظلم و تعدّی کا مقابلہ نہ کرنا اور ظالم کے سامنے بُزدلانہ سرِ تسلیم خم کر دینا بھی روحِ اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام نے بُزدلوں کو بدترین قسم کی سزاؤں کی دھمکی دی ہے۔

جنابِ والا، آپ صاف طور پر ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے اور اس ظالم حکومت کے درمیان جو جنگ برپا ہے وہ ہمارے جنونِ تبلیغِ اسلام کا نتیجہ نہیں ہے، وہ نتیجہ ہے ہماری آزادیوں پر اس ظالم حکومت کے بے جا اور بے بنیاد

جلے گا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مذہب کے معاملے میں ہمیں صاف صاف تعلیم دے دی ہے اور کتابِ مقدس میں ہمیں بتا دیا ہے کہ "مذہب کے معاملے میں زبردستی کرنا روا نہیں ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے لئے مذہب کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ جو مذہب چاہے اختیار کر سکتا ہے ــــ خواہ وہ مسلمان رہے خواہ ہندو یا عیسائی۔ اس لئے قرآنی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب مزاج، جبلت، اور روحانی فکر و نظر کا معاملہ ہے۔ اسی سبب سے موت کے بعد ایک دن روزِ جزا کا مقرر ہے جب، انسان نہیں، خود خدائے تعالیٰ اس زندگی کے جملہ اعمال کی سزا یا جزا دے گا۔

جنابِ والا، آپ اس بات پر یقین کیجئے کہ وزیرستان کی موجودہ صورتِ حال برطانوی چیرہ دستیوں اور اُس جارحانہ فتح والحاق کی پالیسی کا نتیجہ ہے جو حکومتِ ہند نے اختیار کر رکھی ہے، اور کسی اور شئے کا نتیجہ نہیں ہے اور اس لئے جب تک ہم زندگی کا سانس لیتے ہیں غلامی کے آگے جھکنا ہمارے لئے محال ہے۔ خدا کرے کہ اس کی مدد سے ہندوستان ان کے پنجۂ ظلم سے اپنے آپ کو آزاد کرا لے اور ہم اپنا وطن اپنی تلواروں کے زور سے ان ظالموں کے پنجے سے آزاد کرا لیں۔ خدا ایسا ہی کرے! آمین

مُہر

حاجی مرزا علی

(فقیر صاحب ایپی)

۱۹۹۔ بنام مہاتما گاندھی

۱۴ر نومبر ۱۹۳۷ء

میرے پیارے باپو

میں نے ابھی ابھی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ پر آپ کا مقالہ پڑھا۔ قرار دادِ میسور کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے حلقۂ اختیارات سے خارج تھی۔ اگر واقعہ یہ تھا تو مجھے اس قرار داد پر بحث و مباحثہ کو روک دینا چاہئے تھا۔ میں کسی ایسی دستوری دفعہ کا علم نہیں رکھتا جس سے یہ

نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو اور کسی ایسی تجویز کو ممنوع یا ناقابلِ بحث قرار دینے کے لیے جس کی باضابطہ تحریک ہوئی ہو اور جس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اکثریت کی تائید حاصل ہو۔ اسی قسم کی کوئی دستوری دفعہ ضروری ہے۔ خود دستور سے قطعِ نظر، مجھ کو کانگریس یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے کسی سابق فیصلہ کا بھی علم نہیں ہے جو یہ قرار دیتا ہو کہ ایسے معاملات پر غور نہ کیا جانا چاہیے۔ اگر کوئی ایسی قرارداد ہو بھی تب بھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تک کہ یہ قرارداد ضوابطِ عمل میں داخل نہ کر دی گئی ہو، وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو کسی معاملے پر غور کرنے سے، اگر وہ غور کرنا پسند کرے، کیوں کر روک سکتی ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ کسی ایسی تجویز پر غور کرے جو خود اسی کی منظور کردہ کسی سابقہ قرارداد کے خلاف جاتی ہو۔ اگر کوئی ضابطہ کار یا طریقِ کار موجود ہے تو جب تک کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اس کو بدل نہ دے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس قسم کے کسی ضابطہ کار یا طریقِ کار کا کوئی سوال تو پیدا نہیں ہوتا، مگر مجھے کسی ایسی قرارداد کا علم بھی نہیں ہے جو کوئی پالیسی ایسی متعین کرتی ہو جس کی قراردادِ میسور سے خلاف ورزی ہوتی ہو۔ جو بیانات ہم نے ایامِ گزشتہ میں جاری کیے ہیں ان میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ کانگریس ریاستوں میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی پر چلنا چاہتی ہے۔ یہ بیانات آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو مداخلت سے روک نہیں سکتے بشرطیکہ وہ مداخلت کرنا پسند کرے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قانونی فقرہ "خارج از دائرۂ اختیارات" کا اطلاق اس موقع پر کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مداخلت ہے کیا چیز؟ کیا کسی قرارداد میں کسی ریاست کا ذکر آ جانا ہی مداخلت ہے؟ کیا شہری آزادیوں کا مطالبہ یا جبر و تشدد کی مذمت مداخلت ہے؟ اگر ایسا ہے تو خود کانگریس گزشتہ دو برسوں میں اس جرم کا ارتکاب کھلے کھلے، متعین اور غیر مشتبہ فقروں میں کر چکی ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قراردادِ میسور کی عبارت بہت بری ہے اور بہرصورت میں اس وقت نہیں چاہتا تھا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اسے منظور کرے۔

مگر میرے اپنے احساسات کا نفس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک جمہوری جماعت کے صدر کی حیثیت سے کام کرنے پر مجبور ہوں۔ قرار دادِ ریاستِ میسور میں جبر و تشدّد کی مذمت تھی۔ کیا ہمیں آئندہ کسی ریاست میں جبر و تشدّد کی مذمت سے الگ ہی رہنا پڑے گا خواہ اُس جبر و تشدّد کی نوعیت کچھ ہی ہو۔ اگر یہ جبر و تشدّد خود کانگریس پر حملہ کرنے، اُس کے جھنڈے کی اہانت کرنے یا ہماری تنظیم کو ممنوع قرار دینے پر مشتمل ہو تو کیا اُس وقت بھی ہمیں خاموش ہی رہنا پڑے گا؟ یہ معاملات صاف ہو جانے چاہئیں تاکہ ہمارا دفتر اور ہماری تنظیم واضح اور متعین طور پر جان لے کہ اُسے کون سا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ کم از کم دوسرے فریق کا بیان سُنے بغیر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ تجویز منظور نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کیا آپ کے خیال میں ہمارے لئے یہ ممکن العمل ہے کہ ہم اس غرض سے تحقیقاتی کمیٹیاں مقرر کر دیا کریں جو ریاستوں میں جا کر معاملات کی چھان بین کر لیا کریں؟ کیا ریاستیں اس سے اتفاق کریں گی؟ میں نے یہ تجویز متعدد موقعوں پر ریاستوں کے سامنے پیش کی ــــ کسی تحقیقاتی کمیٹی کی نہیں بلکہ یہ کہ کوئی ایک شخص تنہا جائے اور فریقین سے حالات دریافت کر لے۔ مگر ریاستوں نے ہمیشہ یہ تجویز مسترد کر دی۔

میسور کا معاملہ ایک زمانے سے چل رہا ہے۔ کرناٹک کی صوبائی کانگریس کمیٹی نے اس معاملے میں کچھ اقدامات کئے ہیں۔ ان کے سکریٹری نے دیوانِ میسور سے ایک طویل ملاقات کی۔ میں نے دیوان کو کئی خط لکھے اور بہت سی متعیّن و مخصوص مثالیں اُن کے سامنے رکھیں۔ انھوں نے ایک طویل جواب دیا مگر میرے خیال میں وہ ریاست کی پالیسی کو حق بجانب ثابت نہیں کر سکے۔ گزشتہ کئی ماہ سے میں میسور کے کانگریسیوں کو روکے ہوئے ہوں کہ وہ کوئی حکم عدولی نہ کریں اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے کوئی حکم عدولی کی بھی نہیں، بجز ایک نادیمان کے جنھوں نے حال ہی میں ریاست کا ایک حکم نہیں مانا۔ آخرکار کرناٹک کی صوبائی کانگریس کمیٹی نے صورتِ حال پر غور کیا اور میسور کی جبر و تشدّد کی پالیسی کی مذمت کی اور ہم سے مزید ہدایات مانگیں کہ اب انھیں

کیا کرنا چاہیے۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہی سے درست مانا جا سکتا ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے کسی کی مذمت اُس کا بیان سُنے بغیر یا یک طرفہ کی۔ ہم نے اُن تمام معمولی راہوں پر چل کر دیکھ لیا جو ہمارے لئے کُھلی ہوئی تھیں۔

میں یہ تمام باتیں آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ خود میرے اپنے ذہن میں اپنی پالیسی سے متعلق کوئی شک وشبہہ باقی نہ رہ جائے۔ آپ نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اور مجھے اُس طرزِ عمل پر موردِ الزام ٹھیرایا ہے جو اختیار کیا گیا۔ میں اب تک یہ نہیں سمجھ پایا ہوں کہ میں نے کہاں اور کیوں کر غلطی کی اور جب تک میں یہ نہ سمجھ لوں میں مشکل ہی سے دوسرا طرزِ عمل اختیار کر سکتا ہوں۔

آپ کا پُراز محبّت

جواہر لعل

مہاتما گاندھی، واردھا (سی۔پی)

۲۰۰۔ بہ نام گووند بلبھ پنت

(نجی)

۲۵ نومبر ۱۹۳۷ء

میرے عزیز پنت جی

میں آج آسام جارہا ہوں اور غالباً وسط دسمبر سے پہلے واپس نہ آؤں گا۔ جانے سے پہلے میں اِس خط کے ذریعے آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ سارے ہندوستان میں، جہاں تک کانگریسی وزارتوں کا تعلق ہے، معاملات جو رُخ اختیار کرتے جارہے ہیں اُس سے مجھے سخت اذیت پہنچی ہے۔ اُن خطوط میں جو مجلسِ عاملہ کے ممبروں کو بھیجے گئے، جن کی ایک نقل آپ کو بھی بھیجی گئی، میں نے اپنے احساسات کا اظہار کر دیا تھا۔ ان احساسات کے اظہار میں میں نے ضبط و تحمّل سے کام لیا تھا مگر اس ضبط و تحمّل کی پُشت پر یقین و اذعان کی ایک شدّت بھی تھی۔ اگر اس بات کو میں اصطلاحی زبان میں کہوں تو یہ کہنا پڑے گا کہ کانگریسی وزارتوں میں ایک رجحان انقلاب دشمنی کا پیدا ہو چلا ہے۔ یقیناً یہ کوئی شعوری ارتقا نہیں ہے مگر جب کبھی کوئی موقع انتخاب کا آتا ہے تو رجحان اسی طرف ہوتا ہے۔ اس سے قطعِ نظر، عام انداز اور عام روش انجماد اور بے حرکتی کی ہے۔

ہم سکوں پذیر اور بے حرکت رہنے کی گنجائش ہی نہیں رکھتے ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم (چھوٹے چھوٹے جزوی تغیرات کے ساتھ) صرف پچھلی حکومتوں کے روایتی ڈھرّے پر چل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی طویل مدّت تک منجمد اور بے حرکت نہیں رہ سکتے اس لئے کہ دُنیا منجمد اور بے حرکت نہیں ہے۔ دو راہوں میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر طور پر کرنا ہی پڑے گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر انتخاب غلط ہی قسم کا ہوا کرتا ہے۔

مجھے اس امر کا پورا یقین ہے کہ کانگریسی وزارتوں کے قیام نے ہماری طاقت اور قوت بہت بڑھادی ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ہماری طاقت اور قوت میں یہ اضافہ ایک حد تک تو نتیجہ اُن ابتدائی اقدامات کا ہے جو اِن وزارتوں نے کئے مگر بہت بڑی حد تک یہ تبدیلی ایک نفسیاتی تبدیلی تھی جو ناگزیر تھی۔ مگر ہم نفسیات پر یا چند اچھے کاموں کی شہرت پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم کئی ماہ سے کام کر رہے ہیں، ہمیں کچھ بہتر اور اہم تر نتائج دکھانے ضروری ہیں۔ اور اب حالت یہ ہے کہ جب آگے بڑھنے کا وقت آتا ہے تب ہم ایک نمایاں رجحان پیچھے ہٹنے کا دکھاتے ہیں۔ یقیناً ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے اس لئے کہ تحریک اتنی قوی اور طاقت ور ہے کہ ہمیں پیچھے ہٹنے کی وہ اجازت ہی نہ دے گی، مگر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں ہم اس تحریک کو بہت کمزور کر دیتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک وہی کرنے لگتے ہیں جو برطانوی حکومت ہم سے کرانے کی کئی سال سے کوشش کر رہی ہے —— یعنی تفرقہ ڈالو اور کانگریس سے یا کانگریس کے ایک حصّے سے وہی پالیسی منظور کرالو جو بنیادی طور پر شہنشاہیت دوستی کی پالیسی ہے۔ اگر ایسے حادثوں کا ظہور پذیر ہوتے رہنا ہی اغلب اور قرینِ قیاس ہے تو ہم عہدے جس قدر جلد چھوڑ کر چلے آئیں بہتر ہے۔ مجھ کو اس باب میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اگر ہم اپنی موجودہ رفتار سے کہیں زیادہ تیز گامی کے ساتھ آگے نہیں بڑھ سکتے تو ہمارا حکومت سے باہر رہنا اندر رہنے کی نسبت زیادہ اچھا ہے۔ واقعتاً اِس وقت، سوال پیچھے نہ ہٹنے ہی کا ہے خصوصاً مدراس اور بمبئی میں۔

ہو سکتا ہے کہ میں نے حالات کا جو اندازہ لگایا ہے وہ غلط ہو مگر میں صرف

اپنی ہی استعداد و قابلیت کے مطابق فکر و عمل کر سکتا ہوں۔ اور مسائل اتنے سنگین ہیں کہ نہ اُن کو دبایا جا سکتا ہے اور نہ اُن کو خفیف کر کے دکھایا جا سکتا ہے۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل

۱۰۲۔ بنام خلیق الزماں

الہ آباد

۲۷ر جون ۱۹۳۷ء

میرے پیارے خلیق

کل سہ پہر میں میں نے روزنامۂ خلافت مورخہ ۲۵ر جون میں بندیل کھنڈ کے ضمنی انتخاب کی نسبت ایک بیان پڑھا۔ اس بیان پر بہ شمول تمھارے چھ سات صاحبوں کے دستخط ہیں۔ میں نے اس بیان کو حیرت و استعجاب کے ساتھ پڑھا۔ اس قسم کی کسی تحریر کے ساتھ میں تمھارا نام کبھی مربوط نہیں کر سکتا تھا۔ اس بات کو باور تو کسی حالت میں بھی مشکل ہی سے کیا جا سکتا تھا، مگر میرے تمھارے درمیان جو باتیں گزشتہ اپریل میں ہو چکی تھیں اُن کے پیشِ نظر تو میں اپنی آنکھوں پر شک کرنے لگا۔ گزشتہ دو تین ماہ سے میں ہندوستان کے حوادثِ حاضرہ سے کسی قدر ناآشنا سا ہوں، کچھ اپنی علالت کے سبب اور کچھ ہندوستان میں اپنی غیر موجودگی کے سبب۔ مگر حوادث کی رفتار اصول پر کچھ بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی اور روزنامۂ خلافت میں جو کارنامہ تمھارا بیان کیا جاتا ہے اُس کی زد تو خود ان اصولوں کی بنیاد پر پڑتی ہے۔ ایامِ گزشتہ میں ہمارے درمیان اس باب میں اختلافِ رائے رہا ہو تو کچھ عجب نہیں کہ ہماری سرگرمیاں کس قسم کی رہنی یا ہونی چاہئیں مگر میرا یہ خیال ہمیشہ رہا کہ ہمارے عام افکار و آراء میں ایک قسم کی یکسانی اور یک رنگی پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں غلطی پر تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے ماضی میں بھی میرا اصول کار یہ رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ اُن اصول کا میں زیادہ لحاظ رکھا کروں جو مجھ کو عزیز ہیں بہ نسبت اُن نتائج کے جو میرے اعمال پر مترتب ہوں۔ فکر و عمل کی اس بنیاد کے بغیر میں پانی کے بہاؤ پر ایک تنکا سا

رہ جاؤں گا جو بغیر پتوار اور بغیر پرکار کے اِدھر اُدھر اُڑتا پھرے۔ میں نے زندگی کو اکثر اور بیشتر حالات میں ایک بارِ گراں سا پایا ہے مگر اس ایک واقعہ سے میں نے کچھ تسکین پائی ہے کہ میں نے کچھ مقرّرہ اصولوں کو سینے سے لگا رکھنے اور اُن پر عمل پیرا رہنے کی کوشش کی ہے۔

جو کچھ تم نے کیا یا جو کچھ تمھاری طرف منسوب کیا جا رہا ہے اُس سے مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ مجھ پر تمھارا یہ قرض ہے کہ اس معاملے میں میں اپنے احساسات سے تم کو مطلع کر دوں۔ میرا یہ خیال تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تم سے یہ توقع رکھنے کا حق تھا، کہ تم مجھ سے مشورہ کئے بغیر کوئی ایسا قدم نہ اُٹھاؤ گے۔ تمھاری یقین دہانی میرے ذہن میں محفوظ تھی اور میں اُس کی قدر کرتا تھا۔ مگر جب یہ یقین دہانی باقی نہیں رہی تو بالکل فطری طور پر مجھے ایک قسم کا صدمہ سا محسوس کرنا چاہیے تھا۔

یہ خط بالکل ایک نجی اور ذاتی خط ہے۔ سیاسی طور پر مجھے کوئی ایسا خط لکھنے کا حق نہیں تھا۔

تمھارا

جواہر لعل

(چودھری خلیق الزّماں یو۔ پی کے ایک سر برآوردہ کانگریسی تھے۔ بعد کو وہ مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ تقسیم کے بعد ہی وہ پاکستان چلے گئے)

۲۰۔ از خلیق الزّماں

لکھنؤ

۲۸ / نومبر ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر

کچھ دن ہوئے مجھے تمھارا خط ایک ملفوف پرچے کے ساتھ ملا تھا۔ تم کو یاد ہوگا کہ گزشتہ مئی میں، جب بُندیل کھنڈ کا انتخاب لڑا جا رہا تھا، میں نے اُن خطروں سے متعلق ایک مفصّل خط تم کو لکھا تھا جن کا مجھے اِس "مسلم عوام سے رابطہ پیدا کرو" کی تحریک سے اندیشہ تھا، اور میرا خیال ہے کہ موجودہ صورتِ حال

کانگریس کی اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ کانگریس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو فرقہ وارانہ تصفیہ اور جداگانہ نظامِ انتخاب کی موجودگی میں بھی مسلم نشستوں پر بھی انتخابات لڑے، مگر میرے خیال میں ملک کے عام مفادات کے حق میں یہ بہتر ہوتا کہ جب تک مسلمان جداگانہ انتخاب کے نظام کو مانتے ہیں اُن کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ اپنے نمائندے وہ اپنے مخصوص پلیٹ فارم سے بھیجیں۔ بدقسمتی سے میں آپ کو اس زاویۂ نگاہ سے اتفاق کر لینے پر آمادہ نہیں کر سکا۔ یہ ناگوار حادثے براہِ راست اِن ہی انتخابات سے تعلق رکھتے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ جب تک یہ انتخابات ہوتے رہیں گے موجودہ صورتِ حال کا کوئی حل نہ نکل سکے گا۔ مسلمان کانگریسی امیدوار اور اُس کے حامی اس بات کا ضرور اعلان کریں گے کہ وہ بھی اُتنے ہی اچھے اور سچے مسلمان ہیں جتنے اچھے اور سچے مسلمان ہونے کا دعویٰ اُن کے مخالف مسلم لیگیوں کو ہے اور رائے دہندوں کو اپنا ہم خیال بنا لینے کی غرض سے ہر فریق پورے مذہبی جوش و خروش کے اظہار سے لازمی طور پر کام لے گا۔ شخصی طور پر میں محسوس کرتا ہوں کہ کانگریس اپنے امیدوار جداگانہ انتخابات سے منتخب بھی کرالے تب بھی جب تک کہ فرقہ وارانہ تصفیہ میں کوئی ترمیم نہیں ہوتی تب تک اُس کی طرف سے اس متنازع فیہ مسئلے پر اس حد تک زور دیا جانا کوئی معقول بات نہیں ہے۔ کچھ ہی دن ہوئے کہ ڈاکٹر مونجے نے، بجنور کے انتخاب کے بعد فرقہ وارانہ تصفیہ کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دینے پر کانگریس کو مبارک باد دی تھی۔ مجھ کو یقین ہے کہ کانگریس کسی ایسی نیت سے اُن مسلم انتخابات میں حصہ نہ لے گی جو جداگانہ نظامِ انتخابات کے تحت ہو رہے ہیں، مگر کانگریس کی پالیسی کا لابدی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کے اس امر سے اتفاق رکھنے کے باوجود کہ فرقہ وارانہ تصفیہ کو کسی متفقہ فیصلے ہی کی رُو سے بدلا یا اُس میں ترمیم کی جا سکتی ہے یہ تصفیہ درہم و برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لیگ اور کانگریس کے پروگراموں کے درمیان اس اختلاف کے سوا میں وجہ کی کوئی چیز ایسی نہیں دیکھتا جو ان دونوں تنظیموں کے ممبروں کے درمیان موجودہ تلخی سے کوئی علاقہ رکھتی ہو اور یہ ضمنی انتخابات بھی ہمیشہ ہی نہ ہوتے رہیں گے۔ جب یہ ختم ہو جائیں گے اور

لوگ بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے اُس پروگرام اور اُس کام پر غور کریں گے جو اب سامنے ہے تو مجھے امید ہے کہ یہ بے گانگی بہت کچھ ختم ہو جائے گی اور بھلا دی جائے گی۔

مسلم لیگ نے اب آزادی کے نصب العین کو اپنا لیا ہے اور اب اُس کا فرضِ لازم ہونا چاہیے کہ وہ ہر ایسی تحریک سے تعاون کرے جو شہنشاہیت کا استیصال اپنا مقصد رکھتی ہو۔ جیسے ہی کانگریس جنگ کے کسی عملی پروگرام کا آغاز کرے گی، مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ پیچھے نہ رہے گی بلکہ پوری طرح کانگریس کے ساتھ ہو کر جنگ کرے گی۔ اسی طرح مجالسِ قانون ساز کے اندر رہ کر جو کچھ کرنا ہے اُس سے متعلق بھی لیگ نے واردھا پروگرام کی پوری تائید کی ہے اور لیگ کے ممبر پابند ہیں کہ اُس کی تائید و حمایت کریں۔

میں اس حیثیت میں نہیں ہوں کہ تمھیں کوئی مفصّل اطلاع اس بیان کے بارے میں دے سکوں جو مولانا شوکت علی نے دوسروں پر ناجائز دباؤ ڈالنے سے متعلق دیا ہے، مگر اتنا تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس حکومت کا، آنریبل حافظ محمد ابراہیم کو اس امر کی اجازت دینا کہ وہ بدستور وزیر رہیں، صرف اپنی نشست سے مستعفی ہو کر پھر سے انتخاب لڑیں، اگر تمام تر غیر آئینی نہیں تو یقیناً غایت درجہ نامناسب ضرور ہے۔ حکومتِ ہند نے اپنے ایکٹ کے ذریعے گورنر کو اجازت ضرور دی ہے کہ وہ چاہے تو باہر سے کسی شخص کو وزارت میں لے لے بشرطیکہ یہ شخص اپنی تقرری سے چھ ماہ کے اندر اپنے لئے مجلسِ قانون ساز میں ایک نشست حاصل کر لے مگر یہ ایکٹ کسی وزیر کو اس بات کی اجازت کہیں نہیں دیتا کہ وہ اپنے اُس عہدۂ وزارت کو تو اپنے ہاتھوں میں رکھے جس پر وہ ایک منتخب ممبر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا تھا مگر اپنی نشست سے مستعفی ہو جائے۔ اس سے قطع نظر، آپ کو یہ واقعہ تسلیم کر لینے میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا کہ غیر ملکی حکومت کے آٹھ سال نے مسلمانوں کو عملاً تابِ مقاومت سے کلیتہً محروم کر دیا ہے اور اب یہ فرقہ قوت سے ڈرنے اور اُس کا احترام کرنے کا خوگر ہو گیا ہے۔ جو شخص ایک وزیر کی حیثیت سے انتخاب لڑے گا وہ لابدی طور پر

مسلمانوں کی اس کمزوری کا فائدہ پائے گا۔ میں نے اس طرزِ عمل پر اپنا اعتراض چیف منسٹر کو بھیج دیا تھا مگر رسیدِ خط کی اطلاع کے سوا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ بہر حال اب یہ ایک قصۂ ماضی ہے۔ جو اطلاع تم کو مطلوب ہے نواب اسمٰعیل خاں شاید تم کو دے سکیں۔

لیگ کے ممبروں کے قابلِ اعتراض اور سرکشانہ طرزِ عمل اور لیگ کے طریق نشر واشاعت سے متعلق مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم سے کہا گیا ہے وہ واقعات پر مبنی ہوگا اور صحیح ہوگا، مگر یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے۔ وہ گندی زبان اور گالیاں جو کانگریسی مسلمان، احرار اور جمعیت علماء والے روزانہ استعمال کر رہے ہیں اور وہ بے بنیاد پروپگنڈا جو لیگ کے خلاف جاری ہے وہ بھی دوسرے فریق کے لئے وجہ عزت و افتخار نہیں ہو سکتا۔ ایک مثال کے طور پر میں تمھیں بتاؤں کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی ایک تقریر میں لیگ کے مندوبین کو "متعفن لاشوں" کے لقب سے یاد فرمایا یعنی سڑی ہوئی بدبودار لاشیں۔ اسی طرح کانگریس کے ایک ترجمان "ہندوستان" کا مسلم لیگیوں کو "بھانڈ" اور "مداری" بتانا غیر ذمے دارانہ صحافت کی انتہا تھی۔ لاہور کی ایک مسجد میں مسلم لیگ کے ایک ہمدرد پر احراریوں کا حملہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تشدد کا رجحان کانگریس کے اِن مؤیدین میں بھی پایا جاتا ہے، جو ایک طرف تو یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ وہ کسی جداگانہ سیاسی تنظیم پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسری طرف شاید مسلمانوں میں ایک جداگانہ گروہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کی جو آرزو پائی جاتی ہے وہ اُس تلخی اور ناگواری سے تیز تر ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی، جب باہم ایک دوسرے کے زاویۂ نظر کو غلط سمجھنے کا یہ کہر اور یہ ظلمت دور ہو جائے گی تب تنگ مزاجی اور غیر ذمے داری کی یہ شدت بھی کم ہو جائے گی اور ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے باہم مل جل کر شانہ بشانہ کام کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اِس اثنا میں سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے ذمے دار ارکان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے سرکش عناصر کو سمجھا بجھا کر در

صحیح رہنمائی کر کے قابو میں رکھیں۔

تمہارا مخلص
خلیق

۲۰۲- از مہادیو ڈیسائی

مگن واڑی، واردھا
۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر بھائی

آپ کا ۲۷ر تاریخ کا خط مجھے ملا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپ نے مجھے خط لکھ ہی ڈالا، اور مزید حیرت اس پر ہوئی کہ آپ اتنا طویل خط لکھ پائے۔ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں میں اُس کو صحیح طور پر سمجھ رہا ہوں۔ میں نے زبردستی کوئی بحث و استدلال آپ پر ہرگز نہیں ٹھونسا، اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ آپ کوئی بحث و استدلال نہیں چاہتے۔ بلکہ میں نے اُن باتوں کی روشنی میں جو آپ نے اپنے خط میں بہ اصرار کہی تھیں، آپ کو صرف باپو کا خیال لکھ دیا تھا۔

باپو کی حالت میں کوئی ترقی رُونما نہیں ہوئی ہے۔ اس وقت ہم کوئی خط اُن تک نہیں پہنچنے دیتے۔ مگر میں نے ڈاکٹروں کے احکام کی خلاف ورزی کر کے فیصلہ کر لیا کہ میں آپ کا خط پڑھ کر باپو کو ضرور سُنا دوں گا۔ وہ اس سے خوش ہوئے کہ میں نے یہ خط اُن کو سُنا دیا؛ اور اگر اُن کے لئے کسی طرح بھی ممکن ہوتا کہ وہ اس کا جواب لکھوا دیں تو وہ ضرور لکھوا دیتے۔ مگر ایسا کرنا خارج از بحث تھا، اور اب میں کوشش کروں گا کہ میں اپنی زبان میں آپ کو بتا دوں کہ جب انھوں نے قرار دادِ میسور کو "خارج از دائرۂ اختیار" لکھا تھا تب ان کے ذہن میں کیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو یاد بھی ہے یا نہیں کہ باپو نے یہی بات مجلسِ عاملہ کی میٹنگ میں بھی کہی تھی۔ (اُن کا تاثر یہی تھا اور جب انھوں نے جمنا لعل جی سے پوچھا تو مؤخر الذّکر نے اُن کی تصدیق کی) اور اُن کو اعتماد تھا کہ اس تجویز کی تحریک کی اجازت نہ دی جائے گی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تجویز

منظور ہو گئی تو اُنھیں ایک دھچکا سا لگا۔

آپ نے اپنے خط میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرارداد کی زبان اچھی نہیں تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ یہ کہیں گے کہ زبان کی خرابی کسی قرارداد کو غیر قانونی نہیں بنا دیتی۔ باپو کہتے ہیں کہ "بنا دیتی ہے"، اور یہ اس طرح پر کہ قرارداد نہ صرف ریاست کی جابرانہ اور متشددانہ پالیسی کے خلاف احتجاج کرتی ہے بلکہ وہ برطانوی ہند کے باشندوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ باشندگانِ میسور کو ہر ممکن مدد دیں۔ اگر یہ قراردادِ لکھنؤ کے لفظ و معنی دونوں کے خلاف جانا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ قراردادِ لکھنؤ بڑے خاصے بحث و مباحثے اور غور و فکر کے بعد منظور ہوئی تھی، اور عکاسی کرتی تھی اُس اعلانِ پالیسی کی جو راجندر بابو نے ۱۔۸۔۳۵ کو کیا تھا اور جس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۱۷۔۱۰۔۳۵ کو قبول کر لیا تھا۔ اِس اعلان کا فقرۂ متعلقہ یہ تھا: "اتنا بہر حال سمجھ لیا جانا چاہیے کہ ریاستوں کے ساتھ اِس جدّوجہد کے جاری رکھنے کی ذمّے داری لازمی طور پر خود باشندگانِ ریاست کے کندھوں پر ہوگی۔ کانگریس، ریاستوں پر اخلاقی اور دوستانہ اثرات ڈال سکتی ہے اور جہاں کہیں ایسا کرنا ممکن ہوگا کانگریس پابند ہوگی کہ وہاں وہ ایسا کرنے سے دریغ نہ کرے۔ بہ حالاتِ موجودہ کانگریس اس کے سوا کوئی دوسرا اختیار نہیں رکھتی، اگرچہ باشندگانِ ہند، خواہ وہ برطانوی ہند کے باشندے ہوں خواہ رجواڑوں کے، خواہ کسی اور قلم رو کے، سب جغرافیائی اور تاریخی طور پر ایک ہی ناقابلِ تقسیم وحدت کے افراد ہیں: بحث و نزاع کی گرما گرمی میں کانگریس کی حدودِ اختیارات کو اکثر بھلا دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی اور پالیسی ہمارے مشترک مقصد کے حق میں زہر ثابت ہوگی۔"

اب غور فرمایئے یہ اعلان کیا تھا؟ صرف ایک اعادہ تھا اُس پالیسی کا جس پر کانگریس اُس وقت تک چلتی رہی تھی اور قراردادِ لکھنؤ نے تا حدِ امکان واضح ترین لفظوں میں اس امر کا استقرار کر کے کہ: "خود حالات اور معاملات کی نوعیت کا تقاضا یہ ہے کہ ریاستوں کی حدود کے اندر اِس جدّوجہدِ آزادی کو خود

ریاستوں کے باشندے چلائیں"۔ اِس اعلانِ پالیسی کو کانگریس نے منظور کردہ ایک قانون کا درجہ دے دیا۔ قرار دادِ میسور کے مؤیدین کانگریس کی خود اپنے اوپر عائد کردہ حدود کو بھول گئے، اور ایک زمانے سے کانگریس کی مانی ہوئی پالیسی کی روح کے خلاف چل پڑے۔

اب میں آپ کا دوسرا سوال لیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ: "باپو اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرار داد میں صداقت اور عدم تشدّد کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئیں۔ یہ بڑے سنگین الزامات ہیں، ان کو ثابت کرنا چاہیے" وغیرہ وغیرہ۔ جب آپ یہ سطریں تحریر فرما رہے تھے تب باپو کا مقالہ آپ کے پیشِ نظر نہیں تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ مسانی کی تجویز اور تقریریں "نقطۂ زیرِ بحث سے غیر متعلق اور دُور تھیں"۔ وہ اس کی شرح کرتے ہیں کہ یہ تجویز اور یہ تقریریں کیوں کر نقطۂ زیرِ غور سے غیر متعلق اور دُور تھیں، اور پھر اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ "اس مسئلے پر جواہر لعل نہرو نے اپنے بڑے مفصّل اور مکمّل بیان میں جو کچھ کہا ہے اُس کو بغور پڑھیں اور اُس کو اپنے دلوں میں جگہ دیں"۔ اس کے بعد یہ جملہ آتا ہے: "میں مطمئن ہوں کہ اپنے اقدام یا عمل میں یہ ناقدین سچّائی اور اہنسا سے پرے جا پڑے ہیں"۔ اِس جملے کا تعلق زیادہ تر تقریروں سے ہے نہ کہ خود قرار داد سے۔ تقریروں کے دوران خود آپ کو کئی مقرّرین کو تنبیہہ کرنی پڑی کہ وہ اپنے آپ کو اصول اور پالیسی تک محدود رکھیں۔ مسٹر مسانی نے کہا تھا کہ "بہت سے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے اور حکمِ ممانعت واپس لے لیا گیا ہے تاہم کانگریسی صوبوں میں اب بھی کچھ قیدی جیلوں میں ہیں"۔ کیا اتنا ہی اس بات کے ثابت کرنے کو کافی ہے کہ وزراء اپنی شہنشاہیت پرستی کا ثبوت دے رہے ہیں یا یہ کہ یہ لوگ بھی اُتنے ہی بُرے ہیں جتنے کہ فضل حق اور سکندر حیات خاں جیسے لوگ؟ کیا یہ کہنا درست ہے کہ جب کانگریس کے عہدے قبول کر لینے پر دو ہی ماہ کے اندر موپلا کی زیادتیوں والا ایکٹ منسوخ کر دیا گیا تب جبر و تشدّد کا تمام اسلحہ خانہ دھرا کا دھرا رہ گیا؟ میں دوسری تقریروں کا ذکر نہ کروں گا۔

جہاں تک قرار دادِ میسور کا تعلق ہے باپو کا خیال ہے کہ جب ہم نے عمداً وہاں جاکر قانون شکنی کی تب ریاست کی پالیسی کو جبر و تشدّد کی پالیسی قرار دینا نادرست ہے "قابلِ نفرت جابرانہ و متشدّدانہ کارروائیاں" اور "چھپے ہوئے احکامات اُن لوگوں پر تعمیل کئے جانے کے لئے تیار رکھنا جو ریاست سے گزریں" جیسے کلمات کوئی صداقت شعارانہ زبان نہیں ہے۔

آپ کے خط کے بقیہ حصّے سے متعلق: "آپ نے جو کچھ کہا ہے باپو نے اُس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ باپو فرمائیں آپ اُس کو اِس لئے مان لیں کہ وہ باپو کا فرمودہ ہے اور ضبط و نظم کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ "کسی معاملے کی نسبت کسی کی رائے چپ چاپ مان لی جائے۔"

میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اپنا بیان اِس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی پریس کو بھیج دیا ہوگا۔ اگر آپ نے اب تک نہیں بھیجا ہے تو شاید اس خط کی روشنی میں آپ اپنے بیان کے کچھ حصّے بدل دیں۔ اِس پورے خط کا یا اُس کے بعض حصّوں کا جو استعمال آپ چاہیں کریں، اگرچہ یہ خط بے شبہہ میرا خط ہے، باپو کا خط نہیں ہے اور اُن کو دکھائے بغیر میں اس کو ڈاک کے حوالے کر رہا ہوں۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہوں کہ آپ کا یہ بیان جیسے کا تیسا پریس کو چلا جانا چاہئے تو آپ کو آزادی ہے کہ آپ اُسے بھیج دیں، آپ اُس پر اتنا اضافہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے خط کا ایک جواب ضرور آیا تھا مگر چوں کہ وہ اطمینان بخش نہیں تھا اس لئے آپ اپنے ضمیر کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہیں۔

باپو چاہتے ہیں کہ صداقت اور عدمِ تشدّد کی اُس خلاف ورزی کے بارے میں جو ہمارے بعض وزرا کی سرگرمیوں سے ظہور میں آئی ہے آپ اُن کی صحت کی موجودہ حالت کا لحاظ کئے بغیر پوری صفائی اور تفصیل کے ساتھ لکھیں۔ اِس لئے کہ اِس خلاف ورزی کی، خواہ وہ کسی وزیر یا وزارت ہی سے سرزد ہوئی ہو، اعلانیہ مذمّت کرنی ہے اور اگر واقع میں ہمارے وزرا اُس کے مرتکب ہوئے ہیں تو وہ اس قابل ہیں کہ اُن کو نکال دیا جائے۔

بنگال کے معاملات کی نسبت آپ جو کچھ کہتے ہیں باپو اُس کو سمجھتے ہیں اس کی توقع یا اندیشہ تو اُن کو آپ سے خیر تھا ہی نہیں کہ آپ رہائیوں کے معاملے پر "جامے سے باہر ہو جائیں گے"، وہ تو بس اتنا جاننا چاہتے تھے کہ نظر بندوں اور قیدیوں کی رہائی کے مسئلے پر وہ جس طریقے پہ گورنر اور وزراء سے ملے تھے وہ آپ کو بھی پسند آیا یا نہیں۔

آپ کا پُر از محبّت

مہادیو

۲۰۴۔ از اڈولف مایرس

بتوسط ٹائمز آف انڈیا

بمبئی، ۶ر دسمبر ۱۹۳۷ء

پیارے جواہر لعل نہرو

آپ کا پمفلٹ بہ عنوانِ "مسئلۂ زبان" جس میں آپ نے بنیادی (یا بیسک) انگریزی کا بھی ذکر کیا ہے۔ میں نے ابھی ابھی پڑھا ہے۔ بیسک انگریزی سے مجھے معمولی دل چسپی نہیں ہے۔ اور یہ محسوس کر کے کہ آپ نے بیسک انگریزی کے حق میں جوش و خروش کا اظہار کرنے کے باوجود اُس کے ساتھ برائے نام ہی انصاف فرمایا ہے۔ میں اپنے ذہن میں کوئی ایسا فقرہ ڈھونڈھ رہا تھا جو آپ کے بیان کی کمی کی تلخیص کر دے اس وقت میری مدد کو وہ اقتباس سامنے آیا جو آپ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں شاید اس لئے نقل فرمایا ہے کہ صاحبِ اقتباس، پروفیسر جان ڈیوی، خود بیسک انگریزی کے ایک پُرجوش حامی ہیں۔ اقتباس کی عبارت یہ ہے: "ہر وہ سرگرمی جو کسی نصب العینی غایت کے لئے جاری رکھی جاتی ہے، اپنی غایت کی عام اور دیرپا قدر و قیمت پر ایمان و یقین رکھنے کے سبب، ایک مذہبی نوعیت اختیار کر لیتی ہے۔"

بیسک انگریزی میرے لئے ایک مذہبی چیز سی ہو گئی ہے، اور ایسا کسی حد تک تو اس لئے ہوا ہے کہ بیسک انگریزی ہی اک ایسی چیز ہے جو بہ ظاہر وقت کے ایک نہایت ہی ضروری مسئلے کا تنہا عملی حل پیش کرتی ہے، اور

یہ مسئلہ عبارت ہے اک عام اور مشترک، (خواہ وہ مُمِدّ و معاون ہی کی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو) واسطہ، تبادلۂ خیال کے ذریعے ایک بین الاقوامی فکر و نظر، اور ایک ہمہ گیر عالمی شعور پیدا کرنے سے، اور کسی حد تک اس لئے کہ یہ بیسک انگریزی ایک خداداد آلۂ کار نظر آتی ہے جس سے کام لے کر انسان اگر چاہے تو اُس سحرِ الفاظ کا راز پالے جو انسانیت کو، فکر و نظر کے حق میں، خواہ وہ فکر و نظر عوامی ہو یا مخصوص بہ علومِ حکمت و سائنس، اُن تمام المناک و مصائب آفریں نتائج و عواقب کے ساتھ جن کی طرف آپ نے خود اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا ہے، اپنی قیدِ غلامی میں جکڑے ہوئے ہے۔

ان دونوں پہلوؤں میں سے خواہ وہ بین الاقوامی ہو خواہ عمرانی، آپ نے کسی پہلو کو اپنے رسالے میں ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ میں اس بات کو یقیناً اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ بیسک کی طرف اشارہ آپ کے استدلال میں محض ضمناً آگیا تھا، پھر بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ بیسک کے وسیع تر انسانیت دوستانہ مشن سے صرفِ نظر بھی کر لیجئے تب بھی، اگر آپ نے بیسک انگریزی کے ساتھ زیادہ انصاف سے کام لیا ہوتا، تو آپ نے اپنے وہ دلائل جو آپ نے بیسک ہندوستانی کے حق میں دئے ہیں، قوی تر بنا دئے ہوتے اور اس کے امکانات کے ساتھ عمیق تر دلچسپی لینے کی ہمت افزائی کی ہوتی۔ میں نہیں جانتا کہ بیسک کا مطالعہ آپ نے کس حد تک کیا ہے، لیکن اگر آپ نے وہ کتابیں نہیں دیکھی ہیں جو اس موضوع پر شائع ہوئی ہیں تو ایک دوسرے لفافے میں میں دو چھوٹی چھوٹی کتابیں بھیجنے کی جُرأت کرتا ہوں جو مذکورہ صدر دونوں پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ ایک "ڈیبا بیلائزیشن" جو خود آگڈن کی تالیف ہے اور دوسری "بیسک تعلیم میں: شرق و غرب" از رچرڈز۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اِن کتابوں کا سرسری مطالعہ کرنے کے لئے وقت نکال لیں گے اور جب موقع آئے گا ان کے مضامین سے کام لیں گے۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے قریب قریب ایک مراقی کے رنگ میں نمایاں کرے گا، اور سچ پوچھئے تو "اب کوئی مزید جنگ نہ ہو"

جیسی تحریکوں سے، عالمِ یاس و ناامیدی میں، علیحدہ ہو جانے کے بعد، اور اُن لرزہ خیز مصائب کے پیشِ نظر جو ہمارے سروں پر منڈلاتی دکھائی دے رہی ہیں، میں بعض اوقات سوچا کرتا ہوں کہ کیا جو کچھ شعور و حسِّ تناسب بھی میں کبھی شاید اپنے اندر رکھا کرتا تھا، اُسے میں نے کھونا تو نہیں شروع کر دیا ہے۔ مجموعی طور پر، بہر حال، میں اب بھی مطمئن ہوں کہ نصب عین خواہ کتنا ہی دور ہو اور راہ کی رکاوٹیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں، ہم ایک ایسے مقامات تک پہنچ گئے ہیں جب ایک مشترک عالمی زبان کی اشاعت انسان کے ارتقا کے لیے، بہ اصطلاحِ قانونیاں، ایک ناگزیر شرط ہو گئی ہے، اور اس مشترک عالمی زبان کے بغیر انسان کا یہ شعور کہ ہم سب ایک مشترک مُقدّر و مقسوم رکھتے ہیں اتنا قوی کبھی نہ ہوگا کہ قوموں کی باہمی رقابتوں کو دبا دے، اور اس بنا پر جو شخص اس نصب عین کو قریب تر لانے کی سعی و کوشش کرتا ہے وہ "تاریخ سے قدم ملائے ہوئے آگے بڑھتا ہے"۔ ایک عظیم الشان شعور! اور اگر میں تاریخی اور تصوّراتی بنیادوں پر مطمئن نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عظیم الشان تائید جو بیسک انگریزی کو دنیا بھر میں برنارڈ شا، ویلز، سوِن ہیڈن، ہاگبن، ڈیوی، ڈبلیو۔ کے۔ لیاؤ، ہوک، اور کاکورا، ہکسلے، پرسی نن، ایلیٹ اسمتھ، وکھام اسٹیڈ اور مادام لِلّٰہ یناو (یہ چند نام بے سوچے سمجھے اِدھر اُدھر سے میں نے لے لئے ہیں) جیسے لوگوں سے ملی ہے مجھے مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ یقیناً یہ سب کے سب مراقی نہیں ہیں!

شاید اس سے زیادہ ہمّت افزا میری وہ کامیابی تھی جو دو سال کی سعی و کوشش کے بعد، جب کہ اب کے سال میں انگلستان میں چھٹّی پر تھا، مجھے ٹائمز آف انڈیا (اب میں اس کے عملے میں ہوں) کے سیانے اور عملی ڈائرکٹروں کو بیسک سے دل چسپی لینے پر آمادہ کر لینے میں میسّر آئی۔ اس کا اور درس و مطالعہ کی اُس خاص چھٹّی کا جو میں نے بیسک کے موجد، آگڈن، کے ساتھ اُن کے ادارے میں گزاری، ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ بیسک سے متعلق، ہندوستان کی ضرورتوں کو خاص طور پر سامنے رکھ کر ایک ارزاں سی کتاب

بہت جلد شایع کرنے والے ہیں جو انگریزی کی تعلیم کے موجودہ مسرفانہ اور اوپر سے لدے ہوئے نظام کی جگہ بیسک کو دلوانے کے لئے ایک وسیع، شدید تر جد و جہد کی ابتدا ہوگی۔

اس سے متعلق آپ کے رسالے میں ایک فقرہ ایسا ہے جو موجبِ انتشار ہوسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: "بیسک کا خزانۂ الفاظ بہ استثنائے سائنسی ٹیکنیکی اور تجارتی اصطلاحات کے، گھٹا کر صرف ۹۸۰ لفظوں تک پہنچا دیا گیا ہے"۔ آگڈن کی کتابوں میں جو تعداد ہر جگہ دی ہوئی ہے وہ ۸۵۰ ہے اور اگر اس پر پچاس بین الاقوامی لفظوں کا بھی اضافہ کرلیا جائے تب بھی لفظوں کی کُل تعداد صرف ۹۰۰ تک پہنچتی ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک لغزشِ قلم ہے، اور مجھے امید ہے کہ آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیں گے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو ہم اس کو صاف کردیں۔ اس مسئلے پر ایک رسمی خط ملفوف ہے۔

اب جب کہ اپنے دل کی یہ تمام باتیں میں آپ سے کہہ چکا اور اپنا سینہ میں نے اس بوجھ سے ہلکا کرلیا، اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر وہ بات بھی آپ سے کہہ ڈالنی چاہتا ہوں جس سے متعلق آپ کو خط لکھنے کا میں ایک زمانۂ دراز سے ارادہ کر رہا ہوں، اور وہ بات یہ ہے کہ تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا جب میں نے آپ کی خود نوشت سوانح حیات پڑھی تو اس نے مجھ پر کس قدر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اوّلاً، میں اور آپ دونوں بہت سی باتیں باہم مشترک رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھئے میں اگرچہ انگلستان میں پیدا ہوا اور یہیں پلا اور بڑھا مگر میں قوم کا یہودی ہوں اور یہود کی نشاتِ ثانیہ کے لئے جو قومی جد و جہد ہم کر رہے تھے اُس میں آپ کی طرح میں نے بھی اپنے آپ کو اکثر "تنہا اور بے گھر" سا محسوس کیا تھا، اِس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ جو یہود باہر سے آکر فلسطین میں آباد ہوئے تھے جہاں پانچ سال تک میں نے ایک کمیونسٹ کی حیثیت سے امامت و رہبری کی تھی، اُن میں سے بیشتر "غیر ملکی" یہودی تھے۔ (میں ہمیشہ انگریزوں میں ایک یہودی رہا اور یہودیوں میں ایک انگریز!) اور دوسرا سبب اس کا یہ تھا کہ میں اِس تحریک کے مذہبی

پہلوؤں کا ساتھ نہ دے سکا ـــــ خصوصاً ایک برگزیدہ نسل ہونے کے تصوّر کا۔

مگر یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے پر ـــــ ہندوستان والوں اور اُن کے رہنماؤں کی اخلاقی اولوالعزمی اور ایثار کی مدح و تحسین سے قطعِ نظر ـــــ جو احساس میرے تمام احساسات پر غالب تھا وہ یہ تھا کہ باوجود اپنی تمام غربت و افلاس اور "پسماندگی" کے ہندوستان مستقبل قریب ہی میں اپنے "داخلی" اور "خارجی" ارتقاء کے درمیان وہ توازن اور ہم آہنگی پیدا کرے گا جو مغرب اپنے ارتقاء میں پیدا کرنے سے بدبختانہ قاصر رہا ہے اور اس حیثیت سے ایک شائستہ و مہذّب زندگی بسر کرنے کے فن میں وہ باقی دنیا کی رہنمائی کرے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال پہلی بار میرے دل میں اُس وقت گزرا تھا جب میں جیل خانوں کی عام زندگی سے متعلق آپ کا بیان پڑھ رہا تھا جس میں آپ نے نہ صرف اِس زندگی کی خوفناک انسانیت کا ذکر کیا تھا بلکہ یہ بھی دکھایا تھا کہ اس زندگی میں اصلاح پذیر صالح انسانی مواد کا کیسا ہیبت ناک زیاں ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ جب کانگریس والے برسرِ اقتدار آئیں گے تب زیادہ وقت نہ گزرنے پائے گا یہ لوگ یقیناً اُس نظام کو بدل ڈالنے کی طرف کوئی قدم اُٹھائیں گے جس کے ماتحت خود ان لوگوں نے اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور جس کو مصلحینِ زنداں سالہا سال سے بغیر کسی اثر یا فائدے کے قابلِ نفرین قرار دیتے آئے ہیں۔ اور اسی طرح دوسری چیزوں سے متعلق ـــــ مثلاً تعلیم، مزدوروں کی فلاح و بہبود، شراب بندی وغیرہ ـــــ میں نے سوچا کہ وہ نسل جو مقرّرہ طریقۂ فکر و عمل کی مخالفت میں پیدا ہوئی اور بڑھی پلی ہے دوسرے ملکوں کے آرام کرسیوں پر لیٹ کر خیالی گھوڑے دوڑانے والوں کے مقابلے میں تبدیل و تغیّر کی زیادہ مؤثر قوّت ثابت ہوگی۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ ایک سال پہلے کی بات ہے، اور اب

اِدھر چند مہینوں سے شاید کوئی دوسری چیز میرے جذبات میں وہ تلاطم برپا نہیں رکھتی جس قدر یہ جاننے کا شوق کہ اب جب کہ آپ واقعی برسرِ اقتدار ہیں آپ کے اوّلین تجربی اقدامات کیا ہوے، آپ نے اپنے ذاتی تجربوں پر مبنی فہم و بصیرت اور انسانی ہمدردی کے اظہار کی عملی شکلیں کیا اختیار کیں، آپ اپنی اُس تصوّریت کو جس کی پرورش مصیبتوں کے آغوش میں ہوئی ہے، کیوں کر عملاً بروے کار لاے ہیں — مثلاً وزرا کے لئے قوانینِ ایثار، جیلوں سے رہائیاں، شراب بندی کے تجربے، زرعی اصلاحات، عام تعلیم وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اب آپ محسوس کر رہے ہیں کہ تعمیری سعی و کوشش تخریبی تنقیدوں سے زیادہ دشوار ہے، نیز یہ کہ راستہ طویل ہے اور رکاوٹیں بہتیری، تاہم مجھے یقین ہے کہ چوں کہ آپ آغازِ سفر سادگی، سچائی اور عدم تشدد جیسے اُصولی نعروں سے کر رہے ہیں آپ اپنی منزلِ مقصود تک — ایک مسرور اور حقیقی طور پر شائستہ و مہذب معاشرے کی تعمیر — مغرب سے پہلے پہنچیں گے، شاید مغرب کے علی الرّغم بھی۔

میرا خیال ہے کہ گاندھی جی، اُن کی مختصر سی لنگوٹی اور اُن کے بکری کے دودھ نے، دُنیا کو داخلی اور خارجی ارتقا کے مابین ہم آہنگی کے تھوڑے بہت معنی پہلے ہی سمجھا دیے ہیں۔ میری نگاہ میں، سادگی پر، اگرچہ ضرورت سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے، تاہم اُس کی تہہ میں جو نصب العین مضمر ہے وہ، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، آپ کے "ذرائع" اور آپ کی "غایت" دونوں کا ایک رمز ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ میرا یہ خط کسی قدر نامربوط اور بے تکا سا ہو گیا ہے اس میں میں نے بہت سی چیزیں خلط ملط کر دی ہیں۔ اگر اس کی تہہ میں کوئی وحدت مضمر ہے تو اس وحدت کی بنیاد شاید اِسی خیال پر ہے کہ ہندوستان اس وقت ایک معاشرتی انقلاب کی کشاکش میں مبتلا ہے، اور یہ انقلاب ضروری ہے کہ تعلیم کے مسئلے کو بھی اپنے سامنے رکھے، اور بیسک کا تصوّر جو خود ایک انقلابی تصوّر ہے، بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کے اس انقلاب میں

ایک اہم پارٹ ادا کرے، اور نہ صرف انگریزی کی تعلیم پر اثر انداز ہو، بلکہ پورے مسئلۂ تعلیم کے حل تک نفسیاتی اور تعلیمی زاویۂ نگاہ سے رسائی پانے میں معاون ہو۔ (ملاحظہ فرمایئے رچرڈز کی تالیف)

آپ کا مخلص

آڈولف مایرس

۲۰۵۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا

۷ر دسمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل

میں نے منفرا کی قراردادیں یا تمھاری تقریریں نہیں پڑھیں۔ میں دونوں چیزیں چاہتا ہوں۔

مہادیو کے خط میں میں نے تمھاری دبی زبان شکایت دیکھی۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں جیسا کچھ بھی ہوں تمھیں مجھ کو برداشت کرنا پڑے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کر بھی رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کتنی نرمی کے ساتھ پیش آیا کرتے ہو۔

تم جب چاہو کرپس کو اپنے ساتھ لا سکتے ہو۔

محبّت

باپو

۲۰۶۔ از راجندر پرشاد

ڈاک خانہ زیرادائی (سارن)

۲۴ر دسمبر ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

مجھے آپ کا خط مورخہ ۲۹ر نومبر ۳۷ء اور اُس کے ساتھ جو کچھ ملفوف تھا وقت پر ملا، مگر مجھے افسوس ہے کہ میں جواب نہ لکھ سکا، وجہ اس کی یہ ہوئی کہ اُس وقت میرے پاس کانگریس کی پچھلی قراردادیں نہیں تھیں۔

چوں کہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے میں موجود نہیں تھا اس لئے میں نہیں بتا سکتا کہ کن معنوں میں جلسے کی کارروائی سچائی اور عدم تشدّد کی راہ سے منحرف تھی، مگر میرا خیال ہے کہ مہاتما گاندھی کا اشارہ خود قرارداد کی عبارت سے زیادہ اُن تقریروں کی طرف ہے جو مسائی کی تجویز سے متعلق جلسے میں ہوئیں۔

اِس بیان پر کہ قراردادِ میسور خارج از دائرۂ اختیار تھی، کانگریس کی پچھلی قراردادوں کی روشنی میں غور کرنا پڑے گا۔ یہ قرارداد ریاستِ میسور کی بے رحمانہ جبر و تشدّد کی پالیسی اور ریاست میں شہری آزادیوں کے کچلے جانے پر شدید احتجاج کرتی ہے اور پھر باشندگانِ میسور کو مبارک باد دینے اور ان کی قانونی اور غیر متشدّد جدّوجہد میں اُن کی کامیابی کی تمنّا کے اظہار کے بعد "ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند کے باشندوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ باشندگانِ میسور کی اس جنگ میں جو وہ لوگ ریاست کے خلاف حقِّ خود ارادیّت کے لئے لڑ رہے ہیں اُن کی ہر طرح مدد اور ہمّت افزائی کریں۔" میرے علم میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی یا کانگریس کی کوئی ایسی قرارداد نہیں ہے جس میں کسی ہندوستانی ریاست کے کسی خاص اقدام یا پالیسی کے خلاف احتجاج کیا گیا ہو اور ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند کے باشندوں سے اپیل کی گئی ہو کہ وہ اس ریاست کے لوگوں کی اُن کی جدّوجہد میں مدد اور اُن کی ہمّت افزائی کریں۔ کانگریس کی روایتی پالیسی یہ رہی ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملے میں دخل نہ دیا جائے۔

کانگریس کی صرف تین قراردادیں ایسی ہیں جن کو سامنے رکھ کر یہ غور کرنا پڑے گا کہ آیا یہ پالیسی ترک کر دی گئی یا اُس میں کچھ ترمیم کر دی گئی۔ ۱۹۲۸ء کی کلکتہ کانگریس کی ایک قرارداد نے ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کو یقین دلایا تھا کہ اُس کی ہمدردی اور اعانت اُن کی جائز اور پُرامن جدّوجہد میں اُن کے ساتھ ہے۔ اگست ۱۹۳۵ء میں مجلسِ عاملہ کے ایک بیان میں کانگریس کی اِس پالیسی کا اعادہ کیا گیا اور بالآخر یہ بیان آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اُس جلسے میں منظور کیا گیا جو مدراس میں ۱۷، اور ۱۸، اکتوبر ۱۹۳۵ء کو منعقد ہوا تھا۔ اِس بیان میں پہلے تو کانگریس کے اس عہد کا اعادہ کیا گیا کہ ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کے پُرامن اور جائز جدّوجہد میں کانگریس کی ہمدردی

اور اعانت اُن کے ساتھ ہوگی اور پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اس ہمدردی اور اعانت کی نوعیت اور صورت کیا ہوگی: "یہ بات، بہرحال سمجھ لینی چاہیے کہ ریاستوں کی حدود کے اندر اس قسم کی جدّوجہد کے جاری رکھنے کا بار اور ذمّے داری لازمی طور پر ریاستوں کے باشندوں ہی کے کندھوں پر ہوگی۔ کانگریس ریاستوں پر اپنے اخلاقی اور دوستانہ اثرات ڈالے گی۔ اور جہاں کہیں بھی ایسا کرنا ممکن ہوگا کانگریس ایسا کرنے کی پابند ہوگی۔ بہ حالاتِ موجودہ کانگریس اس کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتی، اگرچہ ہندوستان کے تمام باشندے جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہیں۔" بحث و نزاع کی گرمی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کانگریس کے حدودِ اختیارات کو بھول جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی دوسری پالیسی مقصدِ مشترک کی شکست و ناکامی کا موجب ہوگی۔ اجلاسِ کلکتہ کی اِس قرارداد اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس بیان کی توثیق اپریل ۳۶ء میں لکھنؤ کے اجلاسِ کانگریس نے کر دی، اور کانگریس نے پھر آگے چل کر "اِس بات کی طرف توجہ دلائی کہ خود حالات اور معاملات کی نوعیت کا تقاضا ہے کہ ریاستوں کے اندر آزادی کے لیئے جدوجہد کرنے والے خود باشندگانِ ریاست ہوں۔" مجھے یاد پڑتا ہے کہ آخری جملے میں "خود باشندگانِ ریاست" سے پہلے لفظ "بڑی حد تک" بڑھا دینے کی ایک ترمیم آئی تھی مگر وہ لکھنؤ میں نامنظور ہو گئی۔ کلکتہ کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد میں نہ صرف ریاست میسور کے کسی خاص اقدام یا پالیسی کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے بلکہ ہندوستانی ریاستوں اور برطانوی ہند کے باشندوں سے اپیل بھی کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ میسور کی ہر طرح مدد اور ہمّت افزائی کریں۔ دوسرے لفظوں میں یہ قرارداد اخلاقی اور دوستانہ اثرات کے استعمال سے بہت آگے نکل جاتی ہے، کانگریس کے حدودِ اختیارات کو بھول جاتی ہے اور ٹھیک اُس پالیسی کا استقرار کرتی ہے جو ہمارے مقصدِ مشترک کے لیئے موجب شکست و ناکامی قرار دی گئی تھی۔ اور اس اعتبار سے وہ لکھنؤ کانگریس کی اُس قرارداد کے منافی ہے جو اگلے بیانِ پالیسی کی توثیق کرتی ہے۔ کانگریس کے لیئے یہ راہ بے شک کھلی ہوئی ہے

کہ وہ اپنی پالیسی بدل دے، اگر جب تک کہ کانگریس کی قراردادیں علی حالہا باقی ہیں تب تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی مجاز نہیں تھی کہ وہ کوئی ایسی تجویز منظور کرے جو کسی ریاست کے داخلی نظم و نسق میں براہِ راست مداخلت کرنے اور کسی ایسی جدو جہد میں حصہ لینے کے ہم معنی ہو جو اُس ریاست کے اندر جاری ہو۔ اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد پر عمل کیا جائے تو مجلسِ عاملہ پابند ہوگی کہ باشندگانِ میسور کی، آدمیوں سے، روپئے سے اور دوسرے طریقوں سے مدد کرے اور اگر اُس کی اپیل کا جواب تعاون سے دیا جائے تو دوسری ریاستوں اور برطانوی ہند کے باشندوں کو بھی یہی کرنا چاہئے۔ کانگریس نے نہ تو اِس قِسم کی مدد دینے کا کبھی ارادہ کیا تھا اور نہ وعدہ۔ اور اس لحاظ سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قراردادِ کلکتہ، لکھنو کانگریس کی قرارداد سے آگے چلی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ گاندھی جی اِس سبب سے قراردادِ کلکتہ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے حدودِ اختیار سے خارج سمجھتے ہیں۔

آپ کا مخلص

راجندر پرشاد

۲۰۷۔ از ایڈورڈ تھامپسن

اسکار ٹاپ

بوارس ہل، آکسفورڈ

۲ر جنوری ۳۹ء

پیارے نہرو

میں مانتا ہوں کہ انسانی معاملات سب پر مقدم ہیں، مگر دوسرے حیوانات بھی کچھ اہمیت رکھتے ہیں، اور انسان کے ساتھ ساتھ اِن حیوانات کے لئے بھی کچھ کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر کوئی نوع نابود ہو جاتی ہے تو یقین کیجیے کہ ایک ایسا نقصان ہو گیا جس کی تلافی کبھی نہیں کی جا سکتی، اور ——— ایک بہت ہی قدیم سی چیز ——— ہندوستان پاتال میں پھینک دیا گیا جس طریقے پر کہ مٹھی بھر دولت مند اور حکمراں طبقے کے آدمی یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اُن کو حق پہنچتا ہے

کہ وہ کسی کے ملک کے امتیازی خدوخال، نہ صرف آپ کے لیئے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیئے بھی میٹ کر رکھ دیں، یہ میری نظر میں غایت درجے کی بدتمیزی اور گُستاخی ہے۔

آپ اس معاملے میں کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ اوّلاً اگر کسی چرند یا پرند کا تحفّظ اس لیئے کیا جاتا ہے کہ وہ قریب قریب ناپید ہو چکا ہے تو اس کا بیچنا بھی قانوناً جُرم قرار دے دینا چاہیئے۔ آپ کے یہاں کچھ پرند ایسے ہیں جو قریب قریب ناپید ہو چکے ہیں مگر جن کا گوشت اعلانیہ طور بکا کرتا ہے اور گینڈے کے سینگ بھی بکا کرتے ہیں جن کو کلکتے کے چینی اور دوسرے لوگ اوّل درجے کی مقوّی باہ دوا سمجھتے ہیں۔ اگر ایسی چیزوں کو جو ایسے مفسدِ اِخلاق اغراض کے لیئے تلاش کی جاتی ہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا جائے کہ کوئی ان سے پیسے کما سکے تو کوئی بڑی مصیبت نہ آجائے گی۔

مگر سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ایک ایسی روزافزوں رائے عامّہ پیدا کی جائے جو "سیروشکار" کی "امیرانہ شان" کا خاتمہ کر دے اور لوگ یہ سُن کر کہ فلاں نواب یا فلاں راجہ نے پانچ سو شیروں کو خاک و خون میں ملا دیا (جیسا کہ مہاراجہ ریوا کی نسبت سُنا جاتا ہے)، یا یہ سُن کر کہ فلاں نواب یا فلاں راجہ نے کروڑوں ریگستانی یا موزی پرندے شکار کر ڈالے یا وہ تیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑتی ہوئی موٹر سے بھی کالے ہرنوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا لیتے ہیں، جوشِ مدح وتحسین میں ناچنے تھرکنے سے توبہ کرلیں اور اس طرح ہندوستان کے لوگ ہم مغرب والوں کو راہِ راست دکھا دیں۔ اس مشغلے کی شان ہی کا خاتمہ کر دیجیئے، جس طرح کہ رائے عامّہ نے جنوبی افریقہ میں (اور کناڈا میں بھی) اس کام کو پورا کر کے دکھا دیا ہے، اور اہمسا کے احساس کو از سرِ نو زندہ کیجیئے اور اس احساس کو عام کیجیئے کہ آپ کے یہ حسین صحرائی جانور بھی ہندوستان کا ایک جزو ہیں اور ایک ورثے کا ایسا حصّہ ہیں جس کو دوسرے لوگ تباہ برباد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

برسبیل تذکرہ، آج سے ایک سال پہلے میں نے آپ کے یہاں

ٹائم اینڈ ٹائڈ دیکھا تھا۔ اگر یہ پرچہ اب بھی آپ لیتے ہوں تو اُس کے نئے شمارے
میں (یکم جنوری)، میرا مقالہ "ہز ہائی نس مہاراجہ بیکانیر" آپ کے لئے دل چسپی
کی چیز ہو سکتی ہے۔

جب میں نے اخباروں میں پڑھا کہ کانگریسی وزراء صرف پانچ سو روپے
ماہانہ تنخواہ لیتے ہیں تو مجھے بے اندازہ مسرت ہوئی اور میری بڑی ہمت افزائی
ہوئی اور ــــــ زندگی اگرچہ آنکھوں سے پردے اُٹھتے رہنے کا ایک طویل
سلسلہ ثابت ہوئی ہے ــــــ یہ سُن کر مجھے بڑا رنج ہوا کہ یہ قربانی بڑی حد تک
فرضی ہے اس لئے کہ وزراء تنخواہ کی یہ کمی بھتّوں کی شکل میں پوری کر لیا کرتے
ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ حرکت کانگریس کو اتنا بڑا نقصان پہنچائے گی جتنا بڑا
نقصان اُس کو حکومت کا کوئی اقدام نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مجھے امید ہے کہ آپ
مجھ سے یہ کہہ سکیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ بات مجھے اک ایسے ہندوستانی نے
بتائی ہے جسے باخبر ہونا چاہیے۔

خدا آپ کو ۱۹۳۸ء میں کامیاب رکھے۔

ہمیشہ آپ کا
ایڈورڈ تھامپسن

۲۰۸۔ از سیّد وزیر حسن

۳۸، کیننگ روڈ، الہ آباد
۱۱ فروری ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

یہ غلط بیانی، جھوٹ اور مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت کا پروپگنڈا جو نہ صرف
ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت پھیلا رہا ہے بلکہ خود مسلمانوں کو مسلمانوں
سے متنفر کر رہا ہے اس کی بنیاد لکھنؤ کے اُس اجلاسِ مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت
سے پڑی جو گزشتہ اکتوبر میں منعقد ہوا تھا۔ اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی منافرت
کے پردے میں روزافزوں واقعاتی غلط بیانیوں کے ساتھ یہ پروپگنڈا اب بھی
ہر روز ہوا کرتا ہے۔ میں ذیل کی مدوں کا خاص طور پر ذکر کروں گا:

(۱) یہ کہ کانگریس ایک ہندو تنظیم ہے۔

(۲) یہ کہ کانگریس ہندوستان میں سوراج نہیں، ہندوراج قائم کرنا چاہتی ہے۔

(۳) یہ کہ سات صوبوں میں کانگریس اور اُس کی حکومتیں اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

(۴) یہ کہ مسلم لیگ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے آراء و افکار کی حقیقی نمائندہ ہے۔

(۵) یہ کہ کانگریس میں بہت تھوڑے سے مسلمان ہیں اور یہ سب کے سب اسلام کے غدّار ہیں۔

میں بڑی شدّت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ جب تک کہ اس پروپگنڈے کا اِن لوگوں سے ثبوت طلب نہ کیا جائے گا کذب و دروغ کو بے نقاب نہ کیا جائے گا لوگ اس کذب و دروغ کو صحیح مان لیں گے اور اس کا اثر ہماری اُس جدّوجہد پر جو ہم ملک کی بہ حیثیتِ مجموعی اقتصادی اور سیاسی آزادی کے لئے کر رہے بہت بُرا پڑے گا۔

اِس تمہید کے پیش نظر جو میں نے اوپر بیان کی ہے میری یہ قطعی رائے ہے کہ تا حدِّ امکان بڑے سے بڑے پیمانے پر ایک عام جلسہ ایسے تمام مسلمان طبقوں اور عوام کا جو کانگریس کا نصب عین قبول کر چکے ہیں نیز اُن مسلمانوں کا جن کو میں کانگریسی خیال کا کہہ سکتا ہوں کسی مرکزی جگہ پر جلد ہی مارچ کے اخیر تک یا اپریل کے شروع میں منعقد کیا جائے اور ضروری تجویزیں منظور کر کے مسلم لیگی پروپگنڈے کی تردید میں ایک عام بیان جاری کیا جائے۔ مولانا ابو الکلام آزاد اس جلسے کے داعی ہوں۔ اجازت ہو تو میں اتنا اور عرض کر دوں کہ میری یہ غرض نہیں ہے کہ میں اُس گفت و شنید کی راہ میں روڑے اٹکاؤں جو صدرِ کانگریس اور صدرِ مسلم لیگ کے درمیان جاری ہے اس کے برعکس، اِس مجوّزہ جلسے میں جو غور و فکر ہوگا وہ بہت بڑی حد تک ایک ایسے فیصلے تک پہنچنے کے لئے راستہ صاف کر دے گا۔ جو مسلم لیگی مسلمانوں اور کانگریسی مسلمانوں دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ اخیر میں مجھے آپ سے

یہ درخواست کرتی ہے کہ اس خط کے موضوع پر ہری پورہ میں لپنے رفقائے کار سے مشورہ کر کے جلد کوئی فیصلہ کرلیں۔ شاید یہ عرض کر دینا ناموزوں نہ ہوگا کہ جو رائے اس خط میں ظاہر کی گئی ہے اُس سے بہت کانگریسی مسلمان متفق ہیں۔

آپ کا مخلص

سیّد وزیر حسن

(سیّد وزیر حسن ایک زمانے تک آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک سربرآوردہ ممبر رہ چکے ہیں)

۲۰۹۔ از ایم۔ اے۔ جناح

۱، ہیسٹنگس روڈ

نئی دہلی

۱۷ مارچ ۱۹۳۸ء

پیارے پنڈت جواہر لعل نہرو

آپ کا خط مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۸ء پہنچا۔ آپ کے پہلے خط مورخہ ۱۸ جنوری سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی غرض سے نزاعی نقطے جاننا چاہتے ہیں۔ جب میں نے اس خط کے جواب میں آپ کو یہ لکھا کہ یہ مسئلے خط و کتابت سے حل نہیں ہو سکتے اور نہ اِن پر پریس میں بحث و مباحثہ مرغوب و مناسب ہوگا تب آپ نے اپنے جواب مورخہ ۴ فروری میں ایک فہرست اُن شکایتوں کی مرتب فرما کر مجھے بھیجی جو میری مزعومہ تنقید کانگریس اور میری اُن تقریروں پر مبنی بیان کی جاتی ہیں جو مشکل ہی سے کوئی تعلق اُس سوال سے رکھتی ہیں جو ہمارے فوری غور و فکر کا محتاج ہے۔ آپ ان ہی باتوں پر برابر اصرار کرتے رہے اور اب بھی آپ کی یہی رائے ہے کہ ان معاملات پر، جو اگرچہ موضوع پیش نظر سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، مزید غور و فکر کر لیا جائے، مگر جیسا کہ میں اپنے پچھلے خط میں بیان کر چکا ہوں، میں ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

جس سوال سے ہماری گفت و شنید کا آغاز ہوا تھا، وہ، جہاں تک میرا علم ہے، مسلمانوں کے مذہب، کلچر، زبان، مخصوص شخصی قوانین اور قومی زندگی

اور ملک کی حکومت اور نظم و نسق میں اُن کے سیاسی حقوق سے متعلق ان کے جملہ مفادات اور حقوق کے تحفظ کا تھا۔ متعدد اور مختلف تجویزیں ایسی پیش کی گئی ہیں جو ایک طرف مسلمانوں کو مطمئن کر دیں گی اور دوسری طرف اکثریتی فرقے میں احساسِ تحفظ و اعتماد پیدا کر دیں گی۔ آپ کا اپنے زیرِ جواب خط میں یہ فرمانا میرے لئے موجبِ حیرت ہوا کہ: "مگر وہ معاملات کیا ہیں جو موضوعِ زیرِ بحث سے تعلق رکھتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ میں کُند ذہن ہوں یا مسئلے کی پیچیدگیوں سے پورے طور پر آشنا نہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو میں مستحق ہوں کہ مجھے آگاہ کیا جائے۔ اگر آپ مجھے اپنا حال کا کوئی بیان ایسا بتا دیں جو پریس میں آچکا ہو یا کوئی ایسی تقریر جو مجھے مسائل کے سمجھنے میں مدد دے تو میں شکر گزار ہوں گا۔" شاید آپ چودہ نقطے سُن چکے ہیں۔

ثانیاً، جیسا کہ آپ کہتے ہیں "اس سے قطعِ نظر، اِن چند گزشتہ سالوں میں بہت سی باتیں ایسی ہو چکی ہیں جن سے صورتِ حال بدل گئی ہے"۔ ہاں، مجھے آپ سے اتفاق ہے اور متعدد اور مختلف تجویزیں اخباروں میں حال ہی میں آئی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ بارہویں فروری کا اسٹیٹس مین اُٹھا کر دیکھیں گے تو آپ کی نظر ایک مقالے پر پڑے گی جو زیرِ عنوان "مسلمانوں کی آنکھوں سے" اس میں شایع ہوا ہے۔ (آپ کی سہولت کے لئے نقل ملفوف ہے) ثالثاً وہ مقالہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو پہلی مارچ ۱۹۳۸ء کے نیوٹائمز میں شائع ہوا ہے، اور جس میں آپ کے اُس اعلانِ رائے پر بحث کی گئی ہے جو آپ نے حال میں، میرا خیال ہے کہ ہری پورہ اجلاسِ کانگریس میں، کیا۔ اِس اعلانِ رائے میں ذیل کے فقرے آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں:

"میں نے اس نام نہاد فرقہ وارانہ مسئلے کو دوربین لگا کر بغور دیکھا مگر جہاں کچھ موجود ہی نہ ہو وہاں کسی کو کیا نظر آئے گا"۔

یہ مقالہ نیوٹائمز کے پہلی مارچ ۱۹۳۸ء کے شمارے میں شایع ہوا تھا اور اس میں متعدد تجویزیں پیش کی گئی ہیں (سہولتِ مُراجعہ کے خیال سے نقل ملفوف ہے) علاوہ بریں آپ کی نظر سے مسٹر آینے کی وہ صحافتی ملاقات بھی گزری ہوگی

جس میں انھوں نے چند ایسے نقطوں کا ذکر کر کے جن کا مسلم لیگ کی طرف سے مطالبہ ہوگا، کانگریس کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا ہے۔

اب، اس قدر آپ پر اس امر کے واضح کر دینے کو کافی ہے کہ اب تک جو متعدد اور مختلف تجویزیں پیش کی جا چکی ہیں یا جن تجویزوں کے آئندہ پیش کیے جانے کا گمانِ غالب یا توقع ہے، ایسی تمام تجویزوں کا تحلیل و تجزیہ کرنا پڑے گا اور بالآخر میری رائے میں ہر سچے "قوم پرور کا یہ فرض ہوگا، خواہ وہ کسی جماعت یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو، کہ وہ اس کو اپنا کارِ منصبی قرار دے لے اور صورتِ حال کا جائزہ لے کر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک معاہدہ کرا دے اور ایک قرار واقعی متحدہ محاذ وجود میں لے آئے؛ اور اس سوال سے قطعِ نظر کر کے کہ ہم کس جماعت یا فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہم دونوں کا یکساں طور پر یہی محورِ فکر و نظر اور یہی فرض ہونا چاہیے۔ لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ تمام تجویزیں یک جا کر کے ایک سائل کی حیثیت سے اُن کو آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کروں کہ آپ اور آپ کے دوسرے رفقائے کار اُن پر غور فرمائیں، تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا، اور نہ مجھ سے یہ ہو سکے گا کہ یہ تمام تجویزیں میں آپ کو اس غرض سے بھیجوں کہ اُن متعدد اور مختلف نزاعی نقطوں پر آپ سے مزید خط و کتابت کروں۔ لیکن اگر آپ کو اب بھی اس پر اصرار ہے کہ جیسا آپ کے خط کے ان جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ: "میرا ذہن و دماغ، اس سے پیشتر کہ وہ مؤثر طور پر کام کر سکے یا کوئی اقدام کرنا سوچ سکے، صفائی اور وضاحت چاہتا ہے۔ ابہام یا حقیقی تنقیح طلب اُمور سے پہلو بچاتا تشفی بخش نتائج تک نہیں لے جا سکتا۔ یہ بات واقعی مجھے کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ میرے بار بار درخواست کرنے پر بھی مجھے یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ کون سے تنقیح طلب اُمور ہیں جن پر غور و فکر کرنا ہے"۔ اس کو بہ مشکل صورتِ حال کا کوئی صحیح بیان یا اس کی کوئی معقول تعبیر کہا جا سکتا ہے۔ تو اس صورت میں میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ کانگریس کو آمادہ کریں کہ وہ اس مسئلے پر مجھ سے رسمی طور پر خط و کتابت کرے اور تب میں اس معاملے کو آل انڈیا

مسلم لیگ کی کاؤنسل کے سامنے رکھوں گا اور یہ میں اس لیئے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے خود ہی کہا ہے کہ "چوں کہ میں کانگریس کا صدر نہیں ہوں مجھے صدر کی نمائندہ حیثیت حاصل نہیں ہے، ہاں اگر میں اس معاملے میں کوئی خدمت بجالا سکتا ہوں تو میری خدمات کانگریس کی رہین اشارہ ہیں اور میں بڑی خوشی کے ساتھ آپ سے مل کر ان معاملات پر گفتگو کروں گا"۔ جہاں تک میرا آپ سے ملنے اور ان معاملات پر آپ سے گفتگو کرنے کا تعلق ہے مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مجھے اس میں خوشی اور مسرّت ہوگی۔

آپ کا مخلص

ایم۔ اے۔ جناح

۲۱۰۔ از مہادیو ڈیسائی

۱، ووڈ برن پارک کلکتہ

۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر بھائی

آپ کا کھالی والا خط پاکر مجھے بڑی مسرّت ہوئی، اور اس سے بڑھ کر یہ بات ہوئی کہ جو جواب آپ نے ہارڈی کار کو لکھا ہے اُسے پڑھ کر باپو بہت خوش ہوئے۔ وہ اِس بات سے بے انتہا خوش ہوئے کہ جو جگہیں انھوں نے خالی چھوڑ دی تھیں اُن کو آپ نے پُر کر دیا۔ جس طریقے پر آپ نے پورا معاملہ رکھا ہے وہ باپو کو بہت پسند آیا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ بعض مقامات پر باپو کے الفاظ اور اندازِ بیان کچھ مختلف ہوتا۔

کھالی کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے متعلق باپو فرماتے ہیں کہ کھالی کی جو تصویر آپ نے پیش کی ہے اسے دیکھ کر کوئی مشکل ہی سے اپنی طبیعت کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ مگر وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کسی ترغیب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کھالی جانے کو اُن کا جی اکثر چاہا ہے، صرف تبدیل آب و ہوا کی غرض سے نہیں بلکہ اُس چھوٹی سی جنّت کی زیارت کے لیئے جو رنجیت آسمان سے وہاں اُتار لائے ہیں۔ اُن کو رنجیت کے تجربوں سے

بڑی گہری دل چسپی ہے اور جب بھی وہ اپنے آپ کو اپنے کام سے علیحدہ کر پائیں گے بڑے شوق کے ساتھ وہاں جانا پسند کریں گے۔

وہ آج کل پچھلی دفعہ کے مقابلے میں بہت اچھے ہیں۔ اُن پر جو بار اس دفعہ پڑا وہ پہلے سے کم نہیں تھا اور قرین قیاس نہیں کہ کوئی پھل بھی لائے، مگر پچھلے دفعہ کے مقابلے میں اب کے یہ بار باپو نے زیادہ خوبی کے ساتھ اُٹھایا۔

آپ کا

مہادیو

۲۱۱۔ از گووند بلبھ پنت

لکھنؤ، ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

آپ کے کرم نامے کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے پُر مشقت کام اور مسلسل محنت کے بارے فرصت نکال کر اور کھالی میں رہ کر چند روز آرام کر لیا۔ جگہ بقول آپ کے خوش آیند اور فرحت بخش ہے اور ہمارے شکریہ کی مستحق ہے کہ اُس کے حسین اور صحت مند ماحول میں آپ کو سکون اور آرام ملا۔ شخصی طور پر میں کھالی کا شکر گزار ایک اور وجہ سے بھی ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہیں کی فرصت میں آپ مجھے یہ مفید اور پُر از معلومات خط تحریر فرما سکے۔

جو کچھ آپ نے اپنی نسبت، اپنے زاویۂ فکر کی نسبت اور متعدد و مختلف مسائل پر اپنے اندازِ فکر سے متعلق لکھا ہے اُس کی میں خصوصیت کے ساتھ قدر کرتا ہوں۔ اِس لئے نہیں کہ میں اِن باتوں سے بالکل بے خبر تھا بلکہ اس لئے کہ اس خط میں متعدد بڑے اہم مسائل پر آپ کے اندازِ غور و فکر کی ایک واضح تصویر مجھے مل گئی۔ آپ نے ہماری معاشرتی زندگی کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کی نجی زندگیاں افسوس ناک طور پر بے لطف و بے مزہ، بے ثمر اور احمقانہ حد تک ذلیل و خسیس گزر رہی ہیں۔ میں اِس خط میں اُن متعدد اور مختلف معاملات پر بحث نہیں کرنی چاہتا اس لئے کہ اگر میں اس بحث میں پڑوں گا تو یہ خط طول کھ

عرض میں تمام معقول حدوں سے گزر جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ اس وقت میں کوئی طویل خط آپ پر کھینچ ماروں کبھی پھر لکھ سکا تو لکھوں گا۔

میرا دماغ یورپ پر ہٹلر کی آخری کاری ضرب اور اپنے صوبے کے فرقہ وارانہ فسادات میں اُلجھا رہا ہے۔ یہ حادثے محض وقتی اہمیت نہیں رکھتے۔ اِن حادثوں کے مقابلے میں دوسرے تمام مسائل بے حقیقت نظر آتے ہیں۔ آسٹریا کا جرمنی سے الحاق ایک اوّل درجے کی بین الاقوامی اہمیت رکھنے والا حادثہ ہے اور اس کا ردِ عمل بہت دور رس قسم کا ہوگا۔ ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ سیاست کا پورا نظام بدلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور دنیا ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جس میں ایک طرف مسلّح اور بے درد آمریّت ہے اور دوسری طرف شخصی اور قومی آزادی کی پاسباں جمہوریت اور اس کو اِن دوراہوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ یہ حوادث اگرچہ یورپ میں ہو رہے ہیں مگر ہمیں بھی متاثّر کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتے۔

اِس صوبے میں تشدد اور خوں ریزیوں کے ساتھ جو فرقہ وارانہ بلوے ہوئے وہ میرے لیے سخت اذیت و رنج کے موجب ہوئے۔ الٰہ آباد اور بنارس میں اب حالات معمول پر آ گئے ہیں، مگر فرقہ واریت کا جنون کسی وقت بھی پھٹ پڑ سکتا ہے۔ الہ آباد کے فسادات کی نسبت مجھے آپ کا ایک تار ملا تھا اور میں نے بھی آپ کو ایک تار دیا تھا۔ چوں کہ اِن فسادات کی تفصیل آپ نے اخباروں میں ضرور پڑھی ہوگی اور چوں کہ آپ جلد ہی یہاں آنے والے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ اُن کے متعلق آپ کو تفصیل کے ساتھ کچھ لکھوں۔ اِس صورتِ حالات کی ذِمّے داری ابتدائی طور پر اُس پروپگنڈے پر ہے جو جو اِدھر چند ماہ سے مسلم لیگ سیاست کا لبادہ اوڑھ کر برابر کرتی رہی ہے۔ مذہب کے نام پر جذبات کو مشتعل کر دینا نہایت آسان ہے، اور اگر کوئی پارٹی اپنے سیاسی اغراض کے حصول کے لیے ایسی چھچھوری باتوں پر اُتر آتی ہے تو پھر وہ موجودہ نظام کے خلاف کوئی معقول وجہِ شکایت بھی نہیں رکھ سکتی۔

یقین ہے کہ یہ خط آپ کو بالکل بخیر پائے گا۔

آپ کا پُراز محبّت

جی۔ بی۔ پنت

۲۱۲۔ از سروجینی نائیڈو

گولڈن تھریشہولڈ، حیدر آباد، دکن

۲۹ مارچ ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر

مجھے امید ہے کہ عصرِ قدیم کے مصنّفِ زبور کی طرح تم نے بھی جب پہاڑوں کی طرف آنکھیں اُٹھائی ہوں گی تو اس اتّحادِ فطرت سے تم نے بھی تسکین، قوّت اور فیضانِ روحانی حاصل کیا ہوگا اور اس مصنّف کے عہدِ جوانی جیسی توانائی اپنے اندر پائی ہوگی کہ نہر سے پانچ کنکر اُٹھا کر ہر دیو یا جن کو قتل کر ڈالو۔ اور تم تو اتنے سارے اور خاص قسم کے دیو رکھتے ہو جنھیں تم قتل کروگے۔

میں اپنے آپ کو بہت آزردہ اور فریب خوردہ سی پا رہی ہوں کہ میں کلکتہ نہیں آسکتی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے ڈاکٹروں کے مانعتی احکام مجموعی طور پر چُپکے سے مان لئے ہیں مگر مجھے شبہہ ہے کہ اِس فرماں برداری میں میری نیکی کو اتنا دخل نہیں ہے جتنا کہ میری جسمانی کمزوری کو۔ اب میں بیشتر اپنے صوفے پر پڑی ہوئی اپنے باغ کی چڑیوں کے نغمے سُنا کرتی ہوں۔ بلبلوں نے نارنگی کے درختوں پر آشیانے بنائے ہیں۔ اور ایک نیلی رام چڑیا چشمے میں دوپہر کا غسل کرنے کو آیا کرتی ہے اور شہد خور چڑیاں کلیاٹس اور بگنونیا کی بیلوں میں اپنا رزق ڈھونڈھ رہی ہیں۔ کبھی تم نے فارسی نظم "منطق الطیر" یا "چڑیوں کی پارلیمنٹ" کا ترجمہ بھی پڑھا ہے۔

جب کہ وہ ننھا سا آدمی دوسرے معاملات سے متعلق اپنا "گاندھی جادو" جگا رہا ہے، تم مجھے یہ بتاؤ کہ "نہرو کے اعصاب" فرقہ وارانہ ترتیبِ نو کی ترقّی کے لئے کیا ردِ عمل دکھا رہے ہیں۔ میں اِس معرکتہ الآرا مسئلے پر کوئی

چُست و موزوں سا فقرہ سُننے کے لئے بہت بے تاب ہوں۔ بے۔بی کو ایک حقیقی بے بیائی قسم کا زکام ہو گیا تھا جس کی ہم سری اگر کوئی چیز کر سکتی ہے تو وہ صرف اُس کے وجود سے بے بیائی ضد ہے۔ اب وہ بہر حال اچھی ہے اور اپنے ہاتھوں کو اتنے رنگوں میں غوطے دیتی رہتی ہے جو جوزیف کے صد رنگ کوٹ کو بھی مات کر دیں اور اپنے کپڑوں کے وسیع ذخیرے کی تجدید اور اُس کو نئے نئے رنگ دیتی رہتی ہے۔

میرے شوہر چودھویں کو جہاز "کانتے راسو" سے ولایت جا رہے ہیں۔ بے بے شاید مبئی تک اُنھیں الوداع کہنے جائے اور غالباً بیٹی کے ساتھ قیام کرے۔ برسبیلِ تذکرہ، بیٹی مجھ سے بہت خفا ہیں اِس لئے کہ اُن کے خیال میں میں راجا کی سیاست کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتی۔ کیسی بچّہ ہے یہ لڑکی—— اور وہ لڑکا بھی—— یہ پیارے بچے"! اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی کچھ ذوقِ ظرافت و خوش طبعی رکھتا تو اِن دونوں کے لئے بہت اچھا ہوتا—— اور میرے لئے بھی۔

چاہا تو میں نے یہ تھا کہ ایک مختصر سا اور صاف ستھرا خط تمھاری خیریت دریافت کرنے کو لکھوں گی مگر جب لکھنے لگی تو وہ بے تکی اور ٹھیک سے نہ پڑھی جانے والی دستاویز بن گیا۔ یہ سو فی صدی سودیشی کاغذ لکھنے والے کے جذبۂ وطن پرستی کی آزمائش کے لئے تو اچھی چیز ہے مگر اس پر لکھنا، اُف، کیا قیامت ہے!

محبّت

تمھاری پُراز محبّت سروجینی کی طرف سے

میں نے سی۔ ایل۔ یو۔ کے لئے کئی صاحبوں کو روپے کے لئے لکھا ہے مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے۔

۲۱۳۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں

۲۵ر اپریل ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

یہ لو مہادیو کی یادداشتوں کی نقل جو انھوں نے اپنی سیاحتِ صوبۂ سرحد پر لکھی تھیں۔ چوں کہ میں خود جا نہ سکا اور ہمیں یہاں پریشان کُن خبریں ملیں اس لئے میں نے سوچا کہ اُن کو بھیج دینا چاہیئے۔ میں یہ یادداشتیں تمام ممبروں کے پاس گشت نہیں کرا رہا ہوں۔ بلکہ ان کی نقلیں صرف مولانا اور سبھاش کو بھیج رہا ہوں۔ اِن یادداشتوں نے مجھے غمزدہ سا بنا دیا ہے۔ مہادیو کو زبانی اس سے زیادہ کہنا ہے۔ ایک نقل میں دونوں بھائیوں کو بھی بھیج رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اِن بھائیوں پر جو گہرا اثر تم رکھتے ہو اُسے استعمال میں لانے پر اپنے آپ کو مجبور پاؤ گے۔

میں بھی بذریعہ تار اُن سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔ اگر خان صاحب مجھ سے جانے کو فرمائیں گے تو اُس صدمے کے باوجود جو مجھے پہنچا ہے شائد میں چند دنوں کے لئے صوبۂ سرحد چلا جاؤں۔ ہم اندر سے کمزور ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ مجھ کو اس خیال سے اذیت پہنچا کرتی ہے کہ اپنی تاریخ کے اِن نازک لمحات میں بھی ہم اہم مسائل میں ایک دوسرے سے متفق دکھائی نہیں دیتے۔ میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ یہ محسوس کر کے کہ آج کل میں تم کو اپنا ہم خیال نہیں رکھ سکتا میں اپنے آپ کو یقینی طور پر کس قدر تنہا پایا کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم محبت کی خاطر بہت کچھ کر سکتے ہو۔ مگر معاملاتِ حکومت میں جب ذہن و دماغ آمادۂ بغاوت و سرتابی ہو تو محبت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے جا سکتے۔ تمھاری بغاوت پر میرے دل میں تمھارا احترام عمیق تر ہو جاتا ہے مگر اس سے میرا رنجِ تنہائی اور بھی شدید ہو جاتا ہے۔ مگر اب مجھے یہیں رُک جانا چاہیئے۔

محبت

باپو

۲۱۴- بنام مہاتما گاندھی

الہ آباد

۲۸ر اپریل ۱۹۳۸ء

میرے پیارے باپو

میں لکھنؤ سے آج صبح الہ آباد واپس پہنچا اور آپ کا خط، مہادیو کی یادداشت سیاحتِ صوبۂ سرحد کی ایک نقل کے ساتھ مجھے ملا۔ میں نے اس یادداشت کو پڑھ لیا ہے اور اب میں خان صاحب کو اور خان عبدالغفار خاں کو خط لکھوں گا۔ مہادیو نے جو باتیں لکھی ہیں اُن میں سے کسی بات پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ جو کچھ میں نے خود دیکھا تھا یہ اُس کا ایک طبیعی اور فطری ارتقاء ہے۔ مجھ کو اُمید تھی کہ جو رجحانات اُس وقت دیکھے جا رہے تھے شاید اُن کی کچھ روک تھام کی جا سکے۔ آپ کے علاوہ اگر کوئی شخص اس کام کو مؤثر طریقے پر انجام دے سکتا ہے تو وہ مولانا ابوالکلام ہیں۔ میرے خیال میں اُن کا صوبۂ سرحد جانا نہایت ضروری ہے۔ مجھے امید قوی ہے کہ اس اثناء میں دونوں خان بھائی وزراء کی میٹنگ اور مجلسِ عاملہ کے جلسے میں شرکت کے لئے آئیں گے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کانگریس کی سیاست میں گزشتہ چھ ماہ کے اندر حوادث نے جو رُخ اختیار کر لیا ہے اُس سے مجھے سخت اذیت پہنچی ہے۔ جن معاملات نے مجھے پریشان کر رکھا ہے اُن میں ایک گاندھی سیوا سنگھ کی توجیہہ جاریہ بھی ہے۔ ہم بڑی سُرعت کے ساتھ تمانی ہال کی لائنوں پر آگے بڑھ رہے ہیں، اور یہ دیکھ کر اذیت اور کوفت ہوتی ہے کہ جس تنظیم کو دوسری تنظیموں کے لئے دیانت اور راست بازی کا ایک معیار قائم کر دینا چاہیئے تھا اور کسی پارٹی کا ایک ایسا ادارہ بن جانے سے انکار کر دینا چاہیئے تھا جو جائز یا ناجائز طریقوں پر انتخابات جیت لینے پر آمادہ رہا کرتا ہو وہ تنظیم بھی ایک عام سطح پر اُتر آئی ہے۔ میں شدّت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ کانگریسی وزارتیں ناکارہ اور نکمی ثابت ہو رہی ہیں اور بہت سے اچھے کام جو وہ انجام دے سکتی تھیں نہیں انجام دے رہی ہیں۔ یہ وزارتیں اپنے آپ کو

پرانے نظام سے تطبیق دینے کے لیے، اور اس نظام کو معقول ثابت کرنے کی حد سے زیادہ کوشش کرتی رہتی ہیں۔ مگر یہ سب کچھ، اگرچہ بُرا ہے، برداشت کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس سے بدرجہا بدتر بات یہ ہے کہ جو بلند مقام ہم نے لوگوں کے دلوں میں سخت محنت و مشقت سے حاصل کیا ہے اُسے ہم کھو رہے ہیں۔ ہم اُن معمولی سیاست بازوں کی سطح تک اُترتے آرہے ہیں جو کسی اصول کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اُن کے ہر کام پر موقع پرستی حکومت کیا کرتی ہے۔

یقیناً اِس کا ایک سبب تو وہ پستی اور زبوں حالی ہے جو عموماً دنیا کے ہر گوشے میں دیکھی جا رہی ہے اور دوسرا سبب وہ عبوری دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ تاہم اِس سے ہماری کمزوریاں ضرور منظرِ عام پر آرہی ہیں اور یہ منظر اذیت ناک ہوا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کانگریس میں ایسے نیک نیت لوگوں کی تعداد خاصی ہے جو اِس صورتِ حال سے نپٹ سکتے ہیں اگر وہ صحیح طریقے پر اس کام کا بیڑا اٹھالیں۔ مگر اُن کے دماغ پارٹی کے جھگڑوں سے اور اس خواہش سے پُر رہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو یا فلاں جتھے کو کچل دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بُرے آدمیوں کو اچھے آدمیوں پر اس لیے ترجیح دی جایا کرتی ہے کہ اوّل الذکر پارٹی لائن پر چلنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو پستی و زبوں حالی لازمی ہے۔

کئی ماہ سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس وقت حالات نے جو صورت اختیار کر رکھی ہے اِس کے پیشِ نظر میں ہندوستان میں اپنے فرائض مؤثر اور نتیجہ خیز طریقے پر انجام نہیں دے سکتا۔ یقیناً جیسے اور لوگ کام کرتے رہے ہیں یا کر سکتے ہیں میں بھی کام چلاتا رہا ہوں۔ مگر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میں اِس جگہ کے لیے موزوں نہیں ہوں اور ایک غلط جگہ پر رکھ دیا گیا ہوں۔ میں نے یورپ جانے کا جو فیصلہ کر لیا اُس کا ایک سبب یہ بھی تھا، (اگرچہ کچھ اور اسباب بھی تھے) میں نے محسوس کیا کہ وہاں رہ کر کچھ زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہوں۔ کم از کم میں اپنے تھکے ہوئے اور پریشان دماغ کو تازہ کر لوں گا۔ میں نے آپ سے کسی معاملے پر طویل اور مفصل گفتگو کرنا

دشوار پایا، اس لیئے میں نے آپ کی صحت کی موجودہ حالت میں آپ کو تھکانا یا پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور علاوہ بریں میں نے یہ سوچا کہ ایسی گفتگوؤں اور بحثوں سے کوئی کارآمد نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔

میں نے دوسری جون کو بمبئی سے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں کب تک باہر رہوں گا میں نہیں جانتا۔ مگر غالباً ستمبر کے اخیر تک واپس آجاؤں گا۔

پہلی مئی کو میں ایک ہفتے کے لیئے گڑھوال جا رہا ہوں۔ سروپ میرے ساتھ جائے گی۔ وہاں ہم لوگ کسی طیّارے میں بیٹھ کر بدری ناتھ اور تخ پوشش پہاڑوں پر ایک مختصر سی پرواز کریں گے۔ گڑھوال سے واپسی پر میں وزراء اور مجلسِ عاملہ کے جلسوں میں شرکت کی غرض سے بمبئی جاؤں گا۔

آپ کا پُرازمحبّت

جواہر لعل

مہاتما گاندھی

جُوہُو (بمبئی)

۲۱۵۔ از مہاتما گاندھی

پیشاور جاتے ہوئے گاڑی پر

۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

یہ لو ایک نقل اُن مختصر یادداشتوں کی جو جناح سے ۲½ گھنٹے کی گفتگو کے بعد میں نے عجلت کے ساتھ مختصراً لکھ لی تھیں۔ ممکن ہے کہ تم اور دوسرے ممبر بنیاد کو پسند نہ کریں۔ ذاتی طور پر میں اِس سے کوئی مفر نہیں پاتا۔ آج کل میری راہ میں ایک رکاوٹ یہ ہے کہ تم لوگوں کی طرح میں ملک میں اِدھر اُدھر آجا نہیں سکتا، اور اس سے بھی سنگین تر رکاوٹ میری وہ داخلی مایوسی اور ناامیدی ہے جس نے مجھے آدبایا ہے۔ یوں کام تو میں چلا ہی رہا ہوں مگر یہ

خیال میرے لئے ایک عذابِ جاں بنا ہوا ہے کہ وہ اعتمادِ نفس جو آج سے صرف ایک ماہ پیشتر اپنے اندر پایا کرتا تھا اُسے میں نے کھو دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حالت میری زندگی کی صرف ایک عارضی کیفیت ثابت ہوگی۔ میں نے اِس بات کا ذکر اِس غرض سے کر دیا ہے کہ تم کو ان تجویزوں پر اُن کے ذاتی وحقیقی حسن و قبح کو پیشِ نظر رکھ کر غور کرنے اور اُن کے پرکھنے میں مدد ملے۔ میں نہیں سمجھتا کہ پہلی تجویز میں تم کوئی دُشواری پاؤ گے۔ دوسری تجویز اپنے تمام مضمرات کے ساتھ، ایک نئی قسم کی تجویز ہے۔ اگر یہ تمھیں پسند نہ آئے تو تم اسے سرسری طور پر مسترد کر دینے میں پس و پیش نہ کرو۔ اس معاملے میں تمھیں پہل کرنی پڑے گی۔

میں گیارہویں کو واپس آنے کی توقع رکھتا ہوں۔ میرے اُس تار کے جواب میں، جس میں میں نے سُبھاش کو مشورہ دیا تھا کہ جناح سے باضابطہ گفت و شنید کا آغاز کر دیں اُنھوں نے مجھے تار دیا ہے کہ وہ دسویں کو بمبئی میں ہوں گے۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی وہاں پہلے ہی پہنچ جاتے۔ میں مولانا صاحب کو بھی اسی انداز کا ایک خط لکھ رہا ہوں اور اِس خط کی نقل اُن کو بھیج رہا ہوں۔

محبّت

باپو

۲۱۶۔ از مہاتما گاندھی

۷ مئی ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

گاندھی سیوا سنگھ کی نئی توجیہہ میں کون سی بات تمھارے لئے موجبِ تشویش ہوئی ہے؟ مجھے اس بات کا یقیناً اعتراف کر لینا چاہیے کہ اِس نئی توجیہہ کا ذمے دار میں ہوں۔ تم اِس بات کو جانتے ہو کہ اگر میں نے غلط راستہ اختیار کر لیا ہے تو جس وقت بھی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگا میں اُس راستے سے ہٹ آؤں گا۔

جہاں تک عام سستی و انحطاط کا تعلق ہے مجھے تم سے اتفاق ہے، اگرچہ کمزوری کے مقامات کے تعین میں ہم باہم مختلف رائیں رکھ سکتے ہیں۔

باقی عند الملاقات

محبت

باپو

۲۱۷۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا

۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

تم کس قدر مستعد اور چست آدمی ہو۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم گڑگاؤں ضلع کانگریس کمیٹی کے معاملات کی تحقیق کر پائے۔ مجھے امید ہے کہ تمھاری صلاح دونوں پارٹیاں مان لیں گی۔ ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔

آج مجھے تمھارا وہ خط ملا جو میری اور جناح کی ملاقات سے متعلق میری یادداشتوں کے جواب میں تم نے لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُن سے میری دوسری گفت و شنید ناگزیر تھی۔ مجھے امید ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ اگر تمھارے پاس وقت ہو، تو جال سے ملنے کے بعد اُن کے بارے میں اختصار کے ساتھ مجھے کچھ ضرور لکھو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یورپ کے اپنے اس سفر میں ہمیشہ دوڑتے ہی نہ رہو، جیسا تم یہاں کیا کرتے ہو، بلکہ اپنے آپ کو کچھ آرام دو۔

محبت

باپو

۲۱۸۔ از گووند بلبھ پنت

بروک ہل ہاؤس، نینی تال

۳۰ مئی ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

مجھے افسوس ہے کہ آپ کی روانگی سے پہلے میں خود آپ سے مل کر

نہ اپنی دلی نیک تمناؤں کا اظہار کر سکا اور نہ بعض معاملات پر آپ سے باتیں کر سکا۔ اکیسویں اور بائیسویں کو جب میں آپ کے ساتھ تھا تب آپ کی اور آپادھیا کی گفتگو سے میں یہ سمجھا کہ آپ اُسی رات کو ساڑھے دس بجے اعظم گڑھ جا رہے ہیں۔ میں آپ کی قیام گاہ پر آٹھ بجے گیا اور پھر بھاگا ہوا اسٹیشن گیا مگر بدقسمتی سے آپ کو پکڑ نہ پایا۔ میرا ارادہ تھا کہ الٰہ آباد پہنچ کر میں آپ کو خدا حافظ کہہ لوں، مگر یہ بھی نہ کر سکا، اِس لئے کہ اپنی لڑکی کی علالت کے باعث، جو ایک سخت قسم کے میعادی بخار میں مبتلا ہے، مجھ کو یک بیک نینی تال چلا جانا پڑا۔ اب جب کہ آپ ہندوستان سے باہر جا رہے ہیں اپنی دُشواریاں اور اپنے مسائل بیان کر کے مجھے آپ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کرے کہ آپ کا یہ بحری سفر ہر طرح محفوظ اور آرام دِہ رہے، اور آپ اپنے سفر کا یہ زمانہ یورپ میں مسرّت و خوشی کے ساتھ گزاریں اور ہندوستان جلد واپس آئیں۔ ہندوستان میں آپ کی غیر موجودگی سے ہماری دُشواریاں یقیناً بڑھ جائیں گی۔ ہمارے صوبے میں کوئی دوسری ایسی سر برآوردہ شخصیت نہیں ہے جس کی طرف ہم کسی دِقّت یا تکلیف کے پیش آنے پر صلاح و مشورہ اور صحیح راہ کی سمت رہنمائی کے لئے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ رُخ کر سکیں اور جو ضرورت کے وقت مؤثر طور پر بیچ میں پڑ سکے۔ میں بہ ہر حال اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ دنیا کی موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر ملک کے بڑے مفادات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ یورپ ضرور جائیں۔ موجودہ نظام گھل رہا ہے اور ایک نئے نظام کا ظہور ناگزیر ہے جو دوسرے ملکوں کے ساتھ ہندوستان پر بھی یقیناً اثر انداز ہوگا۔ یہ ایک اہم اور ضروری امر ہے کہ اس نازک وقت میں ہم بیرونی دُنیا سے رابطہ قائم رکھیں اور اس کام کے لئے آپ ہندوستان میں موزوں ترین شخص ہیں۔ ہم لوگ شاید اپنے مخصوص مقامی مسائل میں حد سے زیادہ غلطاں پیچاں رہا کرتے ہیں اور معاملاتِ عالم پر ویسی جامع و محیط نظر نہیں رکھتے جیسی کہ ہمیں رکھنی چاہیے۔ وہ افسردہ اور مُردہ سی بے حسی جو ملک میں عام ہے اب بتدریج فکر و نظر اور زندگی کی نئی دھڑکنوں کے لئے جگہ خالی

کر رہی ہے اور شہری وہ یہی دونوں رقبوں میں کسی قدر صحت مند سرگرمی کے خوش آیند آثار پائے جاتے ہیں۔ لوگ ہر جگہ بیدار ہو رہے ہیں اور تنقیح طلب مسائل واضح ہو کر سامنے آرہے ہیں۔ اس موضوع پر بہر حال مجھے تفصیل سے کام نہ لینا چاہیے اس لیئے کہ یہ خط پہلے ہی بہت طویل ہو چکا ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ ازراہِ کرم میری وہ درخواست ذہن میں رکھیں گے جو میں نے ایک ایسے موزوں اور ماہر شخص کے لیئے آپ سے کی ہے جو ملک کی تعمیرِ نو میں ہماری مدد کر سکے۔ اگر کوئی ایسا شخص مل جائے تو کیا آپ ازراہِ مہربانی مجھے مطلع فرمائیں گے؟

جب آپ اندو سے ملیں تو ازراہِ کرم میرا پیام محبت اُسے پہنچا دیں۔

بہترین تمنّاؤں کے ساتھ

آپ کا پُر از محبت

جی۔ بی۔

(۱۹۳۸ء کے اوائل جون میں میں یورپ گیا۔ بمبئی سے بذریعے بحری جہاز میں جینوا گیا۔ جینوا سے مارسیلز گیا اور مارسیلز سے براہ خشکی بارسیلونا گیا جہاں میں نے چند دن گزارے۔ یہ زمانہ اسپین کی خانہ جنگی کا زمانہ تھا۔ یہاں سے میں لندن گیا)

۲۱۹۔ از لارڈ لوتھین

بلک لنگ ہال

آیلشام

۲۴ جون ۱۹۳۸ء

پیارے مسٹر نہرو

یہ سُن کر مجھے مسرت ہوئی کہ آپ بخیر انگلستان پہنچ گئے اور بارسیلونا پر فرانکو کی بمباریوں سے بہ سلامت نکل آئے۔ ہم یہاں نویں جولائی کے ختم ہفتے پر آپ کی میزبانی اور خاطر مدارات سے لطف اندوز ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ بہت تھوڑے سے لوگ مدعو ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ پارٹی میں لیڈی آسٹر

ہوں گی جو آپ کے لئے موجب دلچسپی اور باعث تفریح ہوں گی، جنرل آئرن سائڈ ہوں گے جو انگلستان کے ایک بہترین سپاہی ہیں اور جو آپ کے سامنے دُنیا کے جنگی اور عام حالات پر ایک ایسا جامع تبصرہ کریں گے جو آپ کو کسی دوسرے شخص سے نہیں مل سکتا، اور مسٹر تھامس جونس ہوں گے جو بالڈون کے سب سے زیادہ قریبی مشیر تھے جب وہ برطانیہ کے وزیر اعظم تھے اور جو اپنی ذات سے بھی انگلستان میں اِک بہت ہی ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ مجھے سر فِنڈ لیٹر اسٹیوارٹ کو بھی مدعو کرنے کا کچھ خیال تھا، جو انڈیا آفس کے افسرِ اعلیٰ ہیں اور بڑے اچھے آدمی ہیں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت ہی رسمی سے آدمی ہوں گے۔ جب کہ باقی لوگوں میں سے کسی کو اس رسمیت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے!! بہر حال میں پارٹی سے پہلے ہی آپ سے ملوں گا اور اُس کے بعد ہی پارٹی کے آخری انتظامات طے کروں گا۔ میرا اوّلین مقصد یہ ہے کہ آپ کے لئے ایک پُرسکون ختمِ ہفتہ حسین اور خوب صورت ماحول میں بہم پہنچاؤں جہاں ہم کچھ باتیں بھی کر سکیں۔

لوتھین ۔

م۔ ت : مجھے افسوس ہے کہ آپ کی صاحبزادی مصروفیت کی بنا پر تشریف نہ لا سکیں گی۔

۲۲۰۔ از سر جارج شوسٹر

۳۰ سینٹ جیمس پلیس
لنڈن، ایس۔ ڈبلیو!
۷ر جولائی ۱۹۳۸ء

پیارے پنڈت جواہر لعل نہرو

میں آپ کی اُس تقریر پر جو آپ نے سہ شنبہ کی شام کو فرمائی بہت غور کرتا رہا ہوں، خصوصاً اس کے اقتصادی امور سے متعلق۔ مجھے اس امر کا افسوس ہے کہ میں اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طریقے پر کیا کرتا ہوں کہ آپ کا منطقیانہ یا مناظرانہ غصہ حق بجانب ہو جایا کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا غصہ صرف

"مناظرانہ" غصہ تھا، مگر میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ جن اقتصادی مسائل سے آپ کو ہندوستان میں نپٹنا ہے وہ ایسے بنیادی مسائل اور اپنے اندر کچھ ایسی ذاتی دشواریاں رکھتے ہیں کہ محض برطانوی اثر کا ازالہ اُن کو حل نہ کر دے گا۔

آپ نے میرے جواب میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے جو نتیجہ ماخوذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ برطانوی تعلق سے زیادہ مصیبتوں کا اصل سبب سرمایہ دارانہ نظام کو قرار دیتے ہیں اور اوّل الذکر تعلق پر اس لئے حملے کر رہے ہیں کہ مؤخر الذکر سرمایہ دارانہ نظام اس تعلق کا ایک لازمی نتیجہ ہے یا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہ خیال کچھ دشوار تنقیح طلب امور پیدا کر دیتا ہے جن پر آپ سے بحث و گفتگو میں بہت پسند کروں گا۔ اس خط میں اُن پر بحث کرنے کی جسارت میں نہیں کروں گا، اِس خط میں تو میں اپنے آپ کو چند مختصر ملاحظات تک محدود رکھوں گا۔

میں اس امر میں یقیناً اتفاق کروں گا کہ ہندوستان میں مادّی حالات کے بہتر بنانے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک قومی جدّوجہد ہے اس وسعت اور اِس جوش اور جذبے کے ساتھ جو نظامِ سرمایہ داری کے محرکِ اغراض و مقاصد اور جستجوئے منفعت سے بہم نہیں پہنچ سکتا۔ میری یہ قطعی رائے ہے کہ اس قومی جدّوجہد کی بنیادیں ایک ایسی عظیم الشان سعی اور تعاونِ باہم پر استوار ہونی چاہئیں جس کی پشت پر ہندوستان کے تمام دیہاتوں اور دیہی رقبوں اور ہندوستان کے قومی رہنماؤں کی تحریک و ہمّت افزائی ہو۔ دوسری طرف میرا یہ ایمان ہے کہ آپ اور دوسرے قومی رہنما نتائجِ حکمنہ کا بڑا حصّہ صنعت پر، جیسی کہ وہ اس وقت خاص خاص شہری صنعتی مرکزوں میں منظّم ہے، تخریبی حملہ کئے بغیر حاصل کر سکتے ہیں۔

اِن معاملات پر اپنے اندازِ فکر کی توضیح کے لئے میں اِس خط کے ساتھ ایک رسالہ بھیج رہا ہوں جو میرے اُس خطبے پر مشتمل ہے جو آج سے ۳½ برس پیشتر میں نے (ہندوستان سے واپس آنے کے کچھ ہی دنوں بعد) لندن میں رائل آرٹس سوسائٹی کے سامنے دیا تھا۔ یہ خطبہ کسی قدر ابتدائی سا ہے

اور میں توقع نہیں کرسکتا کہ اس سے آپ زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ مگر میں مطمئن ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اُس میں تھوڑی سی سچائی آپ ضرور پائیں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ طرز و اندازِ فکر بالکل ناہمدردانہ نہیں ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں نے اپنے اس خطبے میں یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ اس موضوع پر میں نے اپنے آپ کو مسٹر گاندھی کے بہت سے افکار و آراء سے متفق پایا۔ اگر آپ کو اس رسالے کے پڑھنے کا وقت ملا اور آپ نے مجھ کو مزید گفتگو کا موقع دیا تو میری بڑی عزت افزائی ہوگی۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر ایک اور مسئلے پر مجھے آپ سے دوبارہ گفتگو کرنے کا موقع مل گیا ہوتا۔ پچھلے منگل کو میں نے آپ پر اپنے اس منصوبے کا اظہار کیا تھا کہ میں مسٹر ونٹ کو، جن کا تعارف بھی آپ سے کرا چکا ہوں، چند مسائل کے مخصوص مطالعے کے لئے ہندوستان بھیجنا چاہتا ہوں۔ اگر اس وقت آپ کو مجھ سے ملنے کا موقع نہ مل سکے تو اُس صورت میں مجھے پوری امید ہے کہ آپ مسٹر ونٹ کو ہندوستان میں ملاقات کا شرف بخشیں گے۔ جب موصوف میری اس درخواست کو لے کر آپ کی خدمت میں آئیں گے تو پیشِ نظر امور پر مشتمل ایک تفصیلی بیان بھی میں آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔

مجھے امید ہے کہ اقتصادی اور سیاسی مسائل پر ہمارے ان اختلافات کے باوجود اگر آپ لندن میں ہمارے گھر آنے کا موقع نکال سکیں اور ہم آپ سے اپنے گھر میں ملیں تو مجھ کو اور میری بیوی کو حقیقی مسرت ہوگی۔ ایک عملی تجویز کے طور پر کیا آپ دوشنبہ کے دن شام کا کھانا ہمارے ساتھ تناول فرما سکیں گے۔ (بالکل تنہا میرے کنبے کے ساتھ)

آپ کا مخلص

جارج شوستر

پنڈت جواہر لعل نہرو

آرمانڈ ہاؤس

۲۲۱ - از مادام سن یات سین

چائنا ڈیفنس لیگ
مرکزی کمیٹی
ہانگ کانگ
۷ر جولائی ۱۹۳۸ء

پیارے مسٹر نہرو

کیا میں مسٹر جان لیننگ کا، جو یہاں سے ہندوستان جا رہے ہیں، آپ سے تعارف کرا سکتی ہوں؟ مسٹر لیننگ ہماری چائنا ڈیفنس لیگ کے ایک انتظامی ممبر ہیں اور چین پر جاپانیوں کے جارحانہ حملے کے دوران میں اور اُس کے بعد جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اُس سے براہِ راست باخبر ہیں۔ چین سے اُن کو جو محبت ہے وہ گہری اور مخلصانہ ہے اور وہ تمام رُکاوٹوں کے باوجود جمہوریت کی حمایت کریں گے۔

چوں کہ آپ چین کے بڑے ہمدرد ہیں اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ ہماری مدافعانہ جدوجہد کے جملہ حالات کسی ایسے شخص کی زبانی سُننا پسند کریں گے جو نوجوان عناصر سے قریبی اور گہرا تعلق رکھتا ہے۔

ہم نے شکرگزاری اور جرأت آموزی کے ساتھ آپ کی ہمدردی اور اتحادِ عمل کے مظاہروں کی بابت سُنا۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنی قدر شناسی اور احساسِ رفاقت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

مخلصانہ دُعاؤں کے ساتھ
آپ کی برادرانہ
سونگ چنگ لنگ

۲۲۳ - از ایڈورڈ تھامپسن

بورس ہل، آکسفورڈ۔ ۲۰ر جولائی ۱۹۳۸ء

پیارے جواہر لعل

بعض حالات میں — میں ایک مغرور سا انسان ہو جاتا ہوں (مجھے امید ہے

کہ خود بین وخود پسند نہیں ــــ یہ اُس سے بہت مختلف ہے) اور فخر وغرور کے معقول اسباب کے ساتھ۔ مگر کوئی دوسری چیز اس کتاب سے زیادہ میرے لئے سرمایۂ فخر وغرور نہیں ہو سکتی جس پر آپ نے یہ فقرہ ثبت فرمایا ہے: "میرے دوست ایڈورڈ تھامپسن کو"۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں میں ہیں جو اپنا شیوۂ کم سخنی وکم گوئی قریب قریب اک غیر انسانی درجے تک پہنچا دیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ جب آپ کچھ کہتے ہیں تو آپ کے الفاظ آپ کے احساسات اور خیالات کی پوری ترجمانی کر دیتے ہیں۔

آپ سے آپ کی من موہنی صاحب زادی سے اور مسز رولسن سے ملنا موجب صد لطف ومسرّت تھا۔

ہمیشہ آپ کا
ایڈورڈ تھامپسن

۲۲۴۔ از مسز پال روبسن

لندن، شام جمعہ
جولائی ۱۹۳۸ء

میرے عزیز مسٹر نہرو

آج کے پُر لطف ومسرّت چاشت کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں اور پال دونوں ہی آپ کے دِل دادہ ہیں۔ ان چند پُر از مہر ومحبّت گھنٹوں نے، جو ہم نے آپ کے ساتھ بلا شرکتِ غیرے گزارے، ہمارے اندر جوش ومسرّت کی ایک لہر سی دوڑادی تھی۔ کسی ایسے شخص سے ملنا اور اُس سے آزادانہ باتیں کرنا جو خود بھی اُنہی چیزوں سے دل چسپی رکھتا ہے جن سے ہم دل چسپی رکھتے ہیں اور جو ہمارے مخصوص مسائل اور اُن کے پسِ منظر کو سمجھتا ہے ایک نعمت غیر مترقبہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

جیسا کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا میں آپ کو نیگرو نیشنل کانگریس کی کارروائیوں کا خلاصہ بھیج رہی ہوں۔ میں خود اپنی حقیر سی کاوش کا نتیجہ بھی بھیج رہی ہوں جو آج سے آٹھ سال سے بھی پہلے لکھا گیا تھا۔ اب کہ میں بڑی

ہو گئی ہوں مجھ کو اپنا یہ مقالہ کسی قدر سیدھا سادھا سا معلوم ہوتا ہے: تاہم اس سے جو کام میں نے لینا چاہا تھا، کسی حد تک وہ پورا ہو جاتا ہے ــــ یعنی امریکا میں حبشیوں کے پسِ منظر کی طرف ایک اشارہ سا کر دیتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اس کو ایک شخص کی کہانی کی شکل دی کیوں کہ میں محسوس کرتی تھی کہ کسی اور طریقے سے لوگ حبشیوں کے پسِ منظر سے دلچسپی نہ لیں گے۔ مجھ کو اس کا صلہ بڑا ہی حیرت انگیز ملا اور وہ اِس طرح کہ لوگوں نے دلچسپی لی اور اب بھی لے رہے ہیں، لوگ اس کو خریدتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر کچھ واقعات جان ہی لیتے ہیں!

مجھے معلوم ہے کہ آئندہ پیر کے دن ہم گولانکز کے یہاں آپ کے ساتھ شام کا کھانا کھا رہے ہیں اور ہم آپ سے دوبارہ ملنے کے منتظر ہیں۔

مخلص

ایزلانڈا گوڈ رولسن

۲۲۵۔ از مصطفیٰ النحاس ۲ر اگست ۱۹۳۸ء

(۱۹۳۸ء کے جون کے اوائل میں جب میں بحری راستے سے یورپ جا رہا تھا، میرا جہاز سویز میں ٹھیرا، وہاں پہنچنے سے کچھ ہی پہلے مصر کی وفد پارٹی کے لیڈر، نحاس پاشا کا ایک پیغام مجھے ملا جس میں مجھے اُن سے اسکندریہ میں ملنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے خشکی کے راستے قاہرہ جانے کا فوراً ہی ارادہ کر لیا۔ وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز اسکندریہ پہنچا جہاں اُن سے اور اُن کے رفقاء سے ملا۔ یہاں سے میں پورٹ سعید واپس آیا اور کسی نہ کسی طرح اپنے جہاز پر پہنچ گیا جو اِس درمیان میں نہر سویز سے گزر چکا تھا۔

جب میں دسمبر ۱۹۳۸ء میں یورپ سے واپس آ رہا تھا تو چند روز کے لئے میں مصر میں رُک گیا تھا۔ میری لڑکی اندرا میرے ساتھ تھی)

پیارے جواہر لعل نہرو

مجھے آپ کے دونوں محبت نامے جو آپ نے جہاز سے اور لندن

پہنچ کر لکھے تھے اور جن میں آپ نے میری اور میرے رفقائے کار کی نسبت اپنے شریفانہ جذبات کا اظہار فرمایا تھا وقت پر مل گئے۔

مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی تشریف آوری نے ہم سب کو، اور علی الخصوص مجھ کو، کتنی بڑی مسرّت بخشی ہے۔ اس تشریف آوری کی ناقابلِ فراموش یاد ہمارے دلوں میں اب بھی تازہ ہے۔

آپ کی اِس صحبت کا میسّر آنا، خواہ چند ہی گھنٹوں کے لئے، جس میں ہم اُس مقدّس مقصد سے متعلّق، جس کے لئے ہم اپنے اپنے ملکوں میں لڑ رہے ہیں، باہم افکار و احساسات کا تبادلہ کرسکے ہمارے لئے ایک بڑا قیمتی موقع تھا۔ اِس ملاقات سے اگر تنہا یہی ایک فائدہ حاصل ہو کہ ہم اپنے ملکوں کی آزادی کے لئے اپنی لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں میں باہم ربط و ترتیب دے پائیں تب بھی یہ ملاقات اپنے فوائد کے اعتبار سے قابلِ قدر ہوگی۔

آپ کو خط لکھنے میں مجھ سے اب تک جو تاخیر ہوئی تو اس کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ میں نے اپنی قومی وفدی پارٹی کے سالانہ اجتماع کی تاریخ صحیح طور پر معلوم کر لینی چاہی تاکہ آپ کو شخصی طور پر اور آپ کی پارٹی کے ایک وفد کو اس اجتماع کے زمانے میں مصر آنے کی دعوت دے سکوں۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ میں نے اب تک اپنی سیاحتِ یورپ کا پروگرام قطعی طور پر طے نہیں کیا تھا۔

وفد نے حال ہی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اِس سال ہماری کانگریس کا اجلاس ۲۴ر اور ۲۵ر نومبر کو منعقد ہو۔ یہ بھی طے پایا ہے کہ اس بار یہ اجلاس مقامی ہی رنگ نہ رکھے بلکہ اُس پر ایک وسیع تر مشرقی ممالک کی ترجمانی کا رنگ غالب رہے اور یہ مقصد اس طرح حاصل کیا جائے کہ انڈین نیشنل کانگریس اور شرقِ ادنیٰ کے دوسرے مظلوم ممالک کے نمایندوں کو مثلاً فلسطین اور عرب آبادیوں کے نمایندوں کو بھی بطور مہمان شرکت کی دعوت دی جائے۔ مجھے اپنی اور اپنے رفقائے کار کی طرف سے آپ کو شخصی طور پر اور انڈین نیشنل کانگریس کے وفد کو یہ دعوت بھیجتے ہوئے مسرّت ہو رہی ہے۔

یہ قرار پا گیا ہے کہ ہمیں وفد پارٹی کی طرف سے آپ کی پُر از محبت دعوت پر ایک وفد یہاں سے ہندوستان بھیجنے میں بڑی مسرت ہوگی۔

اپنی سیاحتِ یورپ سے متعلق میں نے اپنا پروگرام اپنی بیوی کے ساتھ یوں طے کیا ہے:

ہم دونوں یہاں سے جہاز کھنسار پر ۱۴ر اگست کو روانہ ہوں گے۔ پہلے جینیوا جائیں گے اور پھر وہاں سے بہ غرضِ علاج مانٹی کاٹینی (اٹلی)، جائیں گے جہاں ہوٹل پیبس میں بہ سلسلۂ علاج پندرہ بیس دن ٹھہرنا پڑے گا۔ نصابِ علاج کی تکمیل کے بعد ہم پہاڑوں پر کارٹینا وامپیزو (اٹلی) ہوٹل میرامانٹی، دس دن سکون وآرام کی غرض سے ٹھیریں گے۔ اس کے بعد ہم سوئیستان ہوتے ہوئے پیرس جائیں گے۔ اگر آپ کو سہولت ہوگی تو ہم سوئیستان میں ایک وقفہ کرلیں گے۔ ہم ۱۱ر اکتوبر تک پیرس میں قیام کریں گے اور پھر ۱۲ر اکتوبر کو مارسیلز سے جہاز نیل پر عازمِ مصر ہوں گے۔

اس سیاحت یورپ میں اگر کہیں میری آپ کی ملاقات ہوگئی تو یہ ایک بڑا خوش آیند وقوعہ ہوگا اور ہم دونوں کو موقع مل جائے گا کہ گزشتہ ماہِ جون کی دسویں کو سان اسٹیفانو میں جو دلچسپ گفتگو ہم نے شروع کی تھی اُسے جاری رکھیں۔

ایک دوسرے لفافے میں میں آپ کی بڑی قیمتی سیاحتِ مصر کی تصویریں بھیج رہا ہوں۔

آپ کا مخلص

ایم۔ نحاس

۲۲۶۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا

۳۱ر اگست ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

اپنی محدود وقت کے سبب تمھیں خط لکھنے کی اپنی خواہش کو مجھے

مجبوراً دبانا پڑا۔

اندو کی نسبت جو تار میں نے تم کو دیا تھا اُس کے جواب کا منتظر ہوں۔

تم نے وفاق کی نسبت جو تنبیہہ کی ہے اُس کو میں نے بغور پڑھا۔ میں اس خبر کو معتبر نہیں سمجھتا یعنی وہ محض ایک افواہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ کانگریس کی رضامندی پہلے حاصل کیے بغیر یہ لوگ یہ وفاق منعقد نہ کریں گے۔ اور یہ رضامندی یہ لوگ نہیں حاصل کر سکتے۔

پھر یہودیوں سے متعلق۔ میرا احساس بھی بالکل تمھارے ہی احساس جیسا ہے۔ میں بدیسی مصنوعات کا مقاطعہ کرتا ہوں نہ کہ بدیسی صلاحیتوں کا۔ اور میں ستائے ہوئے یہودیوں کے لیے بہت دردمند ہوں۔ ایک ٹھوس تجویز کے طور پر میں یہ کہوں گا کہ تم ان میں سے مستحق ترین لوگوں کے نام اکٹھا کرو اور اِن لوگوں کو صاف صاف بتا دو کہ ان لوگوں کو اپنی قسمت ہماری قسمت سے وابستہ کر دینے پر آمادہ ہو جانا پڑے گا اور ہمارا ہی معیارِ زندگی بھی اختیار کر لینا پڑے گا۔ باقی باتیں تم کو مہادیو سے معلوم ہوں گی۔

محبت

باپو

۲۲۷۔ از مہاتما گاندھی

(تاریخ ۹-۳-۱۹۳۸ء)

عزیزی جواہر لعل

تمھارا خط پہنچا۔ غلط فہمیوں کے امکان سے میں واقف ہوں یہ غلط فہمیاں اور جاہلانہ یا غرض مندانہ تنقید مجھے کبھی متاثر نہیں کر سکی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ہم اندر سے طاقت ور ہیں تو سب کچھ درست ہو جائے گا۔ بیرونی معاملات میں تم میرے رہنما ہو۔ اس لئے تمھارا خط مجھے مدد دیتا ہے۔

کمارا اپا کی نسبت تم نے تلافی مافات سے بھی زیادہ کر دیا ہے۔ تم اُن کا خط دیکھنا چاہو گے۔ پڑھ کر اسے تلف کر سکتے ہو۔ ہاں اُن جیسے

کام کرنے والے ہمارے پاس تھوڑے ہیں۔

محبّت

باپو

۲۲۸۔از ایڈورڈ تھامپسن

بوارس ہل آکسفورڈ
۲ر ستمبر ۱۹۳۸ء

عزیز جواہر لعل

ہم دونوں کو سخت افسوس ہے کہ آپ کی بہن اور آپ کی صاحبزادی دونوں بیمار ہیں، یقین ہے کہ دونوں جلد رو بہ صحت ہوں گی۔

مجھ سے کیا حماقت ہوئی ہے کہ آپ کا لندن کا پتہ اپنے ساتھ آیرستان نہیں لایا! میں نے آپ کو پراگ بھی خط لکھا اور اُس فرضی پتے پر لندن بھی خط لکھا! جو میرے احمقانہ تخیّل کی تخلیق تھا۔

میں نے ابھی ابھی کورڈا سے ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی صورت نکال لی۔ وہ اتوار کو بذریعے ہوائی جہاز فرانس اور پیر کی شام کو امریکا جا رہے ہیں اس لیے اگر آپ ابھی چند ہفتے اور لندن میں نہیں ٹھیرتے تو وہ یقیناً آپ سے نہ مل پائیں گے جس کا انھیں سخت افسوس ہوگا۔

وہ امریکہ سے پندرہ دن کے اندر یقیناً واپس آجائیں گے۔ اُن کو ایک مخفی تنبیہہ اس امر کی مل چکی ہے کہ اس وقت کی مشتبہ سیاسی حالت کے پیشِ نظر اُن کا امریکا میں اِس سے زیادہ ٹھیرنا مناسب نہ ہوگا۔ جو رجائیت اس وقت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے وہ کوئی معقول بنیاد نہیں رکھتی۔ نورمبرگ کا اجتماعِ عام ختم ہونے سے پہلے حالات میں استقرار پیدا نہ ہوگا۔

کل سہ پہر میں کورڈا اپنا سفرِ امریکا ملتوی کر دینے کے ایک بعید سے امکان کے بارے میں مجھے ٹیلیفون کریں گے۔ یہ بالکل ممکن ہے۔

مگر ___ آپ اور آپ کے گھر کے لوگ نگارخانے کیوں نہ دیکھ لیں؟ اگر کورڈا پیر کو امریکا چلے بھی جائیں تو اُن کا چلا جانا آپ لوگوں کو تمدّنِ جدید کی

اِس بَلا نمبر ایک" کا کارخانہ اور اُس کا طرزِ کار دیکھ لینے سے کیوں روکے ؟ یا ـــــ اِس صورت میں آپ ہفتے کے آخر میں کیوں نہ آئیں جب کہ آپ کی بہن پوری طرح شفایاب ہو چکی ہوں اور اندرا بھی آسکے ؟ بُدھ یا جمعرات کے دن ؟ میں اور میری بیوی آپ کے لئے چاشت اور چائے کا بندوبست کریں گی اور ہم آپ کو عربی دیہات کے سامنے ایک طویل ساحلِ بحر، سودانی قلعہ اور وکٹوریا کے عہد کا ایک محل وغیرہ بھی دکھائیں گے! ایک حیرت انگیز نظارہ اور آپ زولٹان کورڈا سے بھی مل سکیں گے جو اس کھیل کا فنی دماغ ہے۔

بہر صورت جب آپ کل شب میں ٹیلیفون کریں گے تو میں آپ کو ٹھیک ٹھیک بتا سکوں گا کہ کورڈا اپنا سفرِ امریکا ملتوی کر رہے ہیں یا نہیں۔

پراگ سے آپ نے جو خط لکھا تھا وہ بے حد دلچسپ اور نہایت ہی معلومات افزا تھا۔ میں ایک زمانۂ دراز سے جانتا ہوں کہ آلن آف ہرٹ وُڈ ایک ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ شخص ہے۔ مزدور پارٹی میں اُس کا لقب "رینگتا مسیح" ہے!

اگر کورڈا کے سفر پر چلے جانے سے آپ کو ہفتے کے آخر میں یہاں آسکنے کی آسانی ہو جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔ اس لئے کہ مجھے آپ کی بہن اور صاحبزادی (امید ہے کہ بُدھ تک دونوں اچھی ہو چکی ہوں گی) کی ملاقات سے مسرت اندوز ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

اس معاملے پر دوبارہ غور کرنے پر میں محسوس کر رہا ہوں کہ کورڈا کے بارے میں جو بات میں نے آپ سے کہہ دی کہ اُن کو ایک مخفی تنبیہہ موصول ہوئی ہے وہ بات مجھے شاید نہیں کہنی چاہئے تھی۔ مگر آپ سے کہہ دینے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ خود آپ کی معلومات بھی آپ سے یہی تنبیہہ اُن کو دلوا دیتیں!

آپ کا

ایڈورڈ تھامپسن

نگار خانے جانے کے لئے بی کنسفیلڈ پرنسز ریسبرا لائن پر ڈن ہام اسٹیشن

(پاڈنگٹن سے) ہے۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد گاڑی ملتی ہے۔ آج شام کو ہم نے اِن گاڑیوں میں سے کوئی گاڑی پکڑنے کی کوشش کی مگر اسٹیشن کا دفتر بند ہو چکا تھا۔ بہ ہر حال گاڑیاں بہت سی ہیں۔

۲۲۹۔ از جے۔ بی۔ کرپلانی

سوراج بھون، الہ آباد
۹ ستمبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر

مجھے افسوس ہے کہ میں تقریباً تین ہفتے سے تمھیں کوئی خط نہیں لکھ سکا میں الہ آباد میں نہیں تھا۔ پرسوں میں براہِ واردھا واپس آیا۔ جہاں صدر کانگریس، مولانا صاحب، ولبھ بھائی اور راجندر بابو کسی نہ کسی معاملے کے سلسلے میں موجود رہے۔ میں نے کرشنا مینن کے بارے میں ان لوگوں سے باتیں کیں۔ جو کچھ میں نے تمھیں لکھا تھا اُس سے اِن لوگوں نے اتفاق کیا۔ اِن لوگوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں مینن کو لکھ دوں کہ وہ گلاسکو میں منعقد ہونے والی "صلح اور مملکت کانگریس" میں ہماری نمایندگی کر سکتے ہیں میں نے اس کے مطابق کرشنا مینن کو لکھ دیا ہے۔ سُبھاش نے کہا ہے کہ وہ کانگریس کے لئے ایک پیغام بھیجیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور بھیجیں گے۔

مصر کی وفد کانفرنس کا دعوت نامہ قبول کرنے اور کانفرنس میں شریک ہونے کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ دہلی کے اجتماع کے موقع پر میں ۲۰ر کو یہ معاملہ پھر کمیٹی کے سامنے رکھوں گا۔ اِس بار آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ بھی ہو رہا ہے۔ مجلسِ عاملہ کی پچھلی نشست میں جو جولائی میں ہوئی تھی، باپو نے جنگ اور جنگی تربیت سے متعلق اپنے افکار مختصر طور پر ہمارے سامنے بیان کئے تھے۔ یہ جو کچھ ہوا عجلت میں ہوا اور نشست کے اخیر حصے میں ہوا۔ یہ تجویز ہوا تھا کہ چند دن صرف اس مسئلے پر بحث اور غور و فکر کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں۔ اِس لئے اِس کے واسطے دو دن مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ۲۰ر کو دہلی میں ہوں۔ یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ

پہلی نشست ۲۲ر کو منعقد ہوگی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ ۲۴ر کو ہوگا۔

آپ نے پچھلے ماہ کی ۲۰ر کو جو خط بوڈاپیسٹ سے یورپ کی سیاسی صورتِ حال کے متعلق لکھا تھا اُس کی نقلیں میں نے مجلسِ عاملہ کے تمام ممبروں کے پاس بھیج دی ہیں۔ چوں کہ ہماری مجلس عاملہ کی نشست اس قدر جلد منعقد ہو رہی ہے اس لئے اس وقت کوئی خاص نشست صرف مرکزی یورپ کی صورتِ حال پر غور و فکر کرنے کے لئے مدعو نہیں کی جا سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جنگ، اسلحہ بندی اور جنگی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جب ہم اپنے عام انداز و روش پر غور کریں گے تب اس مسئلے پر بھی بحث ہو جائے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی اسمبلی بھرتی کے خلاف بل پاس کر چکی ہے جس میں بھرتی کے خلاف پروپاگنڈا کرنا جُرم قرار دے دیا گیا ہے۔ مسلم لیگ نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اس لئے اب جنگ اور اُس سے متعلق دوسرے مسائل کے بارے میں ہماری روش کے سوال پر دوسری نشست میں پورے طور پر غور و فکر کیا جائے گا۔ میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس موقع پر آپ بھی یہاں ہوتے۔ اس خواہش کا اظہار واردھا میں بعض دوسرے رفقاء نے بھی کیا۔ ولبھ بھائی نے کہا کہ اگر آپ دہلی کی نشستوں کے لئے بروقت ہوائی جہاز سے آجاتے تو خوب ہوتا۔ وہاں یہ عام طور سے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ ایک ایسا وقت ہے کہ آپ ہندوستان کی سیاست میں ہماری مدد کرتے۔

بوداپیسٹ سے ماہِ رواں کی پہلی کو جو خط آپ نے لکھا تھا اُس کی نقل میں نے باپو کو بھیج دی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ خط اُن مخفی اور پُراسرار خطوط کے متعلق تھا جو باپو وہاں کے دوستوں کو وفاق کے متعلق لکھتے رہے ہیں۔ واردھا میں میں نے باپو کے نام آگا تھا ہیرسن کا خط پڑھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ اُن کو اس بات کا افسوس ہے کہ بھولا بھائی کے زاویۂ نظر کو غلط سمجھا جا رہا ہے اور اُس کی غلط تعبیر کی جا رہی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ انھوں نے لندن میں کوئی بات ایسی نہیں کی جو ہمارے اُس زاویۂ نظر سے مطابقت نہ رکھتی ہو جو ہماری قرارداد میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جیسی بھی ہے میں آپ کو یہ مختصر سی معلومات بھیج رہا ہوں۔

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے پچھلی بار انگلستان میں آپ جن لوگوں اور جن جماعتوں سے ملے اور جو اندازِ روش آپ نے ان ملاقاتوں میں اپنی رکھی باپو اُس سے نہایت مطمئن ہیں۔ کوئی تفصیلی رائے تو ظاہر نہیں کی گئی مگر عام طور پر آپ کے اندازِ روش کو بڑی گرم جوشی کے ساتھ پسند کیا گیا۔ دوسرے کسی شخص نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ خود اپنا تاثر میں آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں میرا خیال ہے کہ وفاق، نمائندہ اسمبلی اور آزادی سے متعلق آپ نے جو اپنی روش رکھی اُس کو ہر شخص قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میری اپنی رائے یہ ہے کہ مزدور پارٹی نے جس اسکیم کا خاکہ تیار کیا ہے وہ اس وقت کوئی عملی قیمت نہیں رکھتی۔ آگے چل کر یہ اسکیم کیا قیمت رکھے گی اس کا انحصار انگلستان کی سیاسی پارٹیوں کی سیاست پر ہے، مگر اِن پارٹیوں کی سیاست کا، نیز ہر چیز کا، انحصار اخیر میں عالمی صورتِ حال پر ہوگا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ عالمی صورتِ حال کے اور خراب ہو جانے پر انگلستان ہمیں کچھ زیادہ دینے پر آمادہ ہو جائے مگر اس کی عام سیاست قدامت پرستانہ ہی رہ سکتی ہے۔ بیرونی خطرہ گھریلو اُصولی اور بنیادی سیاست پر اکثر بُرا اثر ڈالا کرتا ہے۔ مزدور پارٹی کی یادداشت اگر شائع ہو گئی تو اُس کی اشتہاری قیمت بہت بڑی ہوگی۔ اس یادداشت سے کم از کم اتنا عیاں ہو جائے گا کہ کچھ جماعتیں ایسی بھی ہیں، خواہ اس وقت وہ کتنی ہی چھوٹی ہوں، جو اِس خیال میں ہماری ہم نوا ہیں کہ اب ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان یا تو صرف دوستانہ تعلقات باقی رہ سکتے ہیں یا کوئی تجارتی معاہدہ۔ انگلستان کے لوگ آزادیِ ہند کے تصوّر سے مانوس ہو جائیں گے۔

آپ کے خطوط جن ہدایتوں پر مشتمل تھے جہاں تک اُن کا تعلق دفتر سے تھا اُن کی تعمیل کر دی گئی۔ لوہیا اپنا عہدہ سنبھالے ہوئے ہیں اور اپنے روزمرہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ میں نے اُن سے کہہ دیا ہے کہ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے وہ اپنے عہدے سے سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ احمد اس مہینے کے شروع ہی میں ہم سے الگ ہو گئے۔ مگر انھوں نے یہیں

سکونت اختیار کر لی ہے۔ اشرف اپنے معمول انجام دے رہے ہیں۔

میں نے آپ کی یہ تجویز کہ چین کو جو طبّی مشن بھیجا جا رہا ہے اس کے ساتھ کوئی سیاست داں بھی کر دیا جائے، واردھا میں اپنے رفقائے کار کے سامنے رکھ دی۔ اِس سلسلے میں آپ کا خط مجھے اُس وقت ملا جب مشن روانہ ہو چکا تھا اس لئے اِن لوگوں نے کہا کہ اس مسئلے پر بھی آئندہ نشست میں غور کیا جائے گا۔

یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وجے لکشمی نے آپ کو اُس سے مطلع کر دیا ہوگا۔ ہمیں یہ سُن کر مسرّت ہوئی کہ اندرا اب بالکل اچھی ہے اور اپنی طبعی صحت سے بہرہ اندوز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وجے لکشمی بھی اس تبدیل آب وہوا کے اثر سے اب بہتر ہوں گی۔ الٰہ آباد میں بھارتی سے معلوم ہوا کہ آپ بھی بالکل چاق وچوبند نہیں تھے۔ آپ تھوڑا سا آرام کیوں نہ کرلیں؟ ہر شخص پوچھ رہا ہے کہ آپ ہندوستان کب تک واپس آئیں گے۔ آپ کوئی اندازہ بتاتے نہیں۔ کچھ تو بتایئے!

سوچیتا اور میری طرف سے آپ سب کے لئے پیامِ محبت۔

آپ کا پُر از محبّت

جیوت

۲۳۰۔ از کرسٹائن ایچ اسٹرجن

کیرن گارم، کری، ہڈونگٹن

۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز ڈاکٹر نہرو

میں آپ کے گراں قدر مکتوب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جو گزشتہ ہفتے کے ہفت روزہ مانچسٹر گارجین میں شایع ہوا تھا۔

اس مکتوب میں آپ نے بڑے وقار اور بڑی صفائی کے ساتھ بالکل وہی باتیں کہی ہیں جو اِن مصیبت بھرے دنوں میں ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں ہیں اور مجھے امید ہے کہ میرے اِس خط جیسے اور خطوط بھی آپ کو

ملیں گے جن کے لکھنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میری طرح ہماری اس موجودہ حکومت کے اخلاقی افلاس سے اذیت اور صدمہ پہنچا ہے اور جن کی آنکھوں سے خوش فہمیوں کے پردے ہٹ گئے ہیں۔

ہم لوگ کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مگر میرا یقین ہے کہ ملک میں ہم اکثریت رکھتے ہیں ــ سیدھے سادے، امن دوست اور بنیادی طور پر شستہ اور شایستہ انسان ہیں جو کوئی ایسی تنظیم اپنے اندر نہیں رکھتے جو حکومت کو ہماری آوازیں سُننے پر مجبور کر دے۔ کبھی نہ کبھی شاید ہمارے اندر اجتماعی طور پر کوئی ایسی عمیق و شدید حرکت پیدا ہو جائے گی کہ ہماری خواہش اور مرضی کا احترام کیا جائے گا۔

ہمارا راستہ طویل اور دُشوار گزار ہے ــــ تعلیم، روشن خیالی، اور تنظیم ــــ اس سے پیشتر کہ وہ جو اس وقت صرف ایک مدھم مدھم سی گنگناتی لہر ہے بڑھ کر جوار بھاٹے کی ایک ایسی گرجتی ہوئی لہر بن جائے جو راہِ ترقی کے تمام باندھوں کو بہالے جائے، ہمیں اِس طویل و دُشوار گزار راہ سے گزرنا پڑے گا۔ مگر میں آپ کو مطلع کر دینا چاہتی ہوں کہ ہم میں بہت سے لوگ فکر و جذبے میں آپ کے ساتھ ہیں اور ہر اُس خط کے ساتھ، جو آپ کے مانچسٹر گارجین میں شایع شدہ مکتوب کے جواب میں آپ کو ملے، آپ باور کریں کہ سینکڑوں ہزاروں ایسے انجانے بے زبان اشخاص ہیں جو اگرچہ لکھتے نہیں ہیں مگر آپ نے فکر و نظر میں اُن کو مدد دی ہے۔

آپ کا مکرر شکریہ۔ خدا کرے کہ آپ کی کوشش اور کام ایک آزاد ہندوستان اور ایک جمہوری دُنیا کے لئے پھلے پھولے اور برگ و بار لائے۔

آپ کی بہت ہی مخلص
کرسٹائن ایچ ایٹرجن

۲۳۱۔ از ٹی۔ مالیکی

۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۸ء

میرے پیارے نہرو

مجھے یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ اب آپ سویٹ یونین نہیں جا سکتے،

اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ اِس سیاحت کا کس ذوق و شوق سے انتظار کر رہے تھے۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ آپ پھر کبھی اس سیاحت کے لئے وقت نکالیں گے جسے آپ اس وقت ملتوی کر دینے پر مجبور ہیں۔

جنیوا میں آپ سے مل کر مجھے بڑی مسرّت ہوئی تھی۔ اور میں اِس ملاقات کی خوش گوار ترین یاد سے اپنے دل کو ہمیشہ معمور رکھوں گا۔

کیا میں اِس مخلصانہ امید کا اظہار کر سکتا ہوں کہ اب آپ کی صاحبزادی اور آپ کی بہن دونوں اگر بالکل شفایاب نہ ہو چکی ہوں گی تو بہت بہتر ضرور ہوں گی۔

مجھ پر یقین کیجئے

آپ کا مخلص
ٹی۔ مالیسکی

۲۳۲۔ از مصطفیٰ النحاس

ہیلیو پولیس
۱۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر لعل نہرو

مجھے آپ کے دونوں خط مل گئے۔ میں آپ کی اُس ہمدردی کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جو آپ نے میرے اور مکرم پاشا کے ساتھ اُس قابلِ نفرین قاتلانہ حملے کے موقع پر ظاہر فرمائی جو ایک پہلے سے سوچی سمجھی اور پولیس کے کارندوں کی ترتیب دی ہوئی اسکیم کے مطابق کمیں گاہوں سے نکل کر اُس وقت ہم دونوں پر کیا گیا جب کہ مصر کی پبلک ہمارے قاہرہ واپس آنے پر ہمارا ایک پُرتپاک خیر مقدم کر رہی تھی۔

اُن دھکوں اور سنگین چوٹوں کے باوجود جو ہمیں پہنچیں اور جن سے اب تک پورے طور پر ہم شفایاب نہیں ہو سکے ہیں، خدا نے ہماری جانیں بچالیں۔

مکرم پاشا کو اپنی پیشانی پر ایک بڑا آپریشن کرانا پڑا خوش قسمتی سے

کوئی ہڈی کہیں سے نہیں چٹخی ہے، نہ میری اور نہ مکرم پاشا کی۔

لوگوں کے اندر بڑا جوش و اضطراب پھیلا ہوا ہے۔

ہمارے کچھ رفقائے کار مسرت کے ساتھ آپ کی بہن کو خوش آمدید کہیں گے جب وہ اسکندریہ میں اتریں گی اور اُن کو اس کا موقع ملے گا کہ وہ اُن کے ساتھ رہیں اور اُن کی راحت و آسائش کی چیزیں اُن کو مہیا کر دیں۔

اور جہاں تک آپ کا اور آپ کی صاحبزادی کا تعلق ہے، ہمارے رفقائے کار کا ایک وفد آپ کو اسکندریہ میں خوش آمدید کہے گا اور تب ہمیں ایک پورا ہفتہ قاہرہ اور مصر میں آپ کے ساتھ گزارنے کا موقع ملے گا۔

شہنشاہیت پرستی کے متعلق آپ جو رائیں رکھتے ہیں ہم اُن سے کُلّیتہً متفق ہیں۔ اسی طرح فلسطین کی ایک حد تک سرکاری کانفرنس سے متعلق بھی ہمیں آپ کی رایوں سے کلّی اتفاق ہے۔

آپ کا مخلص

ایم۔ نحاس

بہ نظر احتیاط و پیش بندی میں اس خط کی ایک نقل لندن بھی بھیجے دے رہا ہوں۔

۲۲۳۔ از سبھاش چندر بوس

ٹرین میں

۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز جواہر

تم سوچ رہے ہوگے کہ میں بھی عجیب قسم کا جانور ہوں کہ تمھارے کسی خط کا جواب نہیں دیتا۔ بہر حال تمھارے تمام خطوط مجھے مل گئے۔ مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے نام جو خطوط تم نے لکھے اُن کو سب ہی نے پڑھا۔ یہاں کی نئی باتوں سے تم کو کرپلانی اور دوسرے دوستوں نے آگاہ رکھا ہے۔ جنگ کے بحران کے زمانے میں جو بیانات تم نے دیے وہ بروقت تھے اور ہمارے لئے مددگار ثابت ہوئے۔

تم تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ میں نے اِن چند مہینوں میں تمھاری غیر موجودگی کس قدر محسوس کی ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ تم تبدیل آب و ہوا کے بُری طرح محتاج تھے۔ مجھ کو افسوس صرف اِس بات کا ہے کہ تم نے اپنے آپ کو کافی جسمانی آرام نہیں دیا۔ مجموعی طور پر تم یہاں ایک عمدہ پریس ہتیار رکھتے تھے ــــ رائٹر کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ یورپ میں لوگ عام طور پر تمھاری نقل و حرکت اور تمھاری سرگرمیوں سے باخبر رکھے جاتے تھے وہاں کے لوگ تمھاری تقریروں کا گہری دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مجھ کو بڑی مسرّت ہے کہ تم اپنے قیامِ یورپ کے دوران میں اس قدر اہم اور قیمتی کام انجام دے پائے ــــ اگرچہ یہاں ہم نے تمھاری غیر موجودگی بہت بُری طرح محسوس کی۔

کئی مسئلے ایسے ہیں جو اُسی وقت حل ہوں گے۔ جب تم واپس آجاؤ گے۔ ایک مسئلہ ہندو مسلم مسئلہ ہے۔ مسٹر جناح غیر معقول بھی ہیں اور کٹّر بھی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں بھی داہنے بازو والوں اور بائیں بازو والوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بائیں بازو والے ایک بار کمیٹی کی نشست سے اُٹھ کر چلے گئے جس کا مہاتما جی کو دِلی رنج ہوا۔ ان مسائل کے سوا بین الاقوامی مسئلہ بھی ہے۔

مجھے امید ہے کہ تم منصوبہ بندی کمیٹی کی صدارت قبول کر لو گے۔ اگر اس کمیٹی کی کامیابی منظور ہے تو تمھیں اس کی صدارت قبول کرنی ہی پڑے گی۔

محبت

تمھارا پُر از محبت

سُبھاش

م۔ ت: میں کل بمبئی سے کلکتہ پہنچ رہا ہوں۔

۲۲۴۔ از ایڈورڈ تھامپسن

بورس ہِل، آکسفورڈ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

پیارے جواہر لعل

مجھے افسوس ہے۔

میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بایں ہمہ میں ایک معتدل قسم کا قدامت پسند ہوں - ہر چیز گڈ مڈ اور خلط ملط سی ہو رہی ہے - بائیں بازو والے مسئلۂ فلسطین پر دیانت داری سے کام نہیں لے رہے ہیں - مانچسٹر گارجین نے ہمیشہ نہایت ہی بے اصولے پن کا مظاہرہ کیا - صہیونی جریدہ افتتاحیہ پر افتتاحیہ چھاپ رہا ہے اور یہ ثابت کر رہا ہے کہ عربوں میں بے چینی صرف اطالوی پروپگنڈے سے پھیلتی ہے اور اپنے صفحات میں بڑی جگہ اُن امریکیوں کے خطوط کے لئے وقف رکھا کرتا ہے جو قوم پرستوں کے خلاف سخت تر اقدامات پر زور دیا کرتے ہیں - اِن لوگوں نے میرا وہ خط واپس کر دیا جو میں نے ان کو اشاعت کے لیے بھیجا تھا اور اُس کے چھاپنے سے انکار کر دیا - بنیادی طور پر یہ وہی خط ہے جسے امید ہے کہ نیو اسٹیٹسمین نے آج شایع کر دیا ہوگا - نیوز کرانیکل نے اگرچہ اتنی تمیز داری برتی ہے کہ قطعی انکار کے ساتھ خط واپس نہیں کیا ہے مگر وہ کوئی خط چھاپے گا نہیں - دونوں خط اُس دہشت ناک واقعے کے بیان پر مشتمل ہیں جس کے لئے میں نے ٹائم اینڈ ٹائڈ کو کسی طرح راضی کر لیا ہے کہ آج کے شمارے میں چھاپ دینے دے - (اِن لوگوں نے اِس بیان کو میرے مقالے سے نکال دیا تھا) نیوز کرانیکل اور ڈیلی ٹیلیگراف دونوں نے ایک ہی تصویر چھاپی ہے مگر اوّل الذکر نے اِس تصویر پر یہ عنوان دیا ہے: "عرب ڈاکو یا لُٹیرے لائے جا رہے ہیں"؛ مؤخر الذکر نے اِن کو "عرب قیدی" قرار دیا ہے ٹیلیگراف نے میرا ایک خط ضرور چھاپ دیا مگر وہ واقعہ اس نے بھی اڑا دیا - میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی ایسا زمانہ انگلستان میں نہیں دیکھا تھا جب کسی ایسے معاملے کا جسے عام طور پر لوگ پسند نہ کرتے ہوں عوام کے کانوں تک پہنچا دینا اس حد تک ناممکن ہو گیا ہو - یہودی یہاں کے پریس پر ایسا کامل تسلط رکھتے ہیں کہ اگر میں نے اپنی آنکھوں نہ دیکھ لیا ہوتا تو کبھی باور ہی نہیں کر سکتا تھا - ایک طرف یہودی اور امریکی حضرات ہیں اور دوسری طرف مزدور پریس، اور لبرل پریس ہے، یہ سب مل کر بڑی بے رحمی کے ساتھ ہر اُس کوشش کو کُچل کر رکھ دیا کرتے ہیں جو اِس غرض سے کی جاتی ہے کہ دنیا عربوں کی فریاد

بھی سُن لے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ٹائمز اینڈ ٹائڈ کا وہ نوٹ جو اُس نے "فلسطین پر کچھ ملاحظات" کے زیرِ عنوان آج شایع کیا ہے ایک نفرت انگیز سی چیز ہے۔ آیا کہ نیو اسٹیٹس مین نے میرا خط چھاپ دینے کی واقعی جُرأت کی ہے؟ اس امر میں مجھے بڑا شبہ ہے۔

یہ بات مجھ ہی آپ تک رہے، میں نہیں سمجھتا کہ لِنڈؔسے کامیاب ہوں گے دونوں بیٹھ جانے والے امیدواروں نے تمیز داری سے کام نہیں لیا۔ مزدور پارٹی کے آدمی کو دیکھ کر یہ اثر ہوتا ہے جیسے اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا، وہ اب اُسی پلیٹ فارم پر لبرل کی صورت میں نہ آئے گا اور میں سُن رہا ہوں کہ اُس نے ڈیلی ہیرالڈ کو ایک خط "بدعہدی اور خیانت" کی نسبت لکھا جس کو اس بدبخت پرچے نے لِنڈؔسے کے خلاف استعمال کیا۔ لبرل امیدوار اپنی جانب کی اِس شرافت پر کہ اُس نے اپنا اُمیدوار میدان سے ہٹا لیا احمقانہ بکواس کرتا رہتا ہے، اور لبرلوں کی ایک خاصی بڑی تعداد ووٹ کر علانیہ طور پر ہاگؔ سے جا ملی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مقرّرین سے اچھا سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ میرا اپنا معاملہ لیجئے۔ میں نے اپنے آپ کو کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت تقریر کرنے کے لئے پیش کیا، خصوصاً لبرلوں اور عورتوں کے سامنے، اِس لئے کہ میں خود ایک لبرل ہوں (جہاں تک میرا کسی پارٹی سے منسلک ہونے کا تعلق ہے)، میں اُس چاشت میں موجود تھا جو اب خاصا بدنام ہو چکا ہے جب لِنڈؔ برگ نے ہماری گورنمنٹ کو اوّل اوّل خوف زدہ کر دیا تھا، (بعد کو وہ لائڈ جارج اور کابینہ تک گیا)، اور اس وسیلہ اور دوسرے وسائل سے حال کے حوادث کے اندرونی قصّے سے متعلق میں بڑی خاصی معلومات رکھتا ہوں میں ڈانواں ڈول لوگوں کو متاثر کر سکتا ہوں، مجھے اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ میں متاثر کر سکتا تھا۔ اور جب میں غصّے میں ہوتا ہوں، جس قدر غصّے میں میں آج کل ہوں اتنا غصّہ زندگی میں مجھے کبھی نہیں آیا تھا، اُس وقت میں ایک اچھا مقرّر ہوا کرتا ہوں۔ مگر یہ لوگ پارٹی کے صرف کُہنہ مشق مقرّرین سے کام لینے پر اس انتخاب میں اڑے رہے جس میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار غیر جانب دار

رائے دہندوں پر ہوگا! ان لوگوں نے مجھ سے چندے کے سوا کچھ نہیں لیا، یہ لوگ مجھے کسی کمرے میں بھی تقریر کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اب دو سابق اُمیدوار، جن کی تقریریں آکسفورڈ میں لوگوں کو زبانی یاد ہو چکی ہیں، اور پارٹی کے معاملات کا تجربہ رکھنے والے چند دوسرے لوگ ہمارے حلقے میں آ گئے۔

میں ایک ایسا شخص ہوں جو جلسوں میں اُس وقت تک تقریر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو تقریر کرنے پر مجبور نہیں پاتا۔ مگر اس دفعہ میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ اندر گھس پڑنا چاہتا تھا اور لنڈبرگ کی کہی ہوئی دو ایک باتیں کہہ ڈالنی چاہتا تھا جن کو دانستہ اور عمداً دبا دیا گیا ہے اور ایسی ہی کچھ اور باتیں بھی۔ جس قسم کا حملہ اِن سخت گیر بڑے آدمیوں کی طرف سے لنڈسے پر اب ہوا میں نے اُس کو پہلے ہی سمجھ لیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ اِس حملے کا جواب پیشگی ہی دے دوں۔

جلیان والا باغ پر اُن دو ناقابلِ درگزر مباحثوں کے بعد جو یہاں ہوئے میرا احساس بھی وہی تھا جو ٹیگور کا تھا۔ دنیا میری نسبت تمام تر غلط فہمیوں کا شکار ہے اور میں اب مایوس ہوں۔ لیکن اگر عربوں نے لندن میں کسی جلسے کا انتظام کیا اور اُن کو کسی مقرر کی ضرورت ہوئی تو میں اُس میں تقریر کروں گا۔ ہمارے اخباروں نے جو کچھ بھی مجھے کرنے کا موقع دیا میں نے کیا۔ مگر جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں خود ہمارے اپنے گروہ کے پرچے، جن میں ایم۔ جی بدترین قسم کا پرچہ ہے (یہ پرچہ درحقیقت ہمیشہ ہی سے ایک ذلیل اور تنگ نظر پرچہ ہے)، تمام تر بے اصولے ہیں۔

اب کچھ دل خوش کن باتیں ہو جائیں۔ ڈرم کی تنقیدیں کورڈا کی روح میں دُور تک اُتر گئیں۔ گزشتہ شنبہ کو انھوں نے مجھے ٹیلیفون کیا اور مجھ سے کہا کہ میں جا کر ڈِنہام سے ملوں۔ وہ سابو کے لیے بڑی بے قراری کے ساتھ ایک افسانے کے خواہش مند ہیں اور جلد چاہتے ہیں۔ سابو ہاتھیوں اور گھوڑوں کے ساتھ کام کرنے میں ضرور مہارت رکھتا ہے مگر اور کوئی خوبی

اپنے اندر نہیں رکھتا۔ مگر کوردڈا اُسے ایک خاصے جاں باز اور خطروں میں کود پڑنے والے میلے کچیلے پھیچڑ کی شکل میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ ہندوستانی زندگی کی ایک سچی تصویر پیش کرنی چاہتے ہیں جس میں اداکار ہندوستانی ہوں۔ اخیر میں انھوں نے کہا کہ "میں ہندوستان کے لیے کچھ پروپگنڈا کرنا چاہتا ہوں، اور ایک ایسی تصویر تیار کرنی چاہتا ہوں جو ہندوستان کی خوب صورتی کی آئینہ دار ہو اور ایسے ہندوستانی پیش کرنا چاہتا ہوں جو نہ دغاباز قاتل ہیں اور نہ غدّار ہیں بلکہ ایسے مرد اور عورتیں ہیں جو آپ کی محبّت اور احترام دونوں کے حق دار ہیں"۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ تصویر ساری دُنیا میں دکھائی جائے گی۔ ہمارے مخالفین پروپگنڈے کے تمام ذرائع پر قابض ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان مخالفین کو جواب دوں۔ میں ایک ایسی فلم تیار کروں گا جو ایسی بستیاں دکھائے گی جن میں ہندوستانی مزدور بود و باش رکھتے ہیں اور جو کارخانوں کے حالات کی عکاسی کرے گی۔ اب آپ بتائیں کہ کیا آپ اور نانّن اس مسئلے پر غور کریں گے؟ میں ایسے حالات کلکتے میں پاسکتا ہوں، متعفّن اور بدبو نالے اور دَلدَل، جہاں فاقہ زدہ مرد اور عورتیں رہا کرتی ہیں — مگر آپ کے پریاگ سنگم، شاہانہ شان کی گنگا اور جمنا کی فلمیں اگر لی جائیں اور ہندوستان کا افلاس اور اُس کی ناقابلِ فراموش خوب صورتی ساری دُنیا کو دکھائی جائے تو آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تصویریں کہاں لی جائیں — کلکتّے میں یا گوالیار میں (مناظر کے حسن کے لیے) یا الٰہ آباد میں یا کانپور میں؟

میرے ذہن و دماغ کی اُس زمانے کی خستگی و ماندگی کی عکاسی جب میں ہندوستان میں تھا، میرا یہ آخری ناول کرتا ہے۔ ایک بہت ہی خستہ و ماندہ کتاب مؤلف کے قلم سے۔ یہ ناول بہ مشکل ایک افسانہ ہونے کا دعوےٰ کرسکتا ہے۔ ہمارے کٹّر قسم کے سیاسی لیڈروں سے لے کر جو اس ناول کے ابتدائی صفحات سے چڑھ کر زندہ ہی میری کھال کھینچ لینی چاہیں گے — ہندوستان کے قوم پروروں تک جو مجھے اوروں کی طرف سے سنگ سار کردینا چاہیں گے، یہ ناول کسی کو خوش نہیں کرسکتا۔ یہ کوئی اچھی کتاب نہیں ہے،

لیکن اب میں قریب قریب ختم بھی ہو چکا ہوں۔

خوش بختی آپ کی اور آپ کی صاحبزادی کی ہم عناں رہے۔

ہمیشہ آپ کا

ایڈورڈ

تکملہ: ایچ - این - بریلسفورڈ محض پاجی ثابت ہوئے۔ گزشتہ اتوار کے رینالڈ میں وہ اِس بات پر زور دینے پر اُتر آئے ہیں کہ چیکوسلاویکیا سے پناہ گزینوں کو فلسطین میں بسا دیا جائے!!! ٹائمز اینڈ ٹائڈ میں میں نے اُن سے جو سیدھا سا سوال کیا تھا اُس کا جواب دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ٹائم اینڈ ٹائڈ نے بھی میرا مسئلۂ فلسطین کو ہاتھ میں لے لینا پسند نہیں کیا۔ مگر اُن کو اپنے "ملاحظات برسرِ راہ" کی شرطوں کے مطابق میرا خط چھاپنا پڑا۔ گارڈ کی تالیف "سواستیکا کا سایہ" آپ نے ملاحظہ فرمائی؟

۲۳۵۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

شانتی نکیتن، بنگال

۱۹ ر نومبر ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

میں نے ابھی ابھی اخباروں میں تمھارے وطن واپس آنے کی خبر پڑھی۔ تمام اہلِ وطن نے تم کو جو خوش آمدید کہی ہیں بھی بہ عجلت اُس میں شریک ہوتا ہوں۔

میں تم سے ملنے کے لئے بہت بے قرار ہوں۔ اگر تم اپنے پروگرام میں شانتی نکیتن آنے کے لئے بھی وقت رکھو تو مجھے مسرت ہوگی۔

کچھ دن ہوئے ہندوستان کی صنعتوں کی سائنٹیفک منصوبہ بندی پر ڈاکٹر میگھناد ساہا سے میری ایک طویل اور دلچسپ گفتگو ہوئی۔ میں اس قسم کی منصوبہ بندی کی اہمیت پر کوئی شک و شبہہ نہیں رکھتا اور اب جب کہ تم نے اُس کمیٹی کی صدارت قبول کرلی ہے جو سبھاش نے کانگریس کی رہبری کے لئے مقرر کی ہے تو اس مسئلے پر میں تمھارے آراء و افکار

جاننا پسند کروں گا۔

اندرا کو میری دعائیں اور میرا پیامِ محبت پہنچا دینا۔

تمہارا پُر از محبت

رابندر ناتھ ٹیگور

۲۳۶۔ از جے پرکاش نارائن

کالی کٹ

۲۳ نومبر ۱۹۳۸ء

پیارے بھائی

آپ کی واپسیِ وطن پر قوم نے آپ کو جو خوش آمدید کہی ہے اُس پر میں اپنی خوش آمدید کا بھی اضافہ بلا تاخیر کر رہا ہوں۔ کاش میرے لئے الٰہ آباد کے لئے روانہ ہو جانا ممکن ہوتا کہ وہاں میں آپ سے ملاقات بھی کرتا اور آپ سے اُن المناک حوادث سے متعلق جن کا آپ نے یورپ میں مشاہدہ کیا ہے اور اُن واقعات کی نسبت جو آپ کے جانے کے بعد یہاں وقوع پذیر ہوئے باتیں بھی کرتا۔ اگر آپ فوراً ہی کسی طوفانی پروگرام میں اُلجھ نہ گئے تو ممکن ہے چند ہفتوں میں میں اپنی یہ آرزو پوری کر پاؤں۔ میں یہاں مالا بار میں پڑا ہوا وقت کاٹ رہا ہوں اور اپنے عرق النساء کا ایک خاص آیور ویدک علاج کرا رہا ہوں۔ میں نے ترقی ضرور کی ہے مگر شفایاب نہیں ہوا ہوں۔ پربھاوتی میرے ساتھ ہے۔ اخبارات میں یہ پڑھ کر ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ یورپ کی اس سیاحت نے آپ کی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔

مجھے امید ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے حوادث میں گھرے رہنے کے باوجود سوشلسٹ بک کلب والا وہ چھوٹا سا معاملہ جس کی نسبت میں نے آپ کو لکھا تھا، آپ نہ بھولے ہوں گے۔ ہم اپنی اسکیم میں کسی قدر ترقی کر پائے ہیں اور سوبھاش بابو کی مدد سے کلکتہ میں ہم نے اپنی اسکیم کے لئے تین ہزار روپئے بھی فراہم کر لئے ہیں۔ کلب کا دفتر الٰہ آباد میں ہے اور چارج مینیجنگ ڈائرکٹر کی حیثیت سے احمد کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کلب کا

کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو خط آپ نے یورپ سے لکھا تھا اُس میں آپ نے ایک بُنیادی ممبر کی حیثیت سے اِس کلب میں شریک ہو جانے سے اُس وقت تک کے لئے اپنی مجبوری ظاہر کی تھی جب تک کہ آپ کو اس کی نسبت زیادہ معلومات حاصل کرنے کا موقع نہ مل جائے۔ آپ نے کسی جتھے یا گروہ سے اپنے آپ کو پورے طور پر متحد و مربوط کر دینے سے بھی اپنی نارضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں یہ کلب نہ کسی جتھے بندی سے کوئی تعلق رکھتا ہے اور نہ سوشلسٹ ادب کے سوا اور کسی چیز سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ جہاں تک دوسری چیز کا تعلق ہے، اگر آپ کے پاس وقت ہو گا تو احمد ہماری اسکیم سے متعلق باتیں کر لیں گے۔ مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر آپ کوئی تجویز پیش فرمائیں گے تو ہمیں اُس کے قبول کر لینے میں بے حد مسرّت ہو گی۔ سوبھاش بابو پہلے ہی کلب کے بُنیادی ممبر ہو چکے ہیں۔ آپ کا اِس کلب میں شرکت سے انکار کرنا ہمارے لئے ایک بڑے صدمے کا موجب ہو گا۔ میں مانتا ہوں کہ یہ کلب ایک چھوٹے پیمانے پر کام کرے گا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی اشتراکی تحریک سے ایسے نتائج کی توقع کرنا جو اُس کے وسائل و ذرائع سے باہر ہیں کوئی معقول بات نہ ہو گی۔ اگر آپ مجھے معاف فرمادیں تو میں آپ سے اتنا عرض کروں کہ ہم نے مانا کہ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اُسے فطری طور پر بہت بڑے پیمانے پر کرنے کے عادی ہیں تاہم ہندوستان میں اشتراکیوں کی کوششوں سے محض اس لئے آپ کا تعاون نہ کرنا کہ یہ بے چارے دوسری قدیم تر اور وسیع تر تنظیموں کے مقابلے میں حقیر اور ناتواں ہیں آپ کی شان کے شایاں نہ ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم آپ سے اتنی توقع رکھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ پورے طور پر اپنے آپ کو متحد نہ بھی کر لیں تب بھی ایک اشتراکی ہونے کی حیثیت سے کم از کم آپ ہماری اتنی مدد کریں کہ ہم جو تھوڑا بہت کام اپنے ذمے لیں اُسے ہم بخوبی انجام دے سکیں۔

اپنے خط میں آپ نے فرمایا تھا کہ ہندوستان کی سیاست ایک پرانی

لکیر کی فقیر ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں یہ لوگ اور زیادہ اس لکیر کے فقیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سیاست کے اسٹیج کے شور و غل (اصل میں یوں ہی ہے) سے دور، آہستہ آہستہ ایسی باتیں ظہور پذیر ہو رہی ہیں جو کانگریس کو ہندوستان کے کروڑوں روندے اور کچلے ہوئے لوگوں کی ایک جمہوری تنظیم کے مقام سے ہٹا کر ہندوستان کے مستقل مفادات کی ایک خادمہ بنائے دے رہی ہیں۔ گاندھیائی طرزِ فکر یا فلسفے میں اوچھا پن اور عامیانہ رنگ پیدا کر دینا اس تغیر اور تبدیلی کو آسان بنائے دے رہا ہے اور اس نئی کانگریس کو بازاری قسم کی فتنہ انگیز لیڈری کے ضروری اسلحہ سے مسلح کر رہا ہے۔ میرے نزدیک اس امر کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ کانگریس کی پالیسی کے رجحان کی غور سے جانچ کی جائے، خصوصاً کانگریسی صوبوں میں، اور کانگریس کے معاشرتی اقتصادی مقصد کو از سرِ نو واضح کر دیا جائے۔ کانگریسی حکومتوں نے جو روش اس مزدور تحریک سے متعلق اختیار کر رکھی ہے جس کی نمائندگی ٹریڈ یونین کانگریس کرتی ہے اس سے اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو یہ نہیں چاہتے کہ ان کانگریسی وزارتوں سے یہ کام لیا جائے کہ مزدوروں کی تنظیم کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کارخانہ داروں کے حوالے کر دیں۔ اس وقت ہم اس حقیقی خطرے سے دوچار ہیں کہ ہندوستان کی صنعت کو ہندوستان کی قوم پروری کے مترادف بنا دیا جائے۔ اس کے بعد کانگریسی اداروں کے طرزِ عمل اور روشِ کار کا سوال ہے۔ یہ ادارے بیشتر مردہ و از کار رفتہ ہو چکے ہیں، اور جہاں وہ زندہ ہیں اور کچھ کام کر رہے ہیں وہاں یا تو محض انتخابات لڑنے کی مشین بن کر رہ گئے ہیں اور یا اس طرح کام کر رہے ہیں کہ نہ تو اُن کو اپنے فرائض کا کوئی علم و اندازہ ہے اور نہ اِن فرائض کے انجام دینے کی غرض سے جو تیاریاں اُن کو کرنی ہیں اُن سے وہ آشنا ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اس سوال کا جواب؛ بہ صورتِ الفاظ کم تر اور بہ صورتِ عمل بیشتر، دینا پڑے گا کہ کیا آپ کانگریس کے مقصد کی تکمیل تمام تر اُس کے اِس نام نہاد تعمیری پروگرام پر موقوف و منحصر رکھیں گے۔ جب کسی گاندھیائی فلسفے کے پیرو سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ

کیا کانگریس کو پورے طور پر اپنے فرائض کے لئے تیار کیا جا رہا ہے تو اُس کا واضح اور دیانت دارانہ جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مقصد تک صرف تعمیری پروگرام کی تکمیل کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں۔ آپ کو یہ بات مُلک کو بتا دینی چاہیئے کہ آیا اس تعمیری پروگرام کے علاوہ بھی کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر ہے تو ملک کو دکھا دینا چاہیئے کہ اس کو (اِس شیئ زائد کو) کیوں کر انجام دینا چاہیئے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اشتراکی تحریک نے مزدوروں اور کسانوں کی تنظیم کو اور چیزوں پر مقدّم رکھا ہے جس پر رضا کار نوجوانوں اور طلبہ کی تنظیم کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مزدوروں اور کسانوں کی تنظیمیں کانگریس کے بازوؤں کو مدد دینے کی غرض سے سوچی گئی ہیں نہ کہ اُس کی حریف جماعتوں کے طور پر۔ اس پروگرام سے متعلق آپ نے اپنی حیثیت بے شمار موقعوں پر صاف کر دی ہے۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ کچھ اور آگے بڑھیں اور اس پروگرام کی صورت کی تعیین اور اُس کی ترقی میں ہاتھ بٹائیں۔ آپ کے لئے اِس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ معاشرتی آزادی کی جو یقینی اور زور دار طلب اِس مُلک کے باشندوں کی غالب اکثریت میں، اور میرا خیال ہے کہ کانگریس کے ممبروں میں بھی، پائی جاتی ہے اُس کی شکل متعین کرنے اور اُس کو استحکام دینے کے لیے کیا کرنا ضروری ہے۔ اِس طلب نے اپنے اظہار کا اب تک اُس سے کوئی وسیع تر موقع نہیں پایا ہے جو اس مُلک کی ابتدائی اشتراکی تحریک فراہم کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِس مقصد کے لئے بنیادی کام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام میرے خیال میں آپ ہی انجام دے سکتے ہیں اگر آپ اس کام اور اس مسئلے پر غور و فکر کے لئے تھوڑا سا وقت نکالیں۔

یہاں تک میں نے جو کچھ عرض کیا وہ قومی تحریک کے معاشرتی مقاصد کی ایک تازہ اور جدید توجیہہ اور اُن کو زور دے کر آگے بڑھانے سے متعلق تھا۔ دشمن کے خلاف فوری طور پر زیادہ اہم سوال دوسرے جارحانہ حملے کا سوال (کیا یہ آخری حملہ ہوگا؟) رہ جاتا ہے۔ کیا ہمارے پاس اس حملے کا کوئی واضح تصور ہے؟ اِس حملے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی غرض سے ہم کیا

کر رہے ہیں؟ اِس حملے کا آغاز ہم کب کریں گے؟ کیا ہمیں اُس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک کہ خود برطانوی ہمارے لئے کوئی وقت منتخب نہ کریں جو فطری طور پر اُن کے حق میں زیادہ موزوں ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ ستیہ گرہ کی تیکنیک کسی حملے کے پیشگی نقشے تیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم ایک ہی اور صرف ایک ہی نقشے کا تصور کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ سوت زیادہ کاتو اور اسی قسم کی کچھ اور روح کو وجد میں لانے والی باتیں کرو۔ مگر کیا آپ کو اس سے تشفی ہو جائے گی؟ آپ نے مجلسِ عاملہ میں اتنی سخت لڑائیوں کے بعد کانگریس پروگرام پر جن باتوں کا اضافہ کرایا تھا ــــ مثلاً کانگریس کمیٹیوں کا جمہوری بنانا، عوام سے رابطہ پیدا کرنا، مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنا، اس غلامانہ دستور سے لڑنا ــــ وہ تمام کی تمام طاقِ نسیاں کی زینت بنا دی گئیں۔ بے شک اُمید کی بھی ایک کرن ہے۔ ہندوستانی ریاستوں میں بے داری کا پیدا ہو جانا، اور اس بات کو سن کر دل بڑھتا اور ہمت بلند ہوتی ہے کہ آپ اِس بیداری پر کچھ توجہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے مسائل آپ کی توجہ کے بہت زیادہ محتاج ہیں۔

مجھے توقع ہے کہ میں ۲۲ نومبر کو کالی کٹ سے روانہ ہوں گا اور دسمبر کے پہلے ہفتے میں بہار پہنچوں گا۔

احترامات کے ساتھ

آپ کا پُراز محبت

جے پرکاشں

۲۳۷۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں

۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

تمہارا پرزہ مجھے ملا۔ میں جانتا تھا کہ ایک بار جب تم پر کوئی بوجھ ڈال دیا جائے گا، تو پھر تم اپنے اوقات کے مالک نہ رہو گے۔ جو کچھ بھی مجھے مل جایا کرے گا میری اُس سے تشفی ہو جایا کرے گی

لو یہ خط پڑھو جو گرودیو نے ایک نامہ بر کے ہاتھ بھیجا ہے۔ میں نے اُن کو یہ جواب بھیج دیا ہے کہ اگر وہ بنگال سے بد اطواری مٹانی چاہتے ہیں تو میری رائے میں اُن کو صدارتی کاموں سے آزاد ہو جانے کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گرودیو تمھیں براہ راست خط لکھیں گے یا تم سے باتیں کریں گے۔ تم اپنی رائے لکھ دو۔

مجھے امید ہے کہ اندو پر اس سفر کا کوئی بُرا اثر نہیں پڑا۔

محبت

باپو

۲۳۸۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

شانتی نکیتن، بنگال

۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

میں نے تمھیں ملاقات کے لئے اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تم سے گفتگو کے لئے میرے سامنے کوئی متعین منصوبہ تھا اور نہ اس لئے کہ میں تم سے کوئی درخواست کروں۔ میں بنگال کے بارے میں صرف تمھاری ذاتی رائے معلوم کرنی چاہتا تھا جس کی موجودہ حالت میرے لئے موجب پریشانی بھی ہے اور باعثِ ناامیدی بھی۔ میرا صوبہ ذہین ہے مگر اخلاقی طور پر ناتربیت یافتہ ہے اور اپنے پڑوسیوں سے نخوت و تکبر کے ساتھ پیش آیا کرتا ہے۔ کوئی اُس کے ترنگ میں ذرا سا بھی مخل ہو جائے تو اُس پر سخت مجنونانہ دورے سے پڑنے لگتے ہیں۔ میں اُس کی کمزوری سے واقف ہوں، مگر نہ تو میں اپنے دماغ کو اس سے بے تعلق اور بے غرض رکھ سکتا ہوں اور نہ چُپ چاپ اُس کی مکمّل اور ابدی تباہی قبول کر لے سکتا ہوں۔ مگر میں بالکل تیار ہوں کہ اطمینان کے ساتھ اپنے مخصوص کام سے لگ جاؤں اور اُس کو تمھاری کانگریس کی تنظیم کے لئے چھوڑ دوں وہ جس طرح مناسب جانے اُس سے نپٹے۔ مگر میں خود ایک ایسی شخصی قوت پر ایمان رکھتا ہوں جو اِن پیچوں کو کس دے جو ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور اُن حصوں کو آری سے

کاٹ کر جدا کر دے جو رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ایک دماغ کا مستری، جو ایک انسان کی حیثیت سے اگرچہ کامل نہ ہو مگر ایک مستری کی حیثیت سے ماہر ہو۔ ہر حال میں تم سے باتیں کرنے کا خواہشمند ہوں، اور اس سے زیادہ تمھاری باتیں سننے کا خواہش مند ہوں اگرچہ اس گفت و شنید سے کوئی عملی نتیجہ نہ بھی نکلے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں مگر یہ ملنا اُس وقت کے لئے اُٹھا رکھا جا سکتا ہے جب تم اس کے لئے موقع نکال سکو۔

میں اندرا کی صحت کے لئے بہت فکر مند ہوں۔ مجھے امید ہے کہ سردی کا موسم ہندوستان میں گزارنا اُس کے لئے مفید ہوگا۔

تمھارا پُر از محبت

رابندرناتھ ٹیگور

۲۳۹۔ از انیل کے چندا

شانتی نکیتن، بنگال

۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز پنڈت جی

گورو دیو نے آج آپ کو پھر خط لکھا ہے — کم و بیش اُس خط کے جواب میں جو آپ نے مجھے لکھا تھا۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ اُن کے خط سے آپ کو زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

معقول پسندانہ یا سائنٹیفک منصوبہ بندی کے متعلق ڈاکٹر ساہا کے آزاد افکار نے اُنھیں کسی قدر اپنا گرویدہ سا بنا لیا ہے اور وہ کمیٹی سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ آپ کوئی دوسرا کام ہاتھ میں لیں وہ آپ سے باتیں کر لینی چاہتے تھے، مبادا آپ حوادث کی رَو میں کمیٹی کے کام سے بالکل ہی قطع تعلق کر لیں۔ وہ جو آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں اُس کی خاص وجہ یہی ہے۔

وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ سال آئندہ کے لئے کانگریس کا صدر کوئی "عصری" شخص ہو تاکہ جب رپورٹ تیار ہو جائے تب وہ آل انڈیا کانگریس میں گرم جوشی

کے ساتھ منظور کی جائے اور طاقِ نسیاں کی نذر ہو کر نہ رہ جائے۔ اُن کے خیال میں —— اور ہم سب کے خیال میں بھی —— ہائی کمان کے اندر اس وقت صرف دو حقیقی طور پر "عصری" آدمی ہیں —— آپ اور سبھاش بابو۔ آپ کو منصوبہ بندی کمیٹی کا صدر چُن کر آپ کا علمی تعاون پہلے ہی حاصل کیا جا چکا ہے اور اس لئے اُن کی بڑی خواہش ہے کہ سبھاش بابو اب کے پھر صدرِ کانگریس چُنے جائیں۔ مجھے امید ہے کہ میں افشائے راز کا مرتکب نہیں ہو رہا ہوں —— آپ کو شاید اس بات کا علم پہلے ہی ہو چکا ہے اور اگر نہیں ہو چکا ہے تو آپ یقیناً جلد ہی جان لیں گے۔ مگر انھوں نے حال ہی میں خود گاندھی جی کو اِس کے متعلق لکھا ہے۔ اور اگر اب وہ آپ سے ملے تو اغلب یہ ہے کہ وہ آپ سے سبھاش بابو کو دوبارہ کانگریس کا صدر منتخب کرانے میں مدد کے طالب ہوں گے۔ یہ وجہ نمبر ۲ ہے۔ مگر اِن تمام باتوں سے قطعِ نظر، وہ آپ سے صرف ملاقات کی مسرّتوں اور آپ سے لُطفِ گفتگو کے لئے ملنا چاہتے ہیں۔ اِس لئے کہ وہ آپ کے بڑے دل دادہ ہیں۔

وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ یہاں آنے کے لئے آپ اپنا پروگرام تو ہرگز درہم برہم نہ کریں مگر اپنی اوّلین فرصت میں آئیں۔ آپ کے آنے سے اُن کو خوشی ہو گی مگر آپ اپنے کام اور کانگریس کی ضرورتوں کو ہر چیز پر یقیناً مقدّم رکھیں۔

اندرا کیسی ہے؟ چند روز راحت و آرام کے لئے آپ اُس کو یہاں کیوں نہ بھیج دیں؟ اِس سے زیادہ پُر مسرّت ہمارے لئے اور کوئی بات نہ ہو گی۔

پُر محبّت ترین احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص

انیل

۲۴۰ - از جوان نگرین لاپیز

(۱۹۳۸ء کے موسمِ سرما کے شروع میں میں نے ریپبلکن گورنمنٹ کی دعوت پر بارسیلونا (اسپین) کی ایک مختصر سی سیاحت کی۔ اِس زمانے میں وہاں خانہ جنگی برپا تھی۔ وہاں سے واپس آ کر میں نے اپنی اِس سیاحت سے متعلق مہاتما جی کو

ایک خط لکھا اور انھوں نے میری خواہش پر ریپبلکن گورنمنٹ کے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا جس کو میں نے اُن کے پاس بھیج دیا)

ژوان نگرین لاپز

ال پریسیڈنٹ کون سیو دی منسٹروس
او منسٹرو دی ڈیفنسا ناسیونال
بارسیلونا (اسپین)
۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء

مسٹر جواہر لعل نہرو
آرمانڈ ہاؤس
سینٹ جیمس سٹریٹ
لندن، ایس ڈبلیو ا۔

پیارے مسٹر نہرو

مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں آپ کے ماہِ گزشتہ کی گیارہویں کے خوش آیند خط کا جواب اس سے پہلے نہیں لکھ سکا۔ میں آپ کے اِس خط کا، نیز مہاتما کے خط کا جو آپ نے ملفوف فرمایا ہے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں مہاتما کے اس خط کا جواب ملفوف کرتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ازراہِ کرم یہ جواب اُن کو بھیج دیں گے۔

مجھے یہ سُن کر مسرّت ہوئی کہ آپ نے ہمارے مُلک کی اِس مختصر سی سیاحت کے دَوران ہمارے مُلک سے اتنے اچھے اثرات لئے۔ آپ نے ہماری قوم کے لئے جو سلام و پیامِ محبّت بھیجا ہے اور ہماری کامیابی کی جو آرزوئیں ظاہر فرمائی ہیں میں اُن کا مخلصانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ ہم اپنی بساط سے کس درجہ قوی تر مخالفانہ قوتوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ہمیں نہ صرف جمہوریت کے اعلانیہ دشمنوں سے لڑنا پڑ رہا ہے بلکہ بدقسمتی سے وہ لوگ بھی ہماری راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں جو ہمارے دوست بنتے ہیں۔

آپ کے پُر از محبت ہمدردی اور ہمت افزائی کے کلمات کے پُر خلوص تشکرات کے ساتھ باور کیجیے کہ میں ہوں۔

آپ کا مخلص

جے۔ نگرین

وزیر اعظم

۲۴۱۔ از جُوان نگرین لاپز بنام مہاتما گاندھی

ال پریسیڈنٹ ڈل کانسیو دی منسٹروس

او منسترو دی ڈیفنسا ناسیوناں

بارسیلونا، ۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء

بنام مسٹر مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا، ہندوستان

عزیز دوست

آپ کا پُر از محبت خط مورخہ ۴ ستمبر جو میرے اچھے دوست مسٹر نہرو نے مجھے بھیجا، مجھے بہت دیر میں ملا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا جواب لکھنے کی مسرت میں اس سے پہلے حاصل نہ کر سکا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس تاخیر کو معاف کر دیں گے۔

اپنے عزیز وطن کی آزادی کے لیے جو سخت لڑائی ہم لڑ رہے ہیں اُس کے حق میں ہمدردی اور ہمت افزائی کے جو محبت بھرے کلمات آپ نے ارشاد فرمائے ہیں اُن کا میں تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ بات ہمارے لیے بڑی تشفی بخش ہے کہ آپ کے رُتبے کے لوگ ہمارے ساتھ ہیں اور ہمارے مطالبے کے حق بجانب ہونے کو پورے طور پر سمجھتے ہیں۔ یہ سُن کر بھی مجھے مسرت ہوئی کہ آپ کے ہم وطن اسپین کے حوادث کا ہمدردانہ دل چسپی کے ساتھ مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ میں آپ کی اچھی تمنائیں اور آپ کا پُر از محبت سلام اپنی حکومت، اپنی بلند ہمت فوج کو اور اپنی قوم کو مسرت کے ساتھ پہنچا دوں گا۔

اُن کی جانب سے اور خود اپنے پُر خلوص تشکرات کے ساتھ، عزیز

مہاتما گاندھی، باور کیجیے۔

آپ کا نہایت وفادار

جے نگرہس

۲۴۲۔ از ایڈورڈ تھامپسن

جیسے کہ بور س ہل، آکسفورڈ، سے

۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء

پیارے جواہر لعل

یہ ملفوف خط ایک برطانوی قانون داں نے لکھا تھا، یہ شخص ایک اونچے کردار کا مالک اور شہادت کے اجزائے ترکیبی سے واقف ہے۔ میں نے جو تحقیقات کی اُس سے مجھے تشفی ہو گئی کہ اُس کے اس خط کو ایک واقعہ کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ نہ کوئی لبرل یا مزدور پرچہ اس کو چھاپے گا اور نہ کوئی لبرل یا مزدور ممبر پارلیمنٹ اس کے بارے میں کوئی سوال کرے گا! ہمارے دوستوں میں جو مظلوموں کے سرگرم حامی ہیں وہ سب کے سب صیہونی دوست ہیں اور دوسری جانب کی ہر چیز سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں ایم۔ جی اب صیہونی چیزوں کے سوا کچھ نہیں چھاپا کرتا۔ عرب اس وقت سخت مصیبتوں میں ہیں۔ نازیوں نے اس وقت یہودیوں پر جو قیامت ڈھا رکھی ہے اُس سے کوئی شخص یہودیوں کے خلاف نظر آنا نہیں چاہتا، اور یہودی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ولایات متحدہ کا دباؤ دو چند کرا رہے ہیں۔ د مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ خود روزولٹ نے اپنی ایک تقریر میں اِس بات پر زور دیا ہے کہ فلسطین کے دروازے یہودیوں کے لئے "کھول دیئے جانے چاہئیں"، اور اپنے مطالبات میں اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔

یہاں کا المیہ یہ ہے کہ: یہ حکومت، وہ بری ہی سہی، تاہم وہ فلسطین سے متعلق کوئی معقول و شائستہ اقدام کرنے پر آمادہ ہو جائے اگر اس پر امریکا اور ہمارے بائیں بازو کے لوگوں کا دباؤ نہ پڑے۔

یہ خط جس کی صحت و واقعیت کی نسبت مجھے کوئی شک یا شبہ نہیں ہے

میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ تجویزیں پیش کرنا میرا کام نہیں ہے مگر۔۔ (۱) اِس بار بڑے دن کے موقع پر اگر نیشنل کانگریس قوت کے ساتھ عربوں کی حمایت کا اعلان کردے اور جو بات ہم یہاں کہتے رہے ہیں اُس کا صاف صاف اظہار کردے کہ فلسطین میں اِس "جوابی دہشت انگیزی اور خوف گردی" سے ہندوستان کو برطانوی حکومت سے متنفر کیا جا رہا ہے تو نیشنل کانگریس کا یہ اقدام اِک چھوٹی سی بے حد مظلوم و مقہور قوم کے حق میں مددگار ثابت ہوگا۔ (یہاں فلسطین میں برتے جانے والے تیسرے درجے اور تعذیبی طریقوں کے کچھ قصے سُنے جاتے ہیں جو ہندوستان کی پولیس سے متعلق مشہور قصّوں کی یاد شدّت کے ساتھ تازہ کرتے ہیں)۔ (۲) کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مسلم لیگ سے بھی کوئی تجویز پاس کرا دی جائے؟ ہماری قوم کے لوگ مسلمانوں کی ہمدردی کھو دینے سے بہت خائف رہا کرتے ہیں۔ میں اِس خیال سے دو نقلیں بھیج رہا ہوں کہ ایک نقل مسلمانوں کو بھیج دی جائے۔ اقبال کے مرجانے کے بعد میں کسی سربرآوردہ مسلمان کو نہیں جانتا ہوں۔ اکبر حیدری ایک سربرآوردہ مسلمان ضرور ہیں مگر وہ کوئی اقدام نہ کریں گے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خط آپ کو مل بھی جائے گا۔ میں بڑے تذبذب کی حالت میں بھیج رہا ہوں۔ اگر مل جائے تو از راہِ کرم مجھے مطلع فرمائیے گا۔

میری بیوی کو اپنی ایک آنکھ کا آپریشن کرانے کی غرض سے لندن آنا پڑا تھا۔ یہ آپریشن کامیاب نہیں رہا۔ پردۂ غبیبیہ پھسل پڑا اور ایک دوسرا آپریشن ضروری ہوگیا، یہ وقت اُن کا بے لطفی اور بڑی تکلیفوں کے ساتھ گزرا۔ وہ بے چاری اب تک نرسنگ ہوم میں ہیں اور بہت آہستہ آہستہ رو بہ صحت ہو رہی ہیں۔

کرسمس اور سالِ نَو کے لئے بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا ہمیشہ

ایڈورڈ تھامپسن ای۔ ایف۔ آئی

(برٹش ہندوستان سے)

۲۴۳- از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۳۰ر نومبر ۱۹۳۸ء

عزیزی جواہر لعل

چینی دوست آئے، اور پانچ منٹ کی جگہ پینتیس منٹ لئے۔ مجھے اخیر میں جتنی نرمی کے ساتھ میں کہہ سکتا تھا کہنا پڑا کہ آپ لوگ اپنے مقررہ وقت سے سات گنا وقت لے چکے۔

وائسرائے سے ملاقات کی جو رپورٹ اگاتھا نے تیار کی تھی اُس کی نقل تم کو بھیج رہا ہوں۔ میرے پیغام میں صرف اتنی بات تھی کہ وہ مجھ کو انگریزوں کا ایک دوست سمجھیں، اور یہ کہ میری اس دوستی کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امید ہے کہ سبھاش کے متعلق میرا خط گورودیو کے خط کے ساتھ تم کو وقت پر مل گیا ہوگا۔

امید ہے کہ تم کثرتِ کار سے اپنی جان کے دشمن نہ بن گئے ہوگے۔ اندو بھی، امید ہے، بخیر ہوگی۔

سروپ نے جو دشوار کام اپنے ذمّے لے رکھا ہے اس سے اب اُس کو چھٹّی مل جانی چاہیے۔ اس کو اپنی تن درستی ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

محبّت

باپو

۲۴۴- از مصطفی النحاس

ہیلیوپلیس، ۱۲/۱۲/۱۹۳۸ء

عزیز دوست

اُس دل فریب خط نے جو روانگی کے وقت آپ نے مجھے پورٹ سعید سے بھیجا مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ یقین فرمائیے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ اس نہایت ہی مختصر سے قیام کی خوش آیند یاد اپنے ساتھ لے چلے ہیں تو آپ نے بھی یہاں اپنے ایسے دوست ہی چھوڑے ہیں جو آپ کی اتنی ہی خوش آیند یاد اپنے دلوں

میں تازہ رکھتے ہیں۔

میں آپ کو وہ اخبارات و رسائل بھیج رہا ہوں جن میں آپ کے مصر سے گزرنے کے حالات شایع ہوئے ہیں۔ ان اخبارات و رسائل سے آپ پر روشن ہو جائے گا کہ مصری محبّانِ وطن کے دلوں میں آپ عزّت و احترام کا کتنا بلند مقام رکھتے ہیں۔

اس وقت میں اُس مسئلے کی تنقیح و ترتیب میں منہمک ہوں جو ہمارے دماغوں پر پہلے سے چھایا ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مسئلے کی یہ تنقیح و ترتیب ہمیں اس قابل بنا دے گی کہ ہم اپنی اپنی آزادیوں کو محفوظ رکھ کر شہنشاہیت پرستی کے خلاف اپنی اس جنگ میں باہم مشترک نکات پر ایک دوسرے کو اپنی اپنی رایوں سے آگاہ کر سکیں۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے ہیں ویسے ویسے شہنشاہیت پرستانہ رجحانات کی بداعمالیاں دنیا میں زیادہ آشکارا ہوتی جاتی ہیں۔ یہی بداعمالیاں، مقامِ افسوس ہے، دنیا کے موجودہ بحران اور اُس کی موجودہ کشاکش اور بدمزگی کے اسباب میں سے ایک سبب ہیں۔

میں آپ کی وہ کتاب پاکر آپ کا شکرگزار ہوا جو پورٹ سعید سے ڈیال داس نے مجھے بھیجی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ کی جری اور دلیر ذاتِ گرامی کے لئے میرا جذبۂ تحسین و قدرشناسی اور بڑھ گیا۔

مجھے امید ہے کہ میں اپنی قومی وفد کانگریس کی صحیح تاریخیں آپ کو جلد ہی بتا سکوں گا جس میں بڑے اہم مسائل زیرِ بحث آئیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے دوست و احباب آپ کی بہن کی خرابیٔ صحت کے سبب اُن کی ویسی عزّت و تکریم نہ کر سکے جیسی عزّت و تکریم کرنی وہ اپنا فرض اور اپنے لئے وجہِ مسرّت جانتے تھے، اُس کا ایک حصّہ ہی بجا لا سکے۔ اپنی ذاتِ گرامی کے لئے، اے دوستِ عزیز، ازراہِ کرم میری مخلصانہ صداقت کا یقین کیجیے۔ آپ کو اور آپ کی خوش جمال صاحبزادی کو اپنے خوش آیندترین تذکارات کے بھیجنے میں میری بیوی بھی میرے ساتھ ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم۔ نحاس

م۔ت: میں آپ کو چند تصویریں بھی بھیج رہا ہوں جو آپ کی روانگی کے دن لی گئی تھیں۔

ایم۔ اِن

۲۴۵۔ از کامل الچادرچی

کامل الچادرچی کے خط بنام مسٹر جواہر لعل نہرو کا ترجمہ

بغداد

۱۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء

میرے پیارے مسٹر نہرو

عہدِ حاضر کے تمدّن کی ایک بہت بڑی برکت غالباً یہ ہے کہ آدمی ایسے لوگوں سے بھی ایک مستحکم اور گہری دوستی قائم کر سکتا ہے جن سے وہ ذاتی طور پر کبھی نہ مل سکا ہو۔

فی الحقیقت آپ کا وطن ہمیشہ سے ایک عظیم الشان ملک رہا ہے۔ فطرت نے اُس کو لامتناہی وسائل عطا کئے ہیں، اگرچہ آغازِ تمدّن ہی سے وہ اُتنا بڑا ملک نہیں رہا ہے جتنا بڑا کہ وہ آج ہے جب کہ اُس کے فکری اور ذہنی بیج ایسے لوگوں کی شکل میں برگ و بار لائے ہیں جن کی ملک کو ضرورت تھی اور خصوصاً اُس وقت سے جب کہ آپ جیسی منفرد اور عدیم النظیر شخصیت اُفقِ مشرق پر نمودار ہوئی ہے جس نے میرے اور میرے بھائیوں کے تخیّل کو اپنی عظمت سے پُر کر دیا ہے۔

ہندوستان جب تک برابر بلند فکر لوگ پیدا کرتا رہے گا اور دُنیا کے لئے انسانیت کی تاریخ میں بے نظیر قسم کی قربانیاں دیتا رہے گا میں اُس کی مستقبل کی طرف سے ناامید نہیں ہوں۔

ہم آپ کے جہاد کی دل و جان سے قدر کرتے ہیں اور آرزومند ہیں کہ کاش ہمیں بھی اس میں حصّہ لینے کا موقع میسّر آتا خواہ چھوٹے ہی سے پیمانے پر، اس لئے کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ شہنشاہیت اور استحصالِ بے جا کے خلاف معرکہ آرائی میں جو مخلصانہ سعی و کوشش کی جائے، اُس پر

جُدا جُدا وحدتوں کی شکل میں غور نہ کرنا چاہیئے بلکہ ایک حد تک اس شکل میں کہ جغرافیائی حد بندیاں یا سیاسی رکاوٹیں اس کو کچل نہیں سکتیں۔

ہمیں یعنی دُنیائے عرب کے اِس حصّے کے باشندوں کو، اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ، آپ کی اِس عظیم الشان جدوجہد سے متعلق بہت تھوڑا علم تھا اور یوسف مہر علی نے، جن سے ہمیں اس کے سوا اور کوئی شکایت نہیں ہے کہ وہ ہمارے مُلک میں بہت کم ٹھیرے، ہمیں آپ کے حق بجانب مطالبے سے متعلق اطلاعات بہم پہنچا کر مسرور فرمایا۔

ہم اس بات کو بہت زیادہ پسند کریں گے کہ آپ کی تحریک سے اتصال پیدا کریں اور اُس سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ سے اور آپ جیسے اور ہندوستانیوں سے ذاتی طور پر شناسائی پیدا کریں۔ جیسے آپ کچھ دن پہلے مصر گئے تھے اُسی طرح کیا آپ عراق، جو آپ کے یہاں سے قریب ہی ہے، آنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ میری تردید کر دیں گے اگر میں یہ عرض کروں کہ آپ کو دُنیائے عرب کے اس حصّے کے متعلق اُسی طرح کچھ جاننا چاہیئے جس طرح ہمارا یہ فرض ہے کہ تا حدِّ امکان ہم بھی آپ کے عظیم الشان ملک سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائیں اور آپ کی قومی اور انسانیت پرور کوششوں سے واقفیت پیدا کریں۔

مجھے قوی اُمید ہے کہ مسٹر یوسف مہر علی کی یہ مختصر سی سیاحتِ عراق آپ سے اور آپ کی تحریک سے جس کا ہم نہایت ہی گہری دل چسپی کے ساتھ مطالعہ کر رہے ہیں، مزید ربط و تعلق کی ابتدا ہے۔

آخر میں آپ اپنی کامیابی کے لئے میری بہترین تمنّائیں قبول فرمائیں۔

آپ کا مخلص

کامل الجادرچی

سکریٹری اصلاحِ قوم پارٹی

۲۴۶۔ از ایس رادھا کرشنن

لندن

۳۰ر دسمبر ۱۹۳۸ء

میرے عزیز نہرو

مجھے سخت افسوس ہے کہ میں ہندوستان میں آپ سے نہ مل سکا۔ دو ایک باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق میں آپ سے گفتگو کرنی چاہتا تھا۔

۱۔ آپ جانتے ہیں کہ گاندھی جی اپنا سترواں سال پورا کر رہے ہیں اور میں ایک ایسی کتاب کی اشاعت کا ارادہ کر رہا ہوں جو صرف سلاموں اور دعاؤں پر مشتمل نہ ہو بلکہ دنیا کے بڑے سے بڑے مفکّروں اور رہبروں کے قلم سے ان کی سوانح زندگی پر مقالوں اور آرا و افکار پر مشتمل ہو اور اُن کے آیندہ یومِ پیدائش کے موقع پر اُن کی خدمت میں پیش کی جائے۔ میں آکسفورڈ پہنچتے ہی اُن لوگوں کی فہرست وغیرہ آپ کو بھیجوں گا جن کو میں نے دعوتیں بھیجی ہیں۔ اس فہرست میں اگر آپ کوئی اضافہ کرنا چاہیں تو مجھے مطلع فرمائیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ سوال مجھے پریشان کیئے ہوئے ہے۔ مجھے جنوبی افریقہ جانا ہے میں نے اسمٹس اور راما راؤ کو لکھا ہے کہ وہ میرا یہ سفر ایسٹر کی چھٹیوں میں رکھیں میں نے ۱۹۳۹ء میں ۱۹ر ستمبر سے لے کر ۸ر دسمبر تک جنوبی کیلیفورنیا یونیورسٹی میں کام کرنے کی دعوت منظور کر لی ہے مگر مجھ کو گاندھی جی کے ہدیۂ یومِ پیدائش کی تیاری کی مشغولیتوں کے سبب اس کام کو ملتوی کرنا پڑے گا۔ جلسے کے انعقاد کے انتظامات وغیرہ کے لئے میں بیک سر آپ پر بھروسا کر رہا ہوں۔ میں اس بات کی انتہائی کوشش کروں گا کہ کتاب موقع کے شایانِ شان ہو۔ میں نے اس بات کا ذکر واردھا میں پیارے لعل سے کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہم اس جلسے کی تاریخ کی تعیین ہندو کیلنڈر کے مطابق کریں گے۔

یقیناً آپ کو بھی ایک مقالہ کم و بیش ایک ہزار لفظوں کا لکھنا پڑے گا آپ کا یہ مقالہ مارچ ۱۹۳۹ء کے اخیر تک بھی مجھے مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۔ گاندھی جی کی گفتگو سے میں یہ سمجھا کہ اُن کا سب سے بڑا اعتراض حکومتِ ہند

ایکٹ کے مجوزہ وفاق پر یہ ہے کہ وہ جاگیرداروں راجاؤں اور نوابوں اور جمہوری صوبوں سے ترکیب پذیر جو مشینری قائم کرتا ہے وہ بے میل اور بے جوڑ ہے۔ اُن کو اس بات پر اصرار رہے کہ یہ راجا اور نواب پہلے اپنی ریاستوں میں ذمّے دار حکومتیں قائم کریں اور تب وفاق میں شامل ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اگر ان راجاؤں اور نوابوں کے نمایندوں کی اکثریت (½ + ۱) عوامی اسمبلیوں سے منتخب ہو کر آئے تو کیا اس صورت میں بھی اُن کو اعتراض ہوگا؟ انھوں نے یہ صورت بھی پسند نہیں فرمائی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

یقیناً برطانوی حکومت کو یہ بات واضح کر دینی چاہیے کہ جب تک کانگریس اس وفاقی نظام کی اُس کی موجودہ شکل میں مخالف رہے گی تب تک وہ اس نظام کو ہندوستان کے لوگوں پر بزور نافذ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

میں چودھویں جنوری تک امپیریل ہوٹل میں رہوں گا۔ پھر آکسفورڈ چلا جاؤں گا جہاں میرا پتہ یہ ہوگا: ۱۵، بارڈوِل روڈ۔

آپ کا مخلص

رادھا کرشنن

ہمیں اِس جلسے کی صدارت ٹیگور سے کرانی چاہیے۔

۲۴۷۔ از سر اسٹیفرڈ کرپس

لندن

۳ر فروری ۱۹۳۹ء

میرے عزیز نہرو

میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ آپ کا طویل اور دلآویز خط پا کر مجھے کس قدر مسرّت ہوئی۔ مجھے ایک خطرہ سا محسوس ہوا تھا کہ ہم دونوں آپس کا تعلق کھو دیں گے اس لیے کہ ہم دونوں مصروف ہیں۔ آپ نے ہندوستان کی صورتِ حال کی جو تفصیل مجھے بھیجی ہے وہ میرے لئے بہت ہی گراں قیمت ثابت ہوئی، اگرچہ، جیسا کہ اخبار سے آپ کو غالباً معلوم ہوا ہوگا، میں اس وقت گھریلو معاملات نیز مزدور پارٹی کی اندرونی کشاکش میں اِس درجہ منہمک ہوں کہ میرے لئے

ہندوستانی اور نوآبادیاتی معاملات پر کچھ زیادہ توجہ دینا دشوار ہے۔

بہرحال، یومِ آزادیٔ ہند کا جو جلسہ لندن میں ہوا اُس میں تقریر کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی۔

یہاں پوزیشن شدید تر ہوتی جا رہی ہے، اور مزدور پارٹی کے نیشنل گورنمنٹ کے ساتھ ہو جانے کے رجحانات روز افزوں طور پر نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وقت میں اسی کے خلاف لڑ رہا ہوں اور ایک دوسری متبادل صورت، یعنی دوسرے عناصر اختلاف کے ساتھ اتحاد، کی تائید کر رہا ہوں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اُس کی تفصیل بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ تفصیل آپ ٹری بیون میں دیکھ لیں گے، مگر اتنی بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ملک بہت بڑی حد تک اس کا مؤید ہے، اور اگرچہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کامیابی کی واثق توقعات ہیں مگر یہ امید ہے کہ آئندہ چند مہینوں میں ہم واقعی کچھ کر پائیں گے۔

معاف کیجئے گا اس وقت میں اس سے زیادہ نہ لکھ سکوں گا۔ اس وقت میں بے حد مصروف ہوں۔

آپ کا مخلص

آر۔ اسٹیفرڈ کرپس

۲۴۸۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا

۳ فروری ۱۹۳۹ء

عزیز جواہر لعل

اس انتخاب کو اور جس طریقے پر وہ لڑا گیا اُس کو دیکھ کر میں محسوس کر رہا ہوں کہ کانگریس کے آئندہ اجلاس میں میرا شریک نہ ہونا اور اُس سے غیر حاضر رہنا ملک کی ایک خدمت کے مترادف ہوگا۔ علاوہ بریں میری صحت بھی کچھ اتنی اچھی نہیں ہے۔ میں تم سے مدد چاہوں گا۔ از راہِ کرم مجھے شرکت[1] پر مجبور نہ کرنا۔

مجھے امید ہے کہ کھالی میں کچھ دنوں آرام کر لینا تمھارے اور اندو دونوں کے لئے مفید ثابت ہوا ہوگا۔ اندو کو مجھے خط لکھنا چاہیے۔

محبّت

باپو

۲۴۹- بہ نام سبھاش چندر بوس

الہ آباد

۴ر فروری ۱۹۳۹ء

شخصی اور بصیغۂ راز

میرے عزیز سبھاش

اگرچہ شانتی نکیتن میں ہم نے ایک گھنٹہ یا اُس سے کچھ زیادہ باتیں کیں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ صورتِ حال کو صاف اور واضح کر دینے میں ہم کامیاب نہیں ہوئے۔ امرواقع یہ ہے کہ ہم کامیاب ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ غیر متیقن اور مشتبہ باتیں بہت سی ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ معاملات کیا صورت اختیار کریں گے۔ ہمیں ظہور میں آنے والی اِن باتوں کا انتظار کرنا پڑے گا مگر ساتھ ہی اس کے ظہور میں آنے والی باتیں ہم پر انحصار رکھتی ہیں اور خصوصاً تم پر۔

جیسا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں، تمھارے اس جیتے ہوئے انتخاب نے کچھ نفع بھی پہنچایا اور کچھ نقصان بھی۔ جو نفع پہنچا میں اُس کو سمجھتا اور مانتا ہوں مگر میں اُس نقصان سے ڈر رہا ہوں جو آگے چل کر ظہور پذیر ہوگا۔ میری اب بھی یہی رائے ہے کہ جب اِس نفع و نقصان کو تولا جائے گا تو ماننا پڑے گا کہ اگر یہ مخصوص کشمکش اِس صورت میں پیش نہ آتی تو بہتر ہوتا۔ مگر یہ ایک گزری ہوئی بات ہے اور ہمیں مستقبل کا سامنا کرنا ہے۔ اِس مستقبل پر ہمیں شخصیتوں کو سامنے رکھ کر غور نہ کرنا پڑے گا بلکہ اُس پر ایک وسیع تر زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالنی پڑے گی۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کسی کے لئے بھی اس لئے طیش میں آجانا کہ معاملات نے وہ صورت اختیار نہیں کی جو ہمیں پسند تھی کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں قومی مطالبے کی بہتر سے بہتر خدمت کرنی ہے خواہ کچھ ہی ظہور میں آئے۔ جب یہ مان لیا

گیا تو اب سیدھا راستہ پالینا آسان نہیں ہے اور مستقبل کے فکر سے میں پریشان ہوں۔

پہلا کام جو ہمیں کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کا نقطۂ نظر جس قدر پورے طور پر سمجھنا ممکن ہو سمجھیں۔ اگر یہ کر لیا جائے تو تجویزوں کا مسودہ تیار کر لینا خاصا آسان سا کام ہو جاتا ہے۔ مگر جب ہمارے دماغوں میں باہمی آویزشوں اور اور کشاکشوں کی صدائیں گونج رہی ہوں اور ہمارے دل دوسروں کی غرض و غایت سے متعلق شکوک و شبہات سے لبریز ہوں تب مستقبل کو کوئی شکل دینے کی سعی و کوشش کرنا کوئی آسان کام نہیں رہ جاتا۔ گزشتہ چند سالوں میں مجھے گاندھی جی، ولبھ بھائی اور اُن کے طرزِ فکر کے دوسرے لوگوں سے گہرا اور قریبی ربط و تعلق رکھنے کے موقع ملتے رہے ہیں۔ ہم نے بارہا باہم طویل بحثیں بھی کی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہم میں سے کوئی کسی کو قائل یا مطمئن نہیں کر سکا مگر ہاں ہم ہم نے ایک دوسرے کو خاصی حد تک متاثر کیا اور مجھے یقین ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کو بڑی حد تک سمجھا۔ بہت دنوں کا ذکر ہے ۱۹۳۳ء میں جب میں جیل سے رہا ہوا تب میں گاندھی جی سے ملنے کی غرض سے پونا گیا جہاں وہ اپنے طویل برت کے اثرات سے شفایاب ہو رہے تھے۔ ہم نے اپنی جد و جہد کے مختلف پہلوؤں پر باہم طویل گفتگوئیں کیں اور پھر اُنہی مسائل پر باہم خط و کتابت کی جو بعد کو چھپ گئی۔ اس خط و کتابت اور گفتگوؤں سے ہماری طبیعتوں اور مزاجوں کا اختلاف بھی آشکارا ہو گیا اور ہمارے اصولی اختلافات بھی، اور بہت سی وہ چیزیں بھی سامنے آگئیں جو ہم میں مشترک تھیں۔ اُس زمانے سے لے کر آج تک، نجی صحبتوں میں نیز مجلسِ عاملہ کی نشستوں میں، اکثر بحثیں اور گفتگوئیں ہوئی ہیں۔ متعدد موقعوں پر میں صدارت، نیز مجلسِ عاملہ کی رکنیت سے مستعفی ہو جانے کے قریب تک پہنچ گیا۔ مگر میں ایسا کر گزرنے سے باز رہا۔ میں نے سوچا کہ میرا یہ اقدام بڑی عجلت کے ساتھ اک ایسے وقت میں ہمیں ایک بحرانی کیفیت سے دوچار کر دے گا جب ہمارا متحد رہنا اشد ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ میں ہی بر سرِ غلط ہوں۔

یہ بحران آخر آہی گیا، اور افسوس ناک طریقے پر آیا۔ اس سے پیشتر کہ میں اپنی راہِ عمل سے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کروں، ضروری ہے کہ مجھے تمھارا کچھ خیال معلوم ہو جائے کہ تم کانگریس کو کس صورت میں دیکھنا اور اُس سے کیا کرانا چاہتے ہو۔ میں اس سے متعلق بالکل اندھیرے میں یا گومگو اور حیرت کے عالم میں ہوں۔ بائیں بازو والوں اور داہنے بازو والوں اور وفاق وغیرہ سے متعلق تو بہت باتیں ہوئیں۔ اس کے باوجود مجھے یاد نہیں پڑتا کہ تمھاری صدارت کے زمانے میں ان مسائل پر اثر انداز ہونے والے اہم اور ضروری معاملات میں سے کسی اہم اور ضروری معاملے پر ہم نے کبھی بحث و گفتگو کی ہو۔ میں نہیں جانتا کہ کس کو تم بائیں بازو والا کہتے ہو اور کس کو داہنے بازو والا۔ صدارتی انتخابی کشمکش کے دوران میں تم نے اپنے بیانات میں جس طریقے پر ان لفظوں کا استعمال کیا ہے اُس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ تمھارے نزدیک خود گاندھی جی اور مجلسِ عاملہ کے وہ ارکان جو اُن کے جتھے کے سمجھے جاتے ہیں، داہنے بازو والے ہیں۔ اور اِن کے مخالفین خواہ وہ کوئی ہوں، بائیں بازو والے ہیں۔ میرے نزدیک یہ کہنا سرتاپا غلط ہے۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اس نام نہاد بائیں بازو کے بہتیرے لوگ اس نام نہاد داہنے بازو سے بڑھ کر داہنے بازو والے ہیں۔ درشت لہجہ اور کانگریس کی پُرانی قیادت پر حملہ اور تنقید کی استعداد سیاست میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے۔ مجھے تو ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہمارے مستقبل قریب کے بڑے خطروں میں سے ایک بڑا خطرہ ایسے لوگوں کا عہدوں اور ذمّے داری کی جگہوں پر آجانا ہے جو ذمّے داری کے ہر احساس سے عاری اور صورتِ حال کا کوئی صحیح اندازہ لگانے کی صلاحیت سے خالی ہیں اور کسی اونچے درجے کی ذہنی اور فکری قوت کے مالک ہونے کی حیثیت سے کوئی نمایاں اور ممتاز مرتبہ نہیں رکھتے۔ یہ لوگ ایک ایسی صورتِ حال پیدا کردیں گے جو ناگزیر طور پر ایک بڑے ردِّ عمل تک لے جائے گی اور تب سچ مچ کے بائیں بازو والوں پر جھاڑو پھر جائے گی۔ چین کی مثال ہمارے سامنے ہے اور اپنے بس بھر تو میں ہندوستان کا اس نامبارک راستے پر گام زن ہونا پسند

نہیں کرتا۔

میرا خیال ہے کہ الفاظ "بائیں" اور "داہنے" کا استعمال عموماً سرتاپا غلط اور موجبِ انتشار ہوا ہے۔ اگر ہم ان لفظوں کی جگہ پالیسیوں کی نسبت گفتگو کرتے تو بدرجہا بہتر ہوتا۔ تم کس پالیسی کے حامی ہو؟ وفاق کے خلاف؟ بہتر ہے اور خوب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ارکانِ مجلسِ عاملہ کی بڑی اکثریت اس پالیسی کی حامی ہے اور اس معاملے میں اُن کی کمزوری کی طرف اشارہ کرنا مقتضائے انصاف نہیں ہے۔ کیا تمہارے لئے یہ بہتر نہ ہوتا کہ تم مجلسِ عاملہ ہی میں اس معاملے پر پورے طور پر بحث کر لیتے یا کوئی تجویز ہی اس معاملے پر مجلس کے سامنے لے آتے اور پھر ارکانِ مجلس کا ردِّ عمل دیکھ لیتے؟ کسی معاملے پر اپنے رفقائے کار کے ساتھ پورے طور پر بحث و گفتگو کر لینے سے پہلے ہی سب پر پیچھے سرکنے کا الزام دھرنا یقیناً کوئی معقول بات نہیں ہے۔ وفاقی نظام کے ماتحت وزارتوں کا بٹوارہ ہو چکنے کی بابت جو غیر معمولی الزام تم نے لگایا تھا اُس کے متعلق میں تم سے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس کا یہاں اعادہ نہ کروں گا۔ ناگزیر طور پر بہت سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ مُجرم تمہارے مجلسِ عاملہ کے رفقا ہی کا ہے۔

تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے یورپ سے بڑی لمبی لمبی رپورٹیں تم کو اور مجلسِ عاملہ کو بھیجیں۔ میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی اور پوچھا کہ وفاق سے متعلق ہماری روش کیا ہونی چاہیے؟ اور پھر ہدایتیں طلب کیں۔ تم نے مجھے ہدایتیں تو ایک طرف رہیں میرے اِن خطوط کی رسید تک نہیں بھیجی۔ میں نے جس طریقے پر اس مسئلے کو چھیڑا تھا گاندھی جی نے اُس سے اتفاق کیا اور مجھے بتایا گیا کہ مجلسِ عاملہ کے اکثر ارکان کی بھی یہی رائے ہے مگر مجھے اب تک نہیں معلوم کہ خود تمہارے تاثرات کیا تھے۔ مگر مجھے اطلاع دینے نہ دینے کو ایک طرف رکھو، اور یہ دیکھو کہ کیا اس مسئلے پر مجلسِ عاملہ میں پورے طور پر غور و فکر کر لینے اور کوئی نہ کوئی فیصلہ کر ڈالنے کا تمہیں ایک موقع نہیں مل گیا تھا؟ مجلس عاملہ سے باہر اگرچہ بعض اوقات تم نے اپنی رایوں کا

اظہار کر دیا ہے مگر بدقسمتی سے مجلس کی نشستوں میں اس معاملے پر نیز دوسرے معاملوں پر تم نے اپنی رَوِش بالکل خموشی اور عدم مزاحمت کی رکھی ہے۔ عملاً تم نے ایک رہبری کرنے والے صدر سے زیادہ ایک میر مجلس کی حیثیت سے کام کیا ہے۔

پچھلے ایک سال میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔ تم نے اِس پر دھیان نہیں دیا۔ تمھارے نام جو خطوط اور تار آیا کرتے ہیں شاذ و نادر ہی اُن کا جواب دیا جاتا ہے، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ دفتر کے بہت سے معاملات مدت ہائے دراز تک معلق رہ جاتے ہیں ٹھیک ایسے وقت جب کہ ہماری تنظیم کو شدید ترین توجہ کی حاجت ہے ہمارا صدر دفتر اپنے فرائض نکمے طور پر ادا کر رہا ہے۔

ہمارے سامنے ہندوستانی ریاستوں کا سوال ہے، ہندو مسلم سوال ہے، اور کسانوں اور مزدوروں کا سوال ہے۔ ان سوالوں پر بہت سی رائیں ہیں اور کچھ اختلاف بھی۔ تم ان سوالوں میں سے کسی سوال پر ایسی متعین رائیں رکھتے ہو جو تمھارے رفقائے کار کی رایوں سے مختلف ہوں؟ بمبئی کے تجارتی جھگڑوں والے مسودۂ قانون کو لے لو۔ میں اِس مسودۂ قانون کی بعض دفعات سے اتفاق نہیں رکھتا۔ اگر میں یہاں موجود ہوتا تو انھیں بدلوانے کی انتہائی کوشش کرتا۔ تم بھی اِن دفعات سے اختلاف رکھتے ہو؟ اگر رکھتے ہو تو کیا ان کے بدلوانے کی کوشش کی؟ مختلف صوبوں میں، بہ شمول بنگال، زمینداروں اور آسامیوں کے جھگڑوں نے عموماً جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اُس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ تمھاری مخصوص اور معین رائیں کیا ہیں۔

صوبائی کانگریسی حکومتیں تیزی سے چھوٹے موٹے بحرانوں کی طرف بڑھ رہی ہیں اور یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ جب ریاستوں کی تحریک زور پکڑے گی تب ہم ایک ایسے بڑے بحران سے دوچار ہوں گے جو ہم سب کو بہ شمول صوبائی حکومتوں کے اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ تمھارے خیال میں ہمیں کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے؟ بنگال میں تمھارا ایک ائتلافی وزارت چاہنا مشکل ہی سے کوئی

مناسبت تمھارے اُس احتجاج سے رکھتا ہے جو تم نے دستور پرستی کی طرف بہاؤ کے خلاف کیا ہے۔ معمولی حالات میں تو اس کو داہنے بازو والوں کا ایک اقدام تصور کیا جائے گا، اور خصوصاً اب جب کہ صورتِ حال تیزی کے ساتھ ارتقا پذیر ہے۔

پھر خارجی پالیسی کا سوال ہے جس کو، جیسا کہ تم جانتے ہو، میں بڑی اہمیت دیتا ہوں خصوصاً اس نازک وقت میں۔ اور جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں تم بھی اس سوال کو بڑی اہمیت دیتے ہو۔ مگر میں اب تک ٹھیک طور پر یہ نہیں جان پایا کہ تمھارے پیشِ نظر کون سی پالیسی ہے۔ گاندھی جی کے نقطۂ نظر سے میں عموماً واقف ہوں اور میں اُس سے پورا پورا اتفاق نہیں رکھتا اگرچہ ہم سب نے بین الاقوامی بحران کے اِن دو یا تین سالوں میں مل جُل کر کام کیا اور کرسکتے ہیں، اور گاندھی جی نے اکثر میرے نقطۂ نظر کو، اس سے پورا اتفاق کیے بغیر، تسلیم کیا ہے۔

یہ اور بہت سے اور سوالات ہیں جو میرے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ بہت سے اور لوگ بھی ان سوالات سے پریشان ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے صدر کے انتخاب میں تم کو ووٹ دیے تھے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے لوگ اُن مسائل پر جو کانگریس میں اُٹھیں اب بالکل مختلف طریقے پر ووٹ دیں اور وہاں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

مجلسِ عاملہ کی تشکیل بہت سے مسائل پیدا کر دے گی۔ آخری مسئلہ ایک ایسی کمیٹی کی تشکیل کا ہے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کانگریس دونوں کا عموماً اعتماد رکھتی ہو۔ موجودہ حالات میں یہ کام بجائے خود نہایت دشوار ہے۔ یہ کوئی بہت معقول بات نہ ہوگی کہ کوئی ایسی کمیٹی بن جائے جس کی زندگی کا انحصار ایسے لوگوں کی مروّت اور چشم پوشی پر ہو جن کو ذمّے دار تصور نہیں کیا جاتا اور جن کی سربرآوردگی کا سب سے بڑا استحقاق اُن کی نکتہ چینیوں کا رہینِ منّت ہے جو یہ حضرات اُن لوگوں پر کرتے رہے ہیں جن کو یہ لوگ داہنا یا داہنے بازو

والے خیال کرتے ہیں۔ ایسی کمیٹی یا تو نکال باہر کی جائے گی یا بے اہمیت اور بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ ریاستوں کی کشمکش کے بڑھنے کے ساتھ ولبھ بھائی اور خود گاندھی جی اس میں زیادہ سے زیادہ اُلجھتے جائیں۔ یہ کشمکش ہندوستانی سیاست کے اسٹیج پر مرکزیت کا مقام حاصل کرلے گی، اور کوئی ایسی مجلسِ عاملہ جوان لوگوں کے سوا دوسروں پر مشتمل ہوگی وہ اپنے فرائض مؤثر طور پر ادا نہ کرپائے گی اور اپنی اہمیت کھو دے گی۔ گزشتہ دس سالوں سے یا اس سے بھی زیادہ زمانے سے مجلسِ عاملہ ہندوستان میں نیز بیرونِ ہند میں ایک بڑے اونچے مقام کی مالک چلی آئی ہے۔ اس کے فیصلے کچھ معنی رکھتے تھے اور اُس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ قوت رکھتے تھے۔ وہ بہت چیخا نہیں کرتی تھی، مگر جو کچھ وہ کہا کرتی تھی اُس کی پشت پر قوت اور عمل ہوا کرتا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے بہت سے نام نہاد بائیں بازو والے کسی اور چیز کے مقابلے میں سخت اور دُرشت لہجے پر زیادہ ایمان رکھتے ہیں۔ ناریمان ٹائپ کے قومی کارکنوں کے لئے میرے دل میں کوئی جذبۂ تحسین نہیں ہے، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس ٹائپ کے بہت سے کارکن گرد و پیش منڈلا رہے ہیں۔

ہم لوگ ایک افسوسناک اُلجھاوے میں پڑ گئے ہیں اور اس وقت مجھے اس اُلجھاوے سے نکلنے کا کوئی واضح راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے میں اپنے مقدور بھر انتہائی کوشش کرنے کو تیار ہوں مگر وضاحت، تشریح اور رہبری تمھاری طرف سے ہونی چاہیئے، اسی وقت دوسروں کے لئے یہ فیصلہ کرنا ممکن ہوگا کہ آیا وہ اِس چوکھٹے میں ٹھیک بیٹھتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے میں تمھارے سامنے یہ تجویز رکھنی چاہتا ہوں کہ تم اِس موقع کو اُس کی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ غور سے پرکھو، اُن تمام مسائل پر جن کی طرف میں نے اشارہ کیا غور کرو اور اُن پر ایک مفصّل یادداشت قلم بند کرو۔ اس یادداشت کا طبع ہونا کچھ ضروری نہیں ہے مگر اُن لوگوں کو دکھادی جائے، جن کو تم اپنے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دو۔ ایسی جو یادداشت تم مرتّب کروگے وہ آئندہ غور و فکر کی بنیاد بن جائے گی۔

اور یہ غور و فکر موجودہ مشکل مسائل کا حل سوچنے میں ہمارا مددگار ہوگا۔ زبانی گفت و شنید کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا کرتی۔ وہ مبہم سی ہوا کرتی ہے اور اکثر گمراہ کن۔ اور ابہام سے ہمیں خاصا سابقہ رہ چکا ہے۔ میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم برطانوی حکومت کو الٹی میٹم دینے کی اپنی تجویز کی نوک پلک درست کرو ٹھیک ٹھیک طور پر یہ بتاؤ کہ تم اِس تجویز کو لے کر کیوں آگے بڑھنا چاہتے ہو اور بعد کو کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ جیسا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں، میں اِس خیال کو مطلق بہ نظر استحسان نہیں دیکھتا، تاہم اگر تم اپنی اس تجویز کی کچھ اور وضاحت کرو تو ممکن ہے کہ میں اس کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ پاؤں۔

پریس میں تمھارا جو بیان شایع ہوا ہے وہ میری نظر سے بھی گزرا۔ یہ اتنا مبہم اور گول مول سا ہے کہ میں تمھاری پوزیشن یا مقام واضح طور پر سمجھ نہیں پایا۔ میں جو تم سے مکمل توضیح کی درخواست کرتا ہوں تو اُس کی وجہ یہی ہے۔

قومی معاملات کچھ اُصول اور کچھ پالیسیوں پر مشتمل ہوا کرتے ہیں، اُن کے اندر باہم ایک دوسرے کو سمجھنا اور رفقائے کار کی نیک نیتی پر ایمان و اعتماد بھی مضمر ہوا کرتا ہے۔ اگر یہ تفاہُم اور یہ ایمان و اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی مفید اور سود مند تعاون بہت دُشوار ہوتا ہے۔ جیسے جیسے میری عمر زیادہ ہوتی گئی ویسے ویسے میں رفقائے کار کے مابین اس قسم کے ایمان و اعتماد اور حسنِ تفاہم کو زیادہ سے زیادہ اہم اور ضروری پاتا گیا ہوں۔ میں بہتر سے بہتر اصول بھی لے کر کیا کروں گا اگر شخصِ متعلق پر مجھے اعتماد ہی نہ ہو؟ آج بہت سے صوبوں میں پارٹیوں کے درمیان جو رقابتیں پائی جاتی ہیں وہ اِس بات کی روشن مثالیں ہیں۔ ان رقابتوں نے انتہا کی تلخی اور ناگواری پیدا کر دی ہے اور ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو معمولی حالات میں شریف، دیانت دار اور راست باز ہوتے ہیں وہ بھی جوشِ رقابت میں اصولِ اخلاق کی پابندی سے قطعاً آزاد ہو جایا کرتے ہیں۔ میں اِس قسم کی سیاست کو برداشت نہیں کر سکتا اور میں اِس سے سالہائے دراز سے یکسر علیحدہ رہا ہوں۔ میں یکہ و تنہا اپنے فرائض انجام دیا کرتا ہوں، اپنا معین و مددگار نہ کوئی جتھا رکھتا ہوں اور نہ کوئی دوسرا کوئی شخص،

اگرچہ خوش بختانہ مجھے بہت سے لوگوں کا اعتماد حاصل ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ صوبائی انحطاط پذیری اب صوبائیت سے گزر کر کُل ہند سطح تک پہنچتی جا رہی ہے۔ یہ معاملہ میرے لئے نہایت سخت تشویش کا موجب ہے۔

تو اب ہم اس بات کی طرف واپس آتے ہیں: سیاسی مسائل کے پیچھے نفسیاتی مسائل بھی ہوتے ہیں اور ان نفسیاتی مسائل سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ دشوار تر ہوا کرتا ہے۔ اِن مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم ایک دوسرے کے سامنے اپنے دل کھول کر رکھ دیں اس لئے مجھے امید ہے کہ ہم سب پورے طور پر صاف دل اور صاف گو ہو جائیں گے۔

میں تم سے اِس کا متوقع نہیں ہوں کہ تم اس خط کا فوراً جواب دو اِس کے جواب میں کچھ دن لگیں گے۔ مگر میں تم سے اس خط کی رسید ضرور چاہوں گا۔

تمہارا پُر از محبّت

جواہر

۲۵۰۔ از ولبھ بھائی پٹیل

بمبئی

۸ر فروری ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر

مجھے تمہارا آخری خط باردولی میں ملا جو میرے اُس خط کا جواب تھا جس میں میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ تم اُس مشترک بیان پر دستخط کر دو یا کوئی علیحدہ بیان اپنا پریس کو بھیج دو۔ میں نے یہ تجویز باپو کی تحریک پر تمہارے سامنے رکھی تھی۔ میں نے تمہارا جواب باپو کو دکھایا تو انھوں نے فرمایا کہ تم اس سے متعلق اپنا احساس لکھ کر بھیج دو۔ اُس خط سے وہ خود ناخوش تھے مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اُس سے متعلق میں تم کو مزید تکلیف دوں۔ مشترک بیان بھی اُن ہی کی تحریک پر جاری کیا گیا تھا۔ میں نے اُن سے واقعتاً عرض کیا کہ اس کو ایک اور بہانہ مجھ پر گالیوں کی بوچھار کا بنا لیا جائے گا، مگر انھوں نے اصرار فرمایا اور میں نے اُن کا کہا مان لیا۔ مولانا نے بالکل اخیر وقت میں علیحدگی اختیار کر لی۔

مجھے فی الواقع خوشی ہے کہ ہمیں شکست ہوئی۔ کوئی نتیجہ خیز کام بغیر ایک متحد الخیال مجلسِ عاملہ کے انجام نہیں پا سکتا اور میں نے ایسے موقع کے لئے ہمیشہ دُعائیں مانگی اور التجائیں کی ہیں۔

مجھے جس چیز سے سخت نفرت ہے وہ وہ طریقہ ہے جو اس مقصد کے حصول کے لئے اُن لوگوں نے استعمال کیا جو بائیں بازو والے ہونے کے مُدّعی ہیں، اور جس کو اُن سے بھی بڑھ کر خود صدر نے اختیار کیا جنھوں نے ہم پر یہ الزام رکھا کہ ہم نے برطانوی حکومت سے سازش کر لی ہے۔ اور جو یہ بھی فرما گئے کہ ہم نے ایک عارضی وفاقی کابینہ ترتیب دے لی ہے۔ ہمارے مخالفین نے تو ہماری دیانت داری تسلیم کی مگر صدر نے یہ بھی نہیں کیا۔ بہر صورت اب اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہ گیا ہے کہ ہمیں کیا کرنا پڑے گا اور میں نے سبھاش کو لکھ دیا ہے کہ جب وہ مناسب سمجھیں ہم مجلسِ عاملہ سے باہر آجانے کو تیار ہیں۔ جیونت تمھیں اُس خط کی ایک نقل دکھا دیں گے جو کل میں نے انھیں بھیجا ہے۔

تمھاری رائے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے مگر مجھے یقیناً امید ہے کہ جو کچھ کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں اُس پر کم از کم تم ہمیں ملامت نہ کرو گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ گالیاں سُننی میری قسمت ہی میں لکھا ہے۔ بنگال کا پریس غضب ناک ہو رہا ہے اور وہ ناریمان اور کھرے والے قضیے میں مجھی کو موردِ الزام قرار دے رہا ہے اگرچہ ان اقدامات کے ذمّے دار میرے تمام رفقائے کار مشترک طور پر تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کھرے کے معاملے میں سُبھاش از اوّل تا آخر موجود تھے اور خود اُنھی نے اِس پورے معاملے کو نمٹایا۔

بڑودے میں بھی میں نے ایک طوفان سا برپا کر دیا ہے اور مرہٹی پریس زہر پھیلا رہا ہے اور مرہٹے میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

راج کوٹ کے سبب سے پورا کاٹھیاواڑ شعلہ فشاں ہے۔ ایک عظیم الشان عوامی بے داری رُونما ہے اور اگر ریزیڈنٹوں نے بیچ کس نہ دیئے ہوتے تو رجواڑوں نے سپر ڈال دی ہوتی۔

امید ہے کہ تم تن درست اور چاق چوبند ہو گے۔

تمہارا مخلص

وِلّبھ بھائی

۲۵۱۔ از سبھاش چندر بوس

چِرام، ضلع گیا

۱۰ فروری ۱۹۳۹ء

میرے پیارے جواہر

مجھے تمہارا طویل خط کلکتے میں ملا۔ تم نے میری خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں اُن سے پورے طور پر واقف ہوں مگر مجھے اتنا اور کہنے دو کہ قصے کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔ علاوہ بریں وہ رُکاوٹیں بھی کسی کو نہ بھولنی چاہئیں جن سے مجھ کو نبرد آزما ہونا پڑا۔ اِس خط میں میں اِن رُکاوٹوں کی نسبت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ کچھ تو اِس لئے کہ اس ذِکر سے ایک بحث شروع ہو جائے گی اور کچھ اس لئے کہ مجھے دوسرے لوگوں پر الزام رکھنا پڑے گا۔ اصل چیز اس وقت تری پوری کانگریس کے لئے ایک پروگرام تیار کرنا ہے۔ جے پرکاش تم سے بارہویں کو ملیں گے اور پروگرام سے متعلق میری رائے تم سے بیان کریں گے۔ اسی تاریخ کو میں بھی تم سے ملنا پسند کرتا مگر میں نہیں سمجھتا کہ میں ایسا کر پاؤں گا۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ ماہِ رواں کی بیسویں کو میں تم سے الٰہ آباد میں ملوں۔

میں نے راج کوٹ وغیرہ کے متعلق تمہارا بیان دیکھا۔ بڑا عمدہ بیان ہے مگر میری نظر میں اُس میں ایک نقص ہے۔ برطانوی حکومت رجواڑوں کو آلۂ کار بنا کر کانگریس سے لڑنا چاہتی ہے، مگر اُس کے اِس دام میں ہرگز نہ آنا چاہیے۔ ریاستوں کے مسائل پر رجواڑوں سے لڑتے ہوئے ہمیں برطانوی حکومت کو سوراج کے مسئلے پر براہِ راست ایک چیلنج دے دینا چاہیے۔ یہ خیال مجھے تمہارے بیان میں نہیں ملا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم نے سوراج کے مسئلہ کو علیحدہ رکھ کر برطانوی حکومت اور رجواڑوں سے

صرف ریاستوں کے مسائل پر لڑنا شروع کر دیا تو ہم اپنی اصل لڑائی کی صحیح راہ سے بھٹکا دیے جانے کا خطرہ مول لیں گے۔ باقی عند الملاقات۔

تمہارا پُراز محبت
سُبھاش

۲۵۲- از وائی۔ ٹی۔ وو

قومی کمیٹی
چین کی نوجوان مسیحیوں کی انجمن
۱۳۱، میوزیم روڈ، شنگھائے
۲۳ فروری ۱۹۳۹ء

پیارے مسٹر نہرو

آپ سے باردولی میں مل کر میں بخیر و عافیت گھر پہنچا۔ سفر راحت افزا اور خوش گوار رہا۔ باردولی میں اپنے مصروف اوقات میں ازراہِ نوازش آپ نے ہم سے جو ملاقات فرمائی اور پھر جہاز پر آپ نے جو پیغام مجھے بھیجا میں ان عنایتوں کی قدر شناسی کا مکرر اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اس پیغام کا نیز اُس پیغام کا جو آپ نے مسٹر نسائی کو بھیجا، چینی ترجمہ چینی نیز غیر ملکوں کے اخبارات میں سنگاپور، ہانگ کانگ اور شنگھائی تینوں جگہ شایع ہوا۔

یہ خط میں آپ کو اُس گفتگو کی توثیق کی غرض سے لکھ رہا ہوں جو میرے آپ کے درمیان آپ کی خود نوشت سوانح حیات کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے کے بارے میں ہوئی تھی۔ ہم اس کام کو جلد ہی ہاتھ میں لینے والے ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے ناشرین کو اس ترجمے کی اطلاع دے دینی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے باردولی میں آپ کو بتایا، چین بین الاقوامی حقوق طباعت کی اسکیم تسلیم نہیں کرتا، اور وہ برابر مصنفین یا ناشرین سے اجازت لیے بغیر بھی کتابوں کے ترجمے کرتا رہا ہے۔ بہ ہر حال ہمارے پریس کی انجمن نے اپنا طرزِ عمل یہ رکھا ہے کہ وہ کم از کم مصنفین کو مطلع کر دیا کرتی ہے اور جب ممکن ہوتا ہے اُن کو ترجموں کے کچھ نسخے اخلاقاً بھیج دیا کرتی ہے۔

ممکن ہے کہ ہمیں آپ کی خودنوشت سوانح حیات کے ترجمے میں اس غرض سے کسی قدر اختصار سے کام لینا پڑے کہ کتاب کا حجم اتنا رہے کہ عام طور پر لوگ اسے خرید سکیں۔ لیکن اگر آپ کو اس اختصار پر کوئی اعتراض ہو تو ہم اختصار نہ کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کی یہ کتاب بہ چینی قارئین کے لئے گاندھی جی کی خودنوشت سوانح حیات کی طرح، جس کا ترجمہ چند سال پہلے چینی زبان میں ہوا، بہت جوش انگیز اور پرتاثیر ثابت ہوگی۔

پر از محبت احترامات کے ساتھ
آپ کا نہایت مخلص
وائی۔ ٹی۔ وو
ایڈیٹر مسؤل

۲۵۳۔ بہ نام سرت چندر بوس

الہ آباد
۲۴ مارچ ۱۹۳۹ء

میرے عزیز سرت

گاندھی جی مولانا آزاد کو دیکھنے کی غرض سے آج صبح الہ آباد پہنچے اور مجھے تمہارا وہ خط دکھایا جو تم نے انھیں ۲۱ مارچ کو لکھا تھا۔ میں نے یہ خط رنج و افسوس اور حیرت کے ساتھ پڑھا۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، سربرآوردہ کانگریسیوں کے درمیان پالیسی اور پروگرام سے متعلق اختلاف آراء موجود ہے اور ہم نے اکثر اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر کا اظہار بھی کر دیا ہے، بایں ہمہ ہم مل جل کر کام کرتے رہے ہیں۔ عموماً کانگریس نے گاندھی جی کے پروگرام کی پیروی کی ہے اور ان کی قیادت تسلیم کی ہے۔ ذاتی طور پر میں اس اختلاف آراء میں کوئی نقصان نہیں دیکھتا بشرطیکہ ہم سب ایک رشتے میں منسلک رہیں اور متحد ہو کر کام کریں۔ یہ اختلافات ہماری تحریک میں ہماری زندگی اور قوت کی علامتیں ہیں۔ مگر تمہارے خط میں مشکل ہی سے کوئی اشارہ پالیسی یا پروگرام کے کسی مسئلے کی طرف پایا جاتا

ہے۔ اس میں شخصی اور ذاتی مسائل پر بحثیں ہیں اور بعض خاص اشخاص پر سنگین الزامات ہیں۔ یہ اندازِ گفتگو بحث و استدلال کی سطح کو پست کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یا گروہ کسی دوسرے شخص یا گروہ کی نسبت ایسے خیالات رکھتا ہے تو پھر کسی مشترک کام میں باہم تعاون ناممکن ہو جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس موضوع پر تمہارا خط کہاں تک سبھاش کے افکار و آراء کی ترجمانی کرتا ہے۔ بہرصورت یہ ظاہر ہے کہ جو شخصی و ذاتی مسائل تم نے چھیڑ دیئے ہیں، جب تک کہ وہ صاف نہیں ہو جاتے، نتیجہ خیز اور مؤثر تعاون کی راہ میں سنگِ راہ بنے رہیں گے۔

تمہارے خط نے ذاتی سوال کو تیز و تلخ بنا دیا ہے مگر یہ سوال اس سے پہلے بھی موجود تھا اور جیسا کہ تم جانتے ہو تری پوری میں یہی سوال پوری فضا پر غالب رہا۔ صدارتی انتخاب کے دو یا تین دن بعد جب میں سبھاش سے ملا تو میں نے اس سوال کی اہمیّت محسوس کی اور میں نے سبھاش سے باصرار درخواست کی کہ وہ اس سوال کو صاف کر ڈالیں۔ اس کے فوراً ہی بعد چوتھی فروری کو میں نے اُن کو ایک طویل خط لکھا جس میں میں نے اُن سے درخواست کی کہ جہاں تک اس بحث سے اُن کی ذات کا تعلّق ہے وہ اِس سلسلے کے سیاسی مسائل صاف کر ڈالیں اس لئے کہ بائیں اور داہنے کی مبہم اور غیر واضح باتیں بہت ہو چکیں اور جن سے صورتِ حال پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ آگے چل کر میں نے شخصی اور ذاتی پہلو کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُن کو یہ لکھا:

> "قومی معاملات کچھ اصول اور کچھ پالیسیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اُن کے اندر باہم ایک دوسرے کو سمجھنا اور رفقائے کار کی نیک نیتی پر ایمان و اعتماد رکھنا بھی مضمر ہوتا ہے۔ اگر اس میں باہمی تفاہم اور اعتماد کی کمی ہو تو پھر کوئی سودمند تعاون بہت دشوار ہوتا ہے۔ جیسے جیسے میری عمر زیادہ ہوتی گئی ہے ویسے ویسے میں رفقائے کار کے مابین اس قسم کے ایمان، اعتماد اور حسنِ تفاہم کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دینا گیا ہوں۔ بہتر سے

بہتر اصول بھی میرے کس کام کے اگر متعلقہ شخص پر مجھے اعتماد اور بھروسہ ہی نہ ہو؟ آج بہت سے صوبوں میں پارٹیوں کے درمیان جو رقابتیں پائی جاتی ہیں وہ اسی بات کی روشن مثالیں ہیں۔ ان رقابتوں نے انتہا کی تلخی اور ناگواری پیدا کر دی ہے، اور ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ لوگ بھی جو معمولی حالات میں شریف، راست باز اور دیانت دار ہوتے ہیں جوشِ رقابت میں اصولِ اخلاق کی پابندی سے قطعاً آزاد ہو جایا کرتے ہیں۔ میں اس قسم کی سیاست برداشت نہیں کر سکتا اور میں نے کافی برسوں سے خود کو اُن سے علیحدہ رکھا ہے۔ میں یکہ و تنہا اپنے فرائض انجام دیا کرتا ہوں، اپنا معاون و مددگار نہ کوئی جتھا رکھتا ہوں اور نہ کوئی دوسرا شخص، اگرچہ خوش قسمتی سے مجھے بہت سے لوگوں کا اعتماد حاصل ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ صوبائی الخطاط پذیری اب صوبائیت کی حد سے گزر کر کُل ہند سطح تک پہنچتی جا رہی ہے۔ یہ معاملہ میرے لئے نہایت سخت تشویش کا موجب ہے"۔

اچھا اب ہم اس طرف واپس آتے ہیں: سیاسی مسائل کے پیچھے کچھ نفسیاتی مسائل بھی ہوتے ہیں اور اِن مسائل سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ دشوار تر ہوا کرتا ہے۔

ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے سامنے اپنے دل کھول کر رکھ دیں اور اس لئے مجھے امید ہے کہ ہم سب پورے طور پر صاف دل اور صاف گو ہو جائیں گے"۔

بدقسمتی سے سبھاش کو وقت نہیں ملا یا اُن کا دل اِس طرف مائل نہیں ہوا کہ وہ سیاسی تنقیح طلب نکات کو صاف کر ڈالیں یا شخصی مسائل کو واضح کر ڈالیں۔ جب وہ گاندھی جی سے ملنے کو واردھا جا رہے تھے تب بھی میں نے اُن سے

بہ منت درخواست کی کہ وہ شخصی اور ذاتی پہلو پر صفائی کے ساتھ بحث کر ڈالیں اس لئے کہ اپنے بیانات میں جو الزامات انھوں نے لگائے ہیں وہ بڑے سنگین ہیں اور وہ جہاں کے تہاں نہیں چھوڑے جا سکتے۔ بعد کو انھوں نے جو توجیہات یا تشریحات کیں اُن سے معاملات بہتر قطعاً نہیں ہوئے۔ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے متعلق گاندھی جی سے باتیں کریں گے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ انھوں نے گاندھی جی سے اِس کا ذِکر تک نہیں کیا۔

جیسا کہ میں ڈر رہا تھا، یہ معاملہ اسی طرح کانگریس کے سامنے آیا، اور اُس نے دوسرے مسائل پر جو غور و فکر ہو رہا تھا اُس کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ میری اپنی روش اس معاملے میں وہی رہی جو میری مخصوص روش ہے اور میں دونوں جانب کے لوگوں میں سے کسی جانب کے کسی شخص کے آراء و افکار سے پورا پورا اتفاق نہ کر سکا لہٰذا میں نے مضامین کی کمیٹی نیز کانگریس کے عام اجلاس دونوں جگہ بحث میں حصّہ لینے سے خود کو باز رکھا۔ میں نے شدّت کے ساتھ محسوس کیا کہ صدر نے اپنے بیانات میں جو الزامات لگائے ہیں وہ اُن کے رفقائے کار کے ساتھ بے انصافی پر مبنی ہیں، صدر کو اپنے یہ الزامات واپس لے لینے چاہئیں۔ کانگریس کے عام اجلاس میں میں نے جو مداخلت کی وہ محض قائمُ مقام صدر کی حیثیت سے کی تھی اور اس کی غرض صرف یہ تھی کہ میں انگریزی زبان میں یہ بتا دوں کہ طریقِ کار کون سا اختیار کیا جانا چاہیے۔ کسی وجہ سے بعض مندوبین نے میرا بولنا مطلق پسند نہیں کیا، اگرچہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ میں کہنے والا کیا ہوں اور پھر انھوں نے منظّم طور پر رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں جس کو تم نے بھی دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے ایسے موقع پر بیٹھ جانا یا ان چند مندوبین کی خلل اندازی سے دب جانا مناسب نہ ہوگا جب کہ تقریباً ایک لاکھ مندوبین اور عام حاضرینِ اجلاس جو نہایت حیرت انگیز ضبط و سکون سے کام لے رہے تھے میری تقریر سُننے کے خواہش مند تھے۔ اس لئے ڈیڑھ گھنٹے تک میں ڈٹا رہا۔ مجھ کو اِس بات کا یقیناً اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس وقت چند لمحوں کے لئے میں بھی آپے سے باہر ہو گیا تھا جب میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ تو شہدا پن اور فاشستی طرزِ کار ہے۔

میں نے یہ بات حاضرین سے نہیں، تم سے کہی تھی، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مائیکروفون نے میرے بعض کلمات حاضرین تک بھی پہنچادیئے ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے غصّہ آگیا مگر تم یقیناً اس بات کو محسوس کروگے کہ اِس سب کا مجھ پر بہت خراب اثر پڑ رہا تھا۔

میں نے اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ اس واقعے کا تعلق میری ذات سے تھا۔ دوسرے جن معاملات کا تم نے ذِکر کیا ہے اُن میں سے بیشتر کا مجھے علم نہیں ہے مگر جو الزامات تم نے لگائے ہیں وہ اس درجہ حیرت انگیز ہیں کہ میں اُن کی صحت کا بہ مشکل یقین کر سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اجلاسِ کانگریس کے دَوران میں وسیع پیمانے پر کنویسنگ کی جارہی تھی اور اس وقت ہر قسم کی باتیں کہی گئی ہوں گی۔ مجھے چوں کہ اس قسم کی باتوں سے نفرت سی ہے اس لیے میں دور ہی دور رہا اور بجز یو۔پی۔ پی۔سی۔سی کی ایک میٹنگ میں شریک ہونے کے جو بالکل ہی ابتدا میں ہوئی تھی میں مندوبین کی قیام گاہوں پر بھی نہیں گیا۔ تمھارے الزامات، بہر حال، پُرانی مجلسِ عاملہ کے بعض سربرآوردہ ممبروں کے خلاف ہیں۔ میں اِن الزامات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے اتفاق کروگے کہ ایسے سنگین الزامات بغیر صریح اور معیّن ثبوت کے یوں ہی سرسری طور پر لوگوں کے خلاف عائد نہیں کیئے جاسکتے۔ کسی کا بھی یہ کہنا کہ سبھاش کی علالت محض ایک حیلہ تھی احمقانہ اور نامعقول سی بات تھی اور میرے رفقائے کار میں سے کسی نے بھی میرے علم میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ہم سب اُن کی علالت سے سخت پریشان تھے۔

جو کچھ بھولا بھائی کے بارے خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا تو اس کا جواب دینا اُن کا کام ہے۔ مجھ کو یہی فرض کرلینا پڑے گا کہ تم نے غلط سمجھا اس لئے کہ میں اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ وہ کوئی ایسی بات کہیں گے۔

قائمُ مقام صدر کے فیصلوں یا ان کے طرزِ عمل سے متعلق کچھ کہنا میرا کام نہیں ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ جب تم معاملے پر دوبارہ غور کروگے تو مجھ سے

اتفاق کرو گے کہ وہ ایک بڑے دشوار مقام پر تھے تاہم انھوں نے اجلاس کی کارروائیوں کی رہبری بڑے وقار اور عدل و انصاف کے ساتھ کی۔ وہ چاہتے تو ضابطے کے ایک نقطے کو کھینچ تان کر تمھیں "مطالبۂ قومی" پر اپنی ترمیم پیش کرنے کی اجازت دے سکتے تھے مگر صورتِ واقعہ یہ تھی کہ تمھیں اپنا زاویۂ نظر کانگریس کے سامنے رکھنے کا پورا موقع حاصل تھا۔ جب ووٹ دینے کا وقت آیا تو تم تنہا وہ شخص تھے جس نے تجویز کے خلاف ووٹ دیا۔ کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمھارے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر مجھے کس قدر حیرت ہوئی اس لئے کہ میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی کانگریسی جو اپنے آپ کو بائیں بازو والا کہتا ہے وہ اس تجویز کے خلاف ووٹ دے سکتا ہے۔

جب تک میں تری پوری میں تھا مندوبین کے خیموں سے ہر قسم کی رپورٹیں اور افواہیں میرے پاس پہنچتی رہا کرتی تھیں جن میں سے بعض نہایت مکروہ اور ناگوار قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ مگر میں ثبوت کے بغیر کسی رپورٹ یا افواہ پر اعتبار نہیں کیا کرتا تھا۔ مگر ایک ایسا معاملہ تھا جس میں کچھ تفتیش کرنی چاہیے تھی یہ مندوبینِ بنگال کے نام مندوبین کے ٹکٹوں کا اجرا ہے۔ ذمے دار شخصوں کا بیان ہے جس کی توثیق ایک حد تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر نے بھی کی، کہ ان ٹکٹوں کی ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کے نام جاری کرائی گئی جو تری پوری آئے ہی نہیں تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ مندوبین کے کانگریس تک لے آنے پر بڑی رقمیں خرچ کی گئیں۔

میرا خیال ہے کہ جو مختلف قسم کے اور متعدد الزامات تم نے یا اور لوگوں نے لگائے ہیں اُن کی یک گونہ تحقیقات کرا لینا اچھا ہوگا۔ یہ درست نہیں ہے کہ ایسے الزامات مبہم طور پر لگا دیے جائیں۔ یہ الزامات اتنی سی بات سے ثابت نہیں ہو جاتے کہ لوگ اُن کے درست ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم اپنی قومی زندگی کا اس پستی تک اُتر آنا گوارا نہیں کر سکتے کہ ہم ایک دوسرے کو مجرم ٹھیراتے رہیں۔

تم نے کانگریسی وزرا کی طرف اشارہ کیا ہے میں اُن کی سب ہی سرگرمیوں

کا مدّاح نہیں ہوں، مگر ان لوگوں نے تری پوری کے اجلاس میں جو حصّہ لیا اُس پر تمھارا معترض ہونا میرے لئے موجبِ حیرت ہے۔ کیا اب اُن کو محض اس لئے کانگریس میں کوئی حصّہ نہ لینا چاہیے کہ وہ وزیر ہیں؟ یہ ایک بالکل نیا اور میرے خیال میں ایک غلط قضیہ ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں اِن وزراء نے اپنی شخصی و ذاتی حیثیوں سے کام کیا ہے اور جس کا اُنھیں قطعاً حق حاصل تھا۔ تم نے جو اُن کے "مادّی اثر" کا ذکر کیا ہے تو اُس کے معنی کیا ہیں؟ میرے خیال میں یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیے، اس لئے کہ یہ لفظ اپنے اندر عجیب و غریب معنی مضمر رکھتا ہے جو بالکل حق بجانب نہیں ہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ کانگریس کی سرگرمیوں میں وزراء کے حصّہ لینے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ کانگریس پر چھائے رہیں گے۔ وزراء اس سے بہت دُور ہیں۔

مجھ کو امید تھی کہ اندرونی اور بیرونی بحرانوں کے اس زمانے میں کانگریسیوں کے درمیان ایک بڑی حد تک تعاون ممکن ہوگا اور میں نے اس مقصد کے لئے تری پوری میں بھی جدّ و جہد کی اور اُس سے پیشتر بھی۔ مجھے تو یہ ایک ظاہر سی بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی اقدام یا کسی بائیں بازو والے پروگرام کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم اپنا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریقے پر انجام دیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو تمام پروگرام بے سود اور بے نتیجہ ہیں۔ مگر یہاں ہم اسی مؤثر اور نتیجہ خیز عمل کی کمی ہے جو بتدریج مگر یقینی طور پر ہم لوگوں پر چھاتی چلی جا رہی ہے۔ اسی سبب سے میں نے دہلی سے سبھاش کو تار دیا تھا اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ تری پوری کی قرارداد کے مطابق مجلسِ عاملہ جلد ترتیب دے دینی چاہیے۔ میں نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ بین الاقوامی صورتِ حال پر غور کرنے کی غرض سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک نشست بھی منعقد کی جا سکتی ہے۔

تری پوری کی قرارداد میں دو باتیں ملحوظ رکھی گئی تھیں: ایک یہ کہ صدرِ کانگریس اور گاندھی جی کے درمیان تعاون باقی رہے، دوسری یہ کہ کانگریس کی جو پالیسی اب تک رہی ہے کم و بیش وہی پالیسی بلا انقطاع باقی رکھی جائے۔ تمھارے خط سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا امکان نہیں ہے۔ مجھے

نہیں معلوم کہ آیا سبھاش کی بھی یہی رائے ہے، اگر اُن کی بھی یہی رائے ہے تو صریحاً ایک گتھی سی پڑگئی، جس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی ہی سلجھا سکتی ہے۔ اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست جس قدر جلد بلالی جائے، بہتر ہے۔

میں نے ہمیشہ یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی ہے اور اب بھی کرتا ہوں کہ جس پالیسی اور جس پروگرام پر ہمیں چلنا ہے اُس کے متعلق ہمارے دماغوں کا صاف ہونا لابدی طور پر ضروری ہے۔ اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ نام نہاد بائیں بازو والوں کے دماغ صاف ہونے ضروری ہیں۔ ابہام وتاریکی میں رہ کر اپنے آپ کو حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دینا اور قسمت آزمایانہ صورت اختیار کرلینا بائیں بازو کے لئے خطرناک ہے۔ میں نے سبھاش سے درخواست کی تھی کہ اپنی پوزیشن صاف کردیں، اور اب تم سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں۔ میں بہت سے ایسے لوگوں کو جو اپنے آپ کو بائیں بازو والے کہتے ہیں ایسے طریقۂ کار اور ایسی پالیسیاں تجویز کرتے ہوئے پاتا ہوں جو بالکل داہنے بازو والوں جیسی اور متناسب ہوا کرتی ہیں۔ بنگال میں ملی جلی وزارت ترتیب دینے کا سوال ہی لے لو۔ بعض حالات میں ایسا سوچا جا سکتا ہے مگر اس وقت تو قطعاً یہ ایک داہنے بازو والوں جیسی تحریک ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ بنگال میں تو تم ایک ملی جلی سی وزارت قائم کرنی چاہو اور وہ بھی ایک مشتبہ سی سرپرستی میں اور دوسری طرف تم دوسرے صوبوں کی کانگریسی وزارتوں پر اعتراض کرو جو اپنی تمام خامیوں کے باوجود بہتر حالات میں کام کر رہی ہیں۔ یہ کیوں؟

تم نے تری پوری کے اجلاس کی کارروائیوں میں مجلسِ عاملہ کے بعض پرانے ممبروں کے مخل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے تمھاری مراد کیا ہے، سوائے اس کے کہ تم کو کسی ایک شخص یا گروہ کے کانگریس کے سامنے کوئی تجویز لے آنے پر کوئی اعتراض ہو۔ اس کے سوا اور کسی خلل اندازی کا مجھے علم نہیں ہے۔

تم نے اپنے خط میں ایسی زبان استعمال کی ہے جو نہایت ہی سخت اور ترش ہے۔ میں نے اس خط کو بڑے رنج و افسوس کے ساتھ پڑھا اور اتنی سخت اور ترش زبان استعمال کرنے کے لئے میں نے کوئی وجہ جواز نہیں پائی جس بات سے مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچی وہ یہ ہے کہ شخصی موازنہ نے تمام سیاسی مسائل کو ماند کر دیا۔ اگر کانگریسیوں کے درمیان ٹکراؤ ہونا ہی ہے تو میں چاہوں گا کہ اس ٹکراؤ کو ایک بلند تر سطح پر پالیسی کے معاملات اور اصول تک ہی محدود رکھا جائے۔

اس خط کی ایک نقل میں سبھاش کو بھی بھیج رہا ہوں۔ گاندھی جی نے بھی اس کو دیکھ لیا ہے۔

تمہارا مخلص

جواہر لعل نہرو

شری سرت چندر بوس
کلکتہ

۲۵۴۔ از سبھاش چندر بوس

ڈاک خانہ جیال گورا
ضلع مان بھوم، بہار
۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جواہر

میں دیکھ رہا ہوں کہ ادھر کچھ دنوں سے مجھ سے تمہاری بے زاری بہت بڑھ گئی ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہر ایسی بات کو جو میرے خلاف کہی جا سکتی ہے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنا لیتے ہو مگر جو بات میری تائید میں کہی جا سکتی ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہو۔ میرے سیاسی مخالفین میرے خلاف جو کچھ بھی کہتے ہیں تم اسے باور کر لیتے ہو گر جو بات اُن کے خلاف کہی جا سکتی ہے اُس سے تم آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ درج ذیل سطور میں میں اس کو مثالیں دے کر واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

تم مجھ سے اتنے سخت بے زار کیوں ہو گئے ہو میرے لئے ایک معما

ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں جب سے ۱۹۳۷ء میں نظر بندی سے رہا ہوا ہوں تمہارے ساتھ خواہ نجی صحبتوں میں، خواہ پبلک زندگی میں، انتہائی احترام اور پاس و لحاظ کے ساتھ پیش آتا رہا ہوں۔ سیاست میں میں نے تم کو بڑا بھائی اور رہبر مانا ہے اور اکثر تم سے صلاح لی ہے۔ جب تم سالِ گزشتہ یورپ سے واپس آئے تو میں نے خود الٰہ آباد جا کر تم سے پوچھا کہ تم ہماری کیا رہنمائی کرو گے۔ عموماً جب کبھی میں تمہارے پاس اس نیت سے گیا ہوں تو تمہارے جوابات ہمیشہ مبہم اور گول مول سے رہے ہے۔ مثلاً، سالِ گزشتہ جب تم یورپ سے واپس آئے تب تم نے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم پہلے گاندھی جی سے مشورہ کرو گے اور تب مجھے بتاؤ گے۔ جب تم گاندھی جی سے مل لئے اور میں تم سے واردھا میں ملا تب پھر تم نے مجھ سے کوئی صاف اور واضح بات نہیں کہی۔ بعد کو تم مجلس عاملہ کے سامنے کچھ ایسی تجویزیں لے آئے جس میں نہ تو کوئی نئی بات تھی اور نہ ملک کے لئے کوئی رہبری و رہنمائی۔

گزشتہ صدارتی انتخاب کے بعد ایک تند و تیز مباحثہ شروع ہو گیا جس میں بہت سی باتیں کہی گئیں، کچھ میرے موافق اور کچھ میرے خلاف۔ تمہاری تقریروں اور بیانوں میں میرے خلاف ہر بات بڑھا کر بیان کی گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تم نے دہلی کی اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اس انتخاب میں میرا اپنے لئے ووٹ طلب کرنا یا دوسروں کا میرے لئے ووٹ طلب کرنا تم نے پسند نہیں کیا۔ تمہارے خیال میں اس قسم کی ووٹ طلبی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ میں نہیں جانتا کہ واقعی تمہارے ذہن میں کیا تھا، مگر یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے اس واقعہ سے خوشی کے ساتھ تغافل برتا کہ میری انتخابی اپیل اُس وقت شائع ہوئی جب ڈاکٹر پٹا بھی کی اپیل پریس میں چھپ چکی تھی۔ جہاں تک کنویسنگ کا تعلق ہے تم نے دانستہ یا نادانستہ اِس واقعہ سے تغافل برتا ہے کہ دوسری جانب سے اس میں کہیں زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا گیا اور ڈاکٹر پٹا بھی کے لئے ووٹ حاصل کرنے میں کانگریسی وزارتوں کی مشینری کو جی کھول کر کام میں لایا گیا۔ دوسری جانب ایک باضابطہ تنظیم تھی (گاندھی سیوا سنگھ، کانگریسی وزارتیں اور

شاید چرخہ سنگھ اور اے۔ آئی۔ وی۔ آئی۔ اے بھی)، جو فوراً حرکت میں لائی گئی۔ مزید براں، دوسری جانب میرے خلاف تمام با اثر اور اہم شخصیتیں اور تم خود بھی اور تمھارے ساتھ مہاتما گاندھی کے نام اور اُن کی ساکھ کا پورا اثر بھی موجود تھا۔ صوبائی کمیٹیوں کی اکثریت بھی اِسی فریق کے ہاتھوں میں تھی۔ مگر اِس فریق کے خلاف میرے پاس کیا تھا ـــــ تنہا ایک شخص! کیا تم جانتے ہو، جیسا کہ میں اپنی ذاتی علم کی بنا پر جانتا ہوں ـــــ کہ بہت سے مقامات پر ڈاکٹر پٹابھی کے لئے نہیں بلکہ گاندھی جی اور گاندھی اِزم کے لئے ووٹ طلب کئے گئے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اِس دو رُخے اور بدنیت پروپگنڈے کا اثر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم تم نے ایک عام جلسے میں کھڑے ہو کر ایسی بنیادوں پر مجھے بدنام اور رُسوا کرنے کی کوشش کی جو قطعاً بے بنیاد اور غلط معلوم ہوتی ہیں۔

اب استعفوں پر آیئے۔ بارہ ممبروں نے استعفے دے دیئے۔ ان لوگوں نے ایک واضح اور بے لاگ خط لکھا ـــــ ایک شستہ خط ـــــ جس میں انھوں نے اپنی پوزیشن بہت صفائی کے ساتھ واضح کر دی۔ میری علالت کا لحاظ کرتے ہوئے ان لوگوں نے میرے بارے میں ایک لفظ بھی سخت و درشت نہیں کہا، حالاں کہ اگر وہ چاہتے تو مجھ پر سخت تنقید کر سکتے تھے۔ مگر تمھارا بیان ـــــ اِس کے بارے میں کیا کہوں؟ میں سخت زبان استعمال کرنے سے اجتناب کروں گا اور صرف اتنا کہوں گا کہ وہ تمھاری شان کے شایاں نہیں تھا (مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم یہ چاہتے تھے کہ تمھارا یہ بیان استعفے کے عام خط میں شامل کر دیا جائے مگر اور لوگوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا)۔ پھر، پڑھنے والا تمھارا بیان پڑھ کر یہ اثر لیتا ہے کہ اور لوگوں کی طرح تم نے بھی استعفیٰ دیا ہے ـــــ مگر اب تک عام پبلک کے لئے تمھارا مقام ایک معمّا بنا ہوا ہے۔ جب کوئی بحران آتا ہے تو اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ تمھارا دماغ کوئی دو ٹوک فیصلہ کر لینے میں کامیاب نہیں ہوا کرتا ـــــ نتیجے میں پبلک کو ایسا نظر آتا ہے جیسے تم

دو گھوڑوں پر سوار ہو۔

اپنے ۲۲ر فروری کے بیان کی طرف واپس آؤ۔ تمھارا یہ خیال ہے کہ تم جو کچھ کہا یا کیا کرتے ہو اس میں نہایت ہی منطقیانہ، یک رنگ اور بااصول ہوتے ہو۔ مگر مختلف موقعوں پر ایسا ہوا ہے کہ لوگ تمھارے رویّہ پر حیرت زدہ اور پریشان سے رہ گئے ہیں۔ چند مثالیں لو۔ اپنے ۲۲ر فروری کے بیان میں تم نے کہا ہے کہ تم میرے دوبارہ منتخب کئے جانے کے خلاف تھے اور اس کے کچھ اسباب دیے ہیں۔ اس بیان میں تم نے جو اسباب بیان کئے ہیں اُن کا مقابلہ اُن اسباب سے کرو جو تم اپنے ۲۶ر جنوری کے الموڑہ سے جاری کردہ بیان میں دیتے ہو۔ تم نے صاف طور پر اپنی جگہ بدل دی ہے۔ مزید برآں، بمبئی کے کچھ دوستوں نے مجھ سے بیان کیا کہ تم نے اُن لوگوں سے کہا تھا کہ اگر میں بائیں بازو والوں کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہوں تو تمھیں میرے کھڑے ہونے پر اعتراض نہ ہوگا۔

تم نے اپنے الموڑہ کے بیان کے خاتمے پر کہا تھا کہ ہمیں اشخاص کو بھول کر صرف اصول اور قومی مقصد کو یاد رکھنا چاہیئے۔ یہ بات تمھارے ذہن میں کبھی نہیں آئی کہ تم ہم کو اشخاص کے بھول جانے کی نصیحت اُسی وقت کیا کرتے ہو جب معاملے کا تعلق کچھ خاص اشخاص سے ہوا کرتا ہے۔ جب سبھاش بوس کے دوبارہ انتخاب کے لئے کھڑے ہونے کا سوال سامنے آتا ہے تب تم اشخاص کو پسِ پُشت ڈال کر اصول وغیرہ کی اہمیت پر زور دینے لگتے ہو۔ جب مولانا آزاد دوبارہ انتخاب کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تم اُن کی شان میں ایک طویل قصیدہ لکھنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ جب معاملہ سبھاش بوس کا سردار پٹیل اور دوسروں کے خلاف ہو تو سبھاش کے لئے پہلے شخصی مسئلہ صاف کر ڈالنا ضروری اور لازمی ہے۔ جب سرت بوس تری پوری کی بعض باتوں کی شکایت کرے (مثلاً اُن لوگوں کے طرزِ عمل اور روش کے خلاف جو اپنے آپ کو گاندھی جی کا کٹّر پیرو کہتے ہیں) تو وہ بہ قول تمھارے شخصی اور ذاتی مسائل پر آرہا ہے جب کہ اُسے خود کو اُصول

اور پروگرام تک محدود رکھنا چاہیئے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرا دماغ تمھاری یک رنگی اور اصول پرستی کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

اب مجھے اُس شخصی سوال پر آجانے دو جو میرے بارے میں تمھارے نزدیک اس درجہ اہم ہو جاتا ہے۔ تم نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے اپنے بیانات میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے انصافی کی ہے۔ ظاہر ا تم ان ساتھیوں میں نہیں تھے ۔۔۔ اور اگر میں نے کوئی الزام لگایا ہے تو دوسروں کے خلاف لگایا ہے اس لئے اب تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ اپنی مدافعت میں نہیں، بلکہ دوسروں کی وکالت میں کہہ رہے ہو۔ عموماً وکیل اپنے مؤکّل سے زیادہ خوش بیان ہوتا ہے۔ اس لئے یہ جاننا تمھارے لئے موجب حیرت ہوگا کہ جب میں نے تری پوری میں سردار پٹیل (راجن بابو اور مولانا) سے اس مسئلہ پر باتیں کیں تب انھوں نے مجھے یہ حیرت انگیز بات بتائی کہ میرے خلاف ان کی اصل شکایت، یا الزام گزشتہ جنوری کی باردولی والی نشستِ مجلسِ عاملہ سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے اور جب میں نے اُلٹ کر یہ جواب دیا کہ پبلک کا عام تاثر یہ ہے کہ میرے خلاف اصل شکایت یا الزام میرے "انتخابی بیانات" سے تعلق رکھتا ہے تو اس پر انھوں نے کہا کہ وہ ایک مزید الزام ہے۔ تو اب بہرصورت تمھارے مؤکّلوں نے اس "بہتان طرازی والے معاملے" کو وہ اہمیت نہیں دی جو تم نے اُن کے وکیل کی حیثیت سے دی تھی۔ تری پوری میں چوں کہ سردار پٹیل اور دوسرے اصحاب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست میں شریک ہونے کے لئے چلے گئے اور اگرچہ واپس آنے کا وعدہ کر گئے تھے مگر واپس نہیں آئے، تو میں ٹھیک یہ جاننے کی غرض سے کہ باردولی کی نشستِ مجلسِ عاملہ سے پہلے کے وہ کون سے واقعات تھے جن کی طرف اِن لوگوں نے اشارہ کیا ہے معاملے کو آگے نہیں بڑھا سکا۔ مگر میرے بھائی سرت نے سردار پٹیل سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی۔ مؤخر الذکر نے میرے بھائی کو بتایا کہ اُن کی اصل شکایت کی بنا میری اُس روش پر ہے جو میں نے ستمبر ۱۹۳۸ء میں دہلی کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی

نشست میں اختیار کی تھی جس پر راشٹرا کی اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ یہ الزام میرے لئے نیز میرے بھائی کے لئے انتہائی حیرت انگیز تھا مگر ضمناً اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ سردار پٹیل اور دوسرے لوگوں کے دماغوں میں اس "بہتان طرازی" والے معاملے کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو تم نے اُسے دے رکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب میں تری پوری میں تھا تب متعدد مندوبین نے (جو میرے مؤید نہیں تھے، اتنا تم کو بتا دوں) مجھ سے بیان کیا کہ اس "بہتان طرازی والے معاملے" کو دراصل لوگ بھول چکے تھے یہاں تک کہ تمہاری تقریروں اور بیانوں سے یہ بحث پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس سلسلے میں میں اتنا تم سے کہہ دوں کہ صدارتی انتخاب کے بعد سے اب تک پبلک کی نظر میں مجھے ذلیل کرنے کی جتنی کوششیں اکیلے تم نے کی ہیں اُتنی مجلسِ عاملہ کے سابق بارہ ممبروں نے مل کر بھی نہیں کیں۔ بے شک اگر میں اتنا ہی بڑا بدمعاش ہوں تو یہ نہ صرف تمہارا حق ہے بلکہ تمہارا فرض بھی ہے کہ تم پبلک کے سامنے مجھے بے نقاب کر دو۔ مگر شاید تمہارے دل میں یہ بات بھی کھٹکے گی کہ جو شیطان کانگریس کے بڑے سے بڑے راہنماؤں بہ شمول تمہارے، مہاتما گاندھی اور سات یا آٹھ صوبائی حکومتوں کی مخالفت کے باوجود دوبارہ صدر منتخب ہو گیا وہ اپنے اندر کوئی خداداد خوبی ضرور رکھتا ہو گا۔ اُس نے اپنے صدارت کے دوران میں مُلک کی کوئی ایسی خدمت ضرور انجام دی ہو گی جس کی بنا پر کسی تنظیم کی مدد کے بغیر اور باوجود اتنی شدید مخالفتوں کے وہ اپنے لئے اتنے ووٹ کھینچ لایا۔

تم نے اپنے ۲۲ فروری کے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ: "میں نے صدرِ کانگریس کو توجہ دلائی کہ یہ اوّلین اور اہم ترین نقطہ ہے جس پر غور کیا جانا چاہیئے مگر اب تک کوئی کوشش اس سے نپٹنے کی نہیں کی گئی۔" اِن سطروں کے قلم بند کرنے سے پہلے کیا ایک بار بھی یہ بات تمہارے ذہن میں نہیں آئی کہ اس غلط فہمی کی صفائی کے لئے میرا سردار پٹیل اور دوسرے ممبروں سے ملنا ضروری تھا مگر یہ ملاقات ۲۲ فروری کی مجلسِ عاملہ کی نشست

ہی کے زمانے میں ہو سکتی تھی؟ یا تم نے یہ سوچا کہ میں مجلسِ عاملہ کی نشست ہی سے پہلو بچا گیا؟ یہ صحیح ہے کہ ۱۵ ر فروری کو میں نے اس "بہتان طرازی والے معاملے" پر مہاتما گاندھی سے کوئی گفتگو نہیں کی، اگرچہ انھوں نے ایک بار اس کا ذکر بھی کیا، مگر اس معاملے پر مہاتما جی سے گفتگو نہ کرنے میں تو میں تمھارے ہی اس مقولے پر عمل کر رہا تھا کہ شخصی اور ذاتی مسائل پر خاک ڈالو، اصول اور پروگرام کو زیادہ اہمیت دو۔ تاہم میں تم کو اتنا بتا دوں کہ جب مہاتما گاندھی نے مجھ سے کہا کہ سردار پٹیل اور کچھ دوسرے اصحاب ایک ہی کمیٹی میں میرے ساتھ تعاون نہ کریں گے تو میں نے اُن سے کہا کہ ۲۲ ر فروری کو جب ہم سب اکٹھا ہوں گے تب میں اِن لوگوں سے ان معاملات پر گفتگو کر لوں گا اور اُن کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم کو شاید اس بات سے اختلاف نہ ہوگا کہ بہتان، اگر کچھ تھے، تو اُن کا اشارہ مہاتما گاندھی کی طرف نہیں تھا بلکہ مجلسِ عاملہ کے ممبروں کی طرف تھا، اور اس معاملے پر گفتگو اُن ہی سے ہونی تھی نہ کہ مہاتما گاندھی سے۔

مذکور الصدر بیان میں تم نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں بائیں اور داہنے کے الفاظ سے کیا مراد لیا کرتا ہوں اِس کو ٹھیک ٹھیک ضبطِ تحریر میں لا دوں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ایسا سوال کرنے والے تم آخری شخص ہو گے۔ کیا تم وہ رپورٹیں بھول گئے جو تم نے اور آچاریہ کرپلانی نے ہری پورہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کی تھیں؟ کیا تم نے اپنی رپورٹ میں یہ نہیں کہا تھا کہ داہنا بازو بائیں بازو کو دبانے کی کوشش کرتا رہا ہے؟ اگر ان لفظوں "بائیں اور داہنے" کو بہ وقت ضرورت استعمال کرنے کے تم مجاز ہو تو کیا ٹھیک اسی طرح دوسروں کو بھی ان لفظوں کے استعمال کی اجازت نہیں ہو سکتی؟

تم نے مجھ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ میں نے قومی اور بین الاقوامی معاملات سے متعلق اپنی پالیسی واضح نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ، وہ غلط ہو یا صحیح ہو، میں ایک پالیسی رکھتا ہوں۔ تری پوری میں میں نے اپنی مختصر سی

صدارتی تقریر میں اپنی اس پالیسی کا نہایت صاف اور غیر مبہم لفظوں میں اظہار بھی کر دیا تھا۔ ہندوستان، نیز بیرونی ممالک، کی صورتِ حال کے پیشِ نظر وہ تنہا سوال ـــــ وہ تنہا فرض ـــــ جو ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ برطانوی حکومت کے سامنے ہم اپنا مطالبۂ سوراج پوری قوت کے ساتھ رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کی تحریک کی رہنمائی کے لئے جو ہماری تحریک کے ساتھ ہی ساتھ پورے ملک میں جاری ہو، ہمیں ایک جامع اور ہمہ گیر منصوبے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اجلاسِ تری پوری سے پہلے ہی جب ہم شانتی نکیتن میں اور بعد کو آنند بھون میں ملے تھے اپنے خیالات وضاحت کے ساتھ تمھارے سامنے رکھ دیے تھے۔ میں نے ابھی ابھی اوپر جو کچھ لکھا ہے وہ کم از کم ایک متعین اور غیر مبہم پالیسی ضرور ہے۔ کیا اب میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تمھاری پالیسی کیا ہے؟ تم نے اپنے ایک حال کے خط میں اُس قرارداد کا ذکر کیا ہے۔ جو تری پوری میں قومی مطالبہ کی نسبت منظور ہوئی تھی۔ تم اس تجویز کو بڑی اہمیت دے رہے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ ایسی کوئی حسین مگر مبہم سی قرارداد جو پُرانی دھرائی اور فرسودہ باتوں پر مشتمل ہو میرے لئے اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتی۔ ایسی تجویز ہمیں کسی نتیجے تک نہیں لے جاتی۔ اگر ہم اپنے سوراج کے لئے برطانوی حکومت سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ وقت اس جنگ کے لئے موزوں ہے تو آؤ ہم اپنے ارادوں کا صاف صاف اعلان کر دیں اور اپنے کام کو لے کر آگے بڑھیں۔ تم نے مجھ سے کئی بار کہا ہے کہ الٹی میٹم دے دینے کا خیال تمھیں نہیں بھاتا۔ گزشتہ بیس سالوں میں مہاتما گاندھی برطانوی حکومت کو برابر الٹی میٹم دیتے رہے ہیں۔ برطانوی حکومت کے ہاتھوں سے گاندھی جی جو کچھ بھی لے پائے ہیں وہ انھی الٹی میٹموں اور ساتھ ہی ساتھ اگر ضرورت پیش آئی تو لڑنے کی تیاریاں بھی کرتے رہنے کا صدقہ ہے۔ اگر تمھیں واقعی اس بات کا یقین ہے کہ وقت آگیا ہے

کہ ہم اپنے قومی مطالبے کے نفاذ پر زور دیں تو پھر الٹی میٹم دینے کے سوا آگے بڑھنے کا اور کون سا طریقہ ہے؟ کیا تمھیں الٹی میٹم دینے کے خیال پر صرف اس لئے اعتراض ہے کہ اُسے میں پیش کر رہا ہوں؟ اگر یہ بات ہے تو اُسے صاف صاف بغیر کسی ابہام کے کہہ کیوں نہ ڈالو؟

خلاصۂ سخن یہ ہے کہ میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ ہماری داخلی سیاسیات سے متعلق تم کون سی پالیسی رکھتے ہو۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے تمھارے کسی بیان میں پڑھا تھا کہ تمھاری رائے میں راج کوٹ اور جے پور کے معاملوں کے سامنے تمام دوسرے سیاسی مسائل ماند پڑ جائیں گے۔ تمھارے جیسے بلند مرتبت راہ نما کی ایسی رائے پڑھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ میں یہ سمجھنے سے اپنے آپ کو قاصر پا رہا ہوں کہ کوئی دوسرا مسئلہ ہمارے اصل مسئلۂ سوراج کو کیوں کر گہنا سکتا ہے۔ راج کوٹ اس وسیع ملک میں ایک ننھّی سی جگہ ہے۔ جے پور رقبہ میں راج کوٹ سے کسی قدر بڑا ہے، مگر ہماری جو اصل کشمکش برطانوی حکومت کے ساتھ جاری ہے اس کے مقابلے میں جے پور کا مسئلہ بھی مکھّی کے کاٹنے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مزید برایں ہم اس بات کو نہیں بھول سکتے کہ ہندوستان میں کچھ اوپر چھ سو ریاستیں ہیں۔ اگر ہم دوسری تمام ریاستوں میں عوامی جدوجہد کو ملتوی رکھ کر اپنی موجودہ تدریجی، لیت و لعل اور دفع الوقتی ہی کی پالیسی پر چلتے رہے تو ریاستوں میں شہری آزادی اور ذمّے دار حکومتوں کے حصول میں ہمیں ڈھائی سو سال لگ جائیں گے اور تب کہیں جا کر ہمیں اپنے سوراج پر دھیان دینے کی نوبت آئے گی۔

بین الاقوامی معاملات میں تمھاری پالیسی شاید اور بھی زیادہ مبہم اور غیر واضح سی ہے۔ کچھ دن ہوئے جب مجلسِ عاملہ کے سامنے تم نے تجویز پیش کی تھی کہ ہندوستان کو یہودیوں کے لیے جائے پناہ قرار دے دیا جائے، تو مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ جب مجلسِ عاملہ نے تمھاری یہ تجویز (غالباً مہاتما گاندھی کی منظوری کے ساتھ) مسترد کر دی تو تمھیں سخت قلبی اذیت

پہنچی تھی، خارجی پالیسی ایک واقعیت پسندانہ معاملہ ہے جس کی تعیین اور تشکیل قومیں اپنے مفاد کے زاویۂ نگاہ سے کیا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر سویت روس کو لے لو۔ اپنی داخلی پالیسیوں میں مکمل کمیونزم کے باوجود وہ اپنی خارجی پالیسی پر جذبات کو کبھی غالب آنے نہیں دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اپنے مقصد کے لئے موزوں پایا تو اُس کو فرانسیسی شہنشاہیت کے ساتھ عہد و پیمان کر لینے میں کوئی پس و پیش نہیں ہوا۔ فرانس سویت معاہدہ اور چیکوسلاویکیا سویت معاہدہ، یہ دو مثالیں ہیں جو ہمارے مُدعا کو ثابت کرتی ہیں۔ آج بھی سویت روس برطانوی شہنشاہیت کے ساتھ عہد و پیمان کے لئے بے قرار ہے۔ اب ازراہِ کرم یہ بتاؤ کہ تمھاری خارجی پالیسی کیا ہے؟ خالی خولی جذبات اور پارسایانہ فرسودہ باتوں سے خارجی پالیسی نہیں بنا کرتی۔ شکست خوردہ مطالب کی ہمیشہ حمایت کرتے رہنا اور ایک طرف جرمنی اور اٹلی جیسے ملکوں کو مستوجبِ ملامت قرار دیتے رہنا اور دوسری طرف برطانوی اور فرانسیسی شہنشاہیتوں کو نیک چلنی کی سند دیتے رہنا ذرہ برابر مفید نہیں ہے۔

کچھ دنوں سے میں ہر ایسے شخص سے جو ہماری تحریک سے تعلق رکھتا ہے، جس میں مہاتما جی بھی شامل ہیں اور تم بھی، بہ اصرار کہہ رہا ہوں کہ بین الاقوامی صورتِ حال کو ہندوستان کے لئے ضرور کام میں لانا چاہئے۔ اور، اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنا قومی مطالبہ ایک الٹی میٹم کی شکل میں برطانوی حکومت کے سامنے رکھ دینا چاہئے مگر میرے اس اصرار نے مہاتما جی کو یا تم کو مطلق متاثر نہیں کیا، اگرچہ ہندوستان کے ایک بڑے طبقے نے میرے موقف کو بہ نظرِ استحسان دیکھا اور جو ہندوستانی طلبا برطانیۂ عظمیٰ میں زیرِ تعلیم ہیں انھوں نے بہت سے دستخطوں کے ساتھ مجھے ایک تحریر بھیجی جس میں میری پالیسی پر ان نوجوانوں نے اظہارِ پسندیدگی کیا تھا۔ آج جب کہ تمھارے لئے مجھ پر نکتہ چینی کرنی اس لئے ضروری ہو گئی ہے کہ میں نے قراردادِ تری پوری کی عائد کردہ بندشوں کے باوجود مجلسِ عاملہ فوراً بلا تاخیر ترتیب نہیں دے دی تو بین الاقوامی صورتِ حال تمھاری نظر میں دفعتاً

مبالغہ آمیز اہمیت اختیار کرلیتی ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یورپ میں کون سی غیر متوقع بات وقوع میں آگئی ہے؟ کیا بین الاقوامی سیاسیات کا ہر طالب علم اس بات کو نہیں جانتا تھا کہ موسمِ بہار میں یورپ ایک بحران سے دوچار ہونے والا ہے؟ کیا جب میں نے برطانوی حکومت کو ایک الٹی میٹم دے دینے پر زور دینا شروع کیا تب میں نے بار بار اس کی طرف اشارہ نہیں کیا؟

اب آؤ میں تمھارے بیان کا ایک دوسرا حصہ لوں۔ تم کہتے ہو:
"یہ مجلسِ عاملہ سرِدست کوئی وجود نہیں رکھتی اور صدر کو، جیسا کہ وہ غالباً چاہتے بھی ہیں، اپنی تجویزیں ترتیب دینے اور کانگریس کے سامنے پیش کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اُنہی کی خواہش کے مطابق یہاں بندھی ٹکی ضابطے کی کارروائیوں کے لئے بھی کوئی نشست نہیں ہوئی"۔
میں حیرت میں ہوں کہ تمھارے جیسا شخص ایسی نیم غلط بیانیوں کا، یا یہ یوں کہہ دوں کہ سرتاپا غلط بیانیوں کا مرتکب کیوں کر ہو سکا؟ مجلسِ عاملہ کے بارہ ممبر یک بہ یک اور غیر متوقع طور پر اپنے استعفے میرے مُنہ پر مار دیتے ہیں، پھر بھی تم انھیں ملامت نہیں کرتے بلکہ اس مفروضہ بنیاد پر مجھے ملامت کرتے ہو کہ میں غالباً یہی چاہتا بھی تھا کہ تجویزیں مرتب کرنے کی مجھے آزادی حاصل رہے۔ نیز ضابطے کی کارروائیاں انجام دینے سے میں نے تمھیں کب روکا؟ جہاں تک کانگریس کے لئے تجویزیں مرتب کرنے کے اصل کام کا تعلق ہے، اگرچہ میں نے تری پوری کانگریس تک کے لئے مجلسِ عاملہ کی نشستیں ملتوی رکھنے کی تجویز پیش کی تھی مگر کیا پھر بھی میں نے اپنے تار میں سردار پٹیل سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ وہ دوسرے ممبروں سے مشورہ کر کے اُن کی رائے سے مجھے بذریعے تار مطلع کریں؟ اگر اس میں تمھیں کوئی شبہہ ہو تو ازراہِ کرم میرے اُس تار پر ایک نظر ڈال لو جو میں نے سردار کو دیا تھا۔ میرا تار یہ تھا:

"سردار پٹیل، وارد ھا۔ ازراہِ مہربانی میرا تار بنام مہاتما جی دیکھ لیں۔ افسوس کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مجلسِ عاملہ کو کانگریس تک ضرور ملتوی رکھنا چاہیئے۔ ازراہِ کرم رفقائے کار سے مشورہ کیجیے، اور اُن کی رائے سے بذریعے تار مطلع کیجیے ـــــ سُبھاش۔"

تری پوری کانگریس کے اختتام کے ایک ہفتے بعد تم نے مجھے تار دیا کہ کانگریس کے معاملات میں تعطّل پیدا کر دینے کا ذمّے دار میں ہوں۔ تمھارے تمام احساسِ انصاف پسندی کے باوجود تمھارے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں کھٹکی کہ جب تری پوری کانگریس پنڈت پنت کی تجویز منظور کر رہی تھی تب وہ بخوبی جانتی تھی کہ میں سخت بیمار ہوں، مہاتما گاندھی تری پوری نہیں آئے ہیں نیز یہ کہ مستقبل قریب میں ہمارا ایک جا ہونا دُشوار ہوگا۔ تمھارے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں کھٹکی کہ مجلسِ عاملہ کی تشکیل کا اختیار غیر دستوری اور غیر قانونی طور پر میرے ہاتھوں سے لے کر کانگریس تعطّل پیدا کر دینے کی ذمّے داری خود اپنے سر لے رہی ہے۔ اگر پنڈت پنت کی قرار داد نے بلاوجہ دستورِ کانگریس کی خلاف ورزی نہ کی ہوتی تو میں نے ۱۳ مارچ ۱۹۳۹ء کو مجلسِ عاملہ کا تقرر کر دیا ہوتا۔ کانگریس کے اختتام کے ایک ہی ہفتے کے بعد تم نے میرے خلاف ایک عام تحریک شروع کر دی۔ حالاں کہ میری خرابیِ صحت سے بخوبی واقف تھے، اور جو تار تم نے مجھے بھیجا وہ مجھ تک پہنچنے سے پہلے پریس میں آگیا تھا۔ جب تری پوری سے پہلے بارہ ممبروں کے مستعفی ہو جانے کی وجہ سے کانگریس کے کاروبار میں پورے پندرہ دنوں تک تعطّل رہا تب تم نے احتجاجاً ایک لفظ بھی زبان سے نکالا ؟ تم نے ہمدردی کا مجھے ایک لفظ بھی بھیجا ؟ تم نے اپنے ایک حال کے خط میں کہا ہے کہ تم جو کچھ کہتے یا کرتے ہو شخصی حیثیت سے کہتے یا کرتے ہو، کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ تم کسی دوسرے شخص کی نمایندگی کر رہے ہو۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ یہ بات تمھارے ذہن میں کبھی نہیں آتی کہ دوسروں کی نظر میں تم داہنے بازو

والوں کے عذر خواہ کا پارٹ ادا کرتے دکھائی دیتے ہو۔ مثال کے طور پر تم اپنا آخری خط مورخہ ۲۶ مارچ لے لو۔ اس خط میں تم کہتے ہو: "تمہارا جو بیان پریس میں آیا ہے اُسے میں نے آج پڑھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسے مناظرانہ اور منطقیانہ بیانات کچھ زیادہ مفید نہ ثابت ہوں گے۔"

ایسے وقت میں جب کہ مجھ پر کئی طرف سے نامناسب اور غیر منصفانہ حملے کئے جا رہے ہیں ـــــ گھونسہ بازوں کی اصطلاح میں مجھ پر ناجائز وار ہو رہے ہیں ـــــ تم ایک لفظ بھی احتجاج کا زبان پر نہیں لا رہے ہو ـــــ تم ایک کلمہ بھی اظہارِ ہمدردی کے طور پر مجھے نہیں بھیج رہے ہو۔ مگر جب میں اپنے دفاع میں کچھ کہتا ہوں تو تمہارا ردِّ عمل یہ ہوتا ہے کہ ـــــ "ایسے مناظرانہ اور منطقیانہ بیانات کچھ زیادہ مفید نہ ثابت ہوں گے۔" جو مناظرانہ اور منطقیانہ بیانات ہمارے مخالفین کی طرف سے شائع ہوئے کیا تم نے ان کے لئے بھی یہی کہا؟ اُن کو پڑھ کر تو شائد تم محظوظ ہوتے ہو گے!

پھر، تم نے اپنے ۲۲ فروری کے بیان میں کہا ہے کہ: "ایک رجحان یہ بھی ہے کہ کانگریس کے مقامی جھگڑے ضابطے کی معمولی کارروائیوں سے نمٹانے کے بجائے اُوپر سے نمٹائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاص خاص جتھوں اور پارٹیوں کے ساتھ رعایتیں ہوتی ہیں اور انتشار و اضطراب بڑھ جاتا ہے اور کانگریس کے کام میں رکاوٹیں پڑ جاتی ہیں .... یہ دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ ہماری تنظیم میں ایسے نئے طریقے داخل کئے جا رہے ہیں جو مقامی جھگڑوں کو اوپر تک پھیلا سکتے ہیں، مگر اور کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتے۔"

مجھے ایسی فردِ جرم کو پڑھ کر تکلیف دہ حیرت ہوئی کہ جس میں تم نے تمام واقعات کی تحقیق کر لینے کی زحمت نہیں اُٹھائی۔ تم کم از کم یہ تو کر سکتے تھے کہ مجھ سے وہ واقعات معلوم کر لیتے جو میں جانتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جب تم نے یہ سطریں سپردِ قلم کیں اُس وقت تمہارے ذہن میں ٹھیک ٹھیک کیا تھا۔ ایک دوست نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تمہارے ذہن میں دہلی کی صوبائی

کانگریس کمیٹی کے معاملات گونج رہے تھے۔ یہ درست ہے تو مجھے صفائی کے ساتھ اتنا عرض کر دینے کی اجازت دو کہ دہلی کے متعلق میں نے جو کچھ کیا اس کے سوا کوئی دوسرا صحیح طرزِ عمل میرے لئے باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اِس سلسلے میں مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دو کہ اوپر سے مداخلت کرنے کی عادت میں کانگریس کا کوئی بھی صدر تم سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ شاید تم بھول گئے کہ خود تم نے اپنی صدارت کے زمانے میں کیا کیا کیا تھا یا شائد خود کو خارجی اور واقعیت پسندانہ طور پر دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ۲۲ فروری کو تم نے مجھ پر اوپر سے مداخلت کرنے کا الزام لگایا۔ کیا تم یہ بھول گئے کہ چوتھی فروری کو تم نے مجھے ایک خط لکھا تھا جس میں مجھ پر ایک خاموش رہنے والے اور اپنے اختیارات استعمال نہ کرنے والے صدر ہونے کا الزام لگایا تھا؟ تم نے لکھا تھا کہ: "عملاً تم نے ایک راہ بر و راہ نما صدر سے زیادہ محض دارالعوام کے میرِ مجلس کی حیثیت سے کام کیا ہے۔" سب سے زیادہ قابلِ اعتراض تمھارا یہ الزام تھا کہ میں جانب دارانہ طریقے پر کام کرتا اور کسی خاص پارٹی یا جتھے کے ساتھ رعایتیں برتا کرتا ہوں۔ کیا کانگریس کے باضابطہ سربراہ کی طرف سے (شخصی طور پر میری طرف سے نہ سہی) تم پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا تھا کہ اُس پر اتنا سنگین الزام دے مارنے اور اُس کی عام اشاعت کرنے سے پہلے اُس کی معقول تحقیق کر لو؟

اگر کوئی شخص انتخاب والی بحث پر بہ حیثیتِ مجموعی غور کرے تو وہ یہ سوچے گا کہ انتخاب ہو جانے کے بعد یہ پورا قصہ بھلا دیا جائے گا اور باہم میل ملاپ ہو جائے گا جیسا کہ گھونسہ بازی کے بعد دونوں گھونسہ باز مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملا لیتے ہیں۔ مگر صداقت اور عدم تشدد کے باوجود ایسا نہیں ہوا۔ نتیجہ کھلاڑیوں کی سی خوش طبعی کے ساتھ ہنستے مسکراتے قبول نہیں کر لیا گیا بلکہ ایک شکایت میرے خلاف دلوں میں پرورش پانے لگی اور جذبۂ انتقام نے اپنا کام شروع کر دیا۔ مجلس عاملہ کے دوسرے ممبروں کی طرف سے تم نے ڈنڈے سنبھال لئے اور اُن کی حمایت

پرکمر بستہ ہو گئے، اور تمھیں ایسا کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ مگر کیا یہ بات تمھارے ذہن میں کبھی نہیں آئی کہ کچھ نہ کچھ میری طرف سے بھی کہا جا سکتا ہے؟ کیا مجلسِ عاملہ کے دوسرے ممبروں کا یہ طرزِ عمل بالکل بے داغ اور بے عیب تھا کہ یہ حضرات میری غیر موجودگی میں اور میری پیٹھ پیچھے یک جا ہوں اور ڈاکٹر پٹابھی کو صدارت کے لئے کھڑا کر دیں۔ کیا سردار پٹیل اور دوسرے حضرات کی مجلسِ عاملہ کے اراکین سے، بحیثیت مندوبینِ کانگریس، یہ اپیل کہ وہ ڈاکٹر پٹابھی کی امیدواری کی حمایت کریں غلط نہ تھی؟ کیا سردار پٹیل کے لئے بالکل جائز اور درست تھا کہ وہ مہاتما گاندھی کے نام اور اُن کے اثر کا اپنے انتخابی پروپگنڈوں میں پورا پورا استعمال کریں؟ کیا سردار پٹیل کے لئے بالکل جائز اور درست تھا کہ وہ یہ کہتے پھریں کہ میرا مکرر انتخاب ملکی مقاصد کے حق میں مضر ہوگا؟ کیا یہ بالکل جائز اور درست تھا کہ مختلف صوبوں کی کانگریسی وزارتوں سے ووٹ طلبی میں کام لیا جائے؟

اس نام نہاد "بہتان طرازی" سے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں پریس کے بیانوں میں بھی اور اپنی اُس تقریر میں بھی جو تری پوری میں میں نے سب جیکٹ کمیٹی کے سامنے کی تھی پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر میں تم سے ایک سوال کروں گا۔ کیا تم اس بات کو بھول گئے کہ جب لارڈ لوتھین ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے تب انھوں نے اپنی ایک پبلک تقریر میں کہا تھا کہ وفاقی اسکیم سے متعلق کانگریس کے تمام رہنما پنڈت نہرو کے رویتے سے اتفاق نہیں رکھتے ہیں۔ لارڈ لوتھین کی اس رائے زنی کے معنی اور اہمیت کیا ہے؟

تم نے اپنے ۲۲ رفروری کے بیان میں ایک شکایت یہ کی ہے کہ کانگریس کی سطحِ اعلیٰ پر باہم شک و شبہہ اور بے اعتمادی کی فضا پائی جاتی ہے۔ کیا میں تم سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ صدارتی انتخاب تک میرے دورِ صدارت میں تمھاری صدارت کے زمانے کے مقابلے میں مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے درمیان بے اعتمادی یا شکوک و شبہات بہت کم پائے جاتے تھے؟ اس

بے اعتمادی یا شکوک و شبہات کی بنا پر ہم استعفوں کی حد تک کبھی نہیں پہنچے جیسا کہ تم خود اپنے ہی بیان کے مطابق، اپنے عہدِ صدارت میں کئی بار پہنچے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، اس مصیبت کا آغاز، انتخابی کشمکش میں میری کامیابی سے ہوا۔ اگر مجھے شکست ہو گئی ہوتی تو شاید "بہتان طرازی" والا معاملہ پبلک کے کانوں تک نہ پہنچا ہوتا۔

یہ اعلان کرتے رہنا تمہاری عادت سی ہو گئی ہے کہ تم میدان میں یکہ و تنہا ہو، کسی دوسرے کی نمائندگی نہیں کرتے اور نہ تم کسی پارٹی سے منسلک ہو۔ کبھی کبھی تم یہ بات اس طرح کہا کرتے ہو گویا تمہیں اس بات پر ناز ہے یا تم اس سے خوش ہو۔ ساتھ ہی ساتھ تم اپنے آپ کو اشتراکی بھی کہا کرتے ہو۔ بعض اوقات، پکا اور ٹھیٹھ اشتراکی۔ ایک اشتراکی سب سے بالکل الگ تھلگ اور انفرادیت پسند کیوں کر رہ سکتا ہے جیسا کہ تم اپنے آپ کو سمجھا کرتے ہو، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ دونوں باتیں باہم ایک دوسری کی ضد ہیں۔ تمہاری جیسی انفرادیت پرستی کے ذریعے اشتراکیت کیوں کر وجود میں آ سکتی ہے یہ بھی میرے لئے ایک معمّا ہے۔ غیر جانب دار ہونے کی چھٹ لگا کر ایک آدمی ہر پارٹی میں مقبول ہو سکتا ہے مگر ایسی غیر جانب داری کی قیمت ہی کیا ہے؟ کوئی شخص کچھ خاص افکار یا اصول پر ایمان و یقین رکھتا ہے تو اُس کو کوشش کرنی چاہیے کہ یہ افکار یا اصول حقائق بن کر سامنے آ جائیں مگر یہ اُسی وقت ممکن ہے جب یہ کوشش کسی پارٹی یا تنظیم کے ذریعے عمل میں آئے۔ میں نے نہیں سُنا کہ اشتراکیت کی باتیں کسی ملک میں بغیر کسی پارٹی کے عمل میں آئی ہوں یا کسی ملک نے اشتراکی افکار کو بغیر کسی پارٹی کے ترقی دی ہو۔ مہاتما گاندھی بھی اپنی پارٹی رکھتے ہیں۔

ایک تصوّر اور ہے جس کا حوالہ تم اکثر و بیشتر دیا کرتے ہو۔ میرا مطلب تصوّرِ وحدتِ قومی سے ہے اور اس کے متعلق بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ نہ صرف میں بلکہ پورا ملک اس تصوّر سے متفق ہے۔ مگر یہ تصوّر اپنی ایک بدیہی حد رکھتا ہے۔ جس وحدت کے لئے ہم کوشاں ہیں یا جسے

ہم قائم رکھے ہوئے ہیں ضروری ہے کہ وہ عمل کی وحدت ہو نہ کہ بے علمی اور جمود کی۔ اختلافات ہمیشہ اور ہر حالت میں بُرے ہی نہیں ہوا کرتے۔ ایسے موقعے بھی آتے ہیں جب ترقّی کی خاطر اختلافات ضروری ہوا کرتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں جب روس کی سوشل ڈیموکریٹ پارٹی بالشیوکس اور مینشیوکس دو پارٹیوں میں منقسم ہوگئی تب لینن نے اطمینان کا سانس لیا۔ مینشیوکس کا بارِ گراں اُس کے کاندھوں سے دُور ہو گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ تیزی کے ساتھ ترقّی کرنے کی راہ بہر حال اب کُھل گئی ہے۔ ہندوستان میں جب "اعتدال پسندوں" نے اپنا گروہ کانگریس سے علیحدہ کر لیا تو کسی ترقی پسندانہ دماغ رکھنے والے نے اس علیحدگی پر اظہارِ رنج و افسوس نہیں کیا۔ بعد کو جب ۱۹۲۰ء میں کانگریسیوں کے ایک بڑے طبقے نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کی تب بھی باقی ماندہ کانگریسیوں نے اس علیحدگی پر ماتم نہیں کیا۔ ایسے اختلافات سے حقیقت میں ترقّی میں مدد ملی۔ اخیر میں ہم نے وحدت و اتحاد کو ایک بُت سا بنا کر اُس کی پوجا شروع کر دی ہے۔ اس روش میں ایک خطرہ مخفی ہے۔ اس کو اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی غرض سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا اُس کو ایسے سمجھوتے کر لینے کا بہانہ بنایا جا سکتا ہے جو ناگزیر طور پر ترقی دشمن ہیں۔ تم خود اپنا معاملہ لو۔ تم گاندھی اروِن معاہدے کے مخالف تھے مگر تم کو اسی وحدت کے نام پر اُسے تسلیم کر لینا پڑا۔ پھر تم صوبوں میں عہدے قبول کر لئے جانے کے خلاف تھے ـــــ مگر جب عہدے قبول کر لئے جانے کا فیصلہ ہو گیا تب بھی شاید تم کو اسی وحدت کے لئے اس فیصلے کو مان لینا پڑا۔ اب اگر محض بحث و استدلال کی خاطر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اگر کانگریس کی اکثریت کسی طرح وفاقی منصوبے پر عمل پیرا ہونا مان لے تو اب اس وفاقی منصوبے کے مخالفین کو اپنے بڑے محکم اصولوں کے باوجود اور اپنے سیاسی ضمیر کے فیصلوں کے خلاف اسی وحدت پرستی کے نام پر اس وفاقی منصوبے کو قبول کر لینے کا لالچ ہو سکتا ہے۔ کسی انقلابی تحریک میں وحدت بجائے خود کوئی مقصد نہیں بلکہ صرف ایک ذریعہ یا وسیلہ ہوا کرتی

ہے۔ یہ اُسی وقت پسندیدہ ہوتی ہے جب تک وہ آگے بڑھنے میں معاون ہوا کرتی ہے۔ جس وقت بھی اُس میں ترقی کے راستے میں رُکاوٹ بن جانے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے اُسی وقت وہ ایک خوبی کی بجائے ایک بُرائی بن جایا کرتی ہے۔ کیا میں تم سے یہ پوچھ سکتا ہوں کہ اگر کانگریس اکثریت کے ساتھ اس وفاقی منصوبے کو قبول کر لینے کا فیصلہ کر دے تو اُس وقت تم کیا کرو گے؟ تم بھی اس فیصلے کو مان لو گے یا اُس کے خلاف بغاوت کر دو گے؟

تم نے الٰہ آباد سے جو خط مجھے چوتھی فروری کو لکھا تھا وہ اِس معنی میں دل چسپ ہے کہ اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک تم میرے خلاف اتنے سخت نہیں ہوئے تھے جتنے بعد کو ہو گئے۔ مثلاً، تم نے اس خط میں کہا ہے کہ: "تمھارے اس سخت انتخابی مقابلے سے کچھ نفع بھی ہوا اور کچھ نقصان بھی"۔ بعد کو تمھاری رائے یہ ہو گئی کہ میرا دوبارہ صدرِ کانگریس منتخب ہو جانا ایک خالص اور بے آمیز بُرائی ہے۔ پھر آگے چل کر تم نے لکھا: "اس مستقبل پر ہمیں شخصیتوں سے قطع نظر کر کے ایک وسیع تر زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالنی پڑے گی۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کسی کے لئے بھی محض اس لئے طیش میں آجانا کہ معاملات نے وہ صورت اختیار نہیں کی جو ہمیں پسند تھی کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہمیں اپنے قومی مقاصد کی بہتر سے بہتر خدمت کرنی ہے"۔ اس خط سے یہ بات روشن ہے کہ اس وقت تک تم نے "بہتان طرازی والے معاملے" کو وہ اہمیت نہیں دی تھی جو تم نے بعد کو دینی شروع کی۔ یہی نہیں، بلکہ جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، "بہتان طرازی والے معاملے" پر جو تحریک چلی اور جس کو بعد کو ہوا دی گئی وہ بڑی حد تک تمھاری پیدا کردہ تھی۔ اس سلسلے میں شاید تمھیں یاد ہو کہ جب شانتی نکیتن میں ہم دونوں ملے تھے تو میں نے یہ تجویز تمھارے سامنے رکھی تھی کہ اگر ہم کوشش کے باوجود مجلسِ عاملہ کے دوسرے ممبروں کا تعاون اپنے ساتھ نہ رکھ سکیں تب بھی کانگریس کا کام جاری رکھنے کی ذمے داری سے ہمیں پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے۔ اُس وقت تم نے

مجھ سے اتفاق کیا تھا مگر پھر، ایسے اسباب کی بنا پر جنھیں میں نہیں سمجھ سکتا، تم، گویا تن من کے ساتھ، دوسری جانب چلے گئے۔ یقیناً تمھیں ایسا کرنے کا پورا حق حاصل تھا، مگر یہ تو بتاؤ کہ تمھاری اشتراکیت اور بائیں بازو پرستی کا کیا حشر ہوا؟

تم نے اپنے چوتھی فروری کے خط میں یہ بات کئی بار دُہرائی ہے کہ میرے عہدِ صدارت میں وفاق جیسے اہم مسائل پر کبھی غور و فکر نہیں کیا گیا۔ یہ تم نے اِک عجیب و غریب سا الزام لگایا جب کہ تم خود تقریباً چھ ماہ تک ہندوستان سے باہر تھے۔ کیا تم جانتے ہو کہ جب لندن میں شری بھولا بھائی ڈیسائی کی مزعومہ تقریر پر اک طوفان برپا تھا اُس وقت میں نے مجلسِ عاملہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وفاق کے خلاف اپنی قرارداد کا اعادہ کر دینا چاہیے، نیز ملک میں وفاق کے خلاف پروپگنڈا شروع کر دینا چاہیے مگر میری اس تجویز کو غیر ضروری خیال کیا گیا؟ کیا تم جانتے ہو کہ بعد کو جب مجلسِ عاملہ کی ایک نشست ماہ ستمبر میں دہلی میں منعقد ہوئی تو بالآخر ضروری سمجھا گیا کہ ایک قرارداد وفاق کے خلاف منظور کی جائے، اور یہ قرارداد بعد کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں بھی منظور ہوئی؟

ایک دوسرا الزام جو تم نے اس خط میں مجھ پر لگایا ہے یہ ہے کہ مجلسِ عاملہ میں میں نے اپنی روش بالکل "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" والی رکھی اور ایک رہبر و رہنما صدر کے بجائے صرف میرِ مجلس بنا بیٹھا رہا کرتا تھا۔ یہ بیان کسی قدر سخت اور تکلیف دِہ ہے۔ کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ عام طور پر مجلسِ عاملہ کے بیشتر وقت پر تم اپنا ایک اجارہ سا قائم کر لیا کرتے تھے؟ اگر مجلسِ عاملہ میں تمھارے جیسا باتونی اور پُرگو ایک ممبر بھی اور ہوتا تو میرا خیال ہے کہ ہم اپنا کام کبھی ختم ہی نہ کر پاتے۔ علاوہ ازیں تمھارے آداب و اطوار ایسے ہوتے تھے کہ صدر کے فرائض قریب قریب تم ہی ادا کرنے لگ جایا کرتے تھے۔ میں اِس صورتِ حال سے تمھیں جھڑک کر بے شک نپٹ سکتا تھا مگر یہ ڈانٹ ڈپٹ میرے تمھارے

درمیان کھلم کھلا بگاڑ پیدا کر دیتی۔ اگر تکلیف دہ صاف گوئی پر اُتر آؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ مجلسِ عاملہ میں تم ایک ناز و نعمت کے بگاڑے ہوئے بچے کا انداز اختیار کر لیا کرتے اور اکثر غصے میں آجایا کرتے تھے۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے باوجود اپنے اس چڑچڑے پن اور اُچھل کود کے کیا کار ہائے نمایاں انجام دے لئے؟ تم عام طور پر گھنٹوں اپنی رائے پر اڑے رہا کرتے مگر بالآخر سپر ڈال دیا کرتے تھے۔ سردار پٹیل اور دوسرے ممبر تم سے نپٹنے کے بڑے اچھے ہتھ کنڈے رکھتے تھے۔ یہ لوگ تمھیں برابر بکنے دیا کرتے تھے اور پھر اپنی تجویز کا مسودہ تم ہی سے تیار کرنے کو کہہ کر تم کو خاموش کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار جب تم سے کسی تجویز کا مسودہ تیار کرنے کو کہہ دیا جاتا تو بس تم خوش ہو جایا کرتے تھے عام اس سے کہ وہ تجویز کس کی ہے۔ میں نے بہت کم ایسا دیکھا کہ تم اپنی رائے پر اخیر تک اڑے رہے ہو۔

اک دوسرا عجیب سا الزام تم نے مجھ پر یہ لگایا ہے کہ سالِ گزشتہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمھارے نزدیک ایک صدر کے فرائض کیا ہیں۔ میری رائے میں صدر کا مقام ایک عالی شان منشی یا ایک عالی مرتبت سکریٹری سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ بہ حیثیتِ صدر تمھاری عادت تھی کہ تم سکریٹری کے فرائض بھی غصب کر لیا کرتے تھے، ضروری نہیں کہ دوسرے صدر بھی ایسا ہی کیا کریں۔ اس کے علاوہ میرے لئے خاص دشواری یہ تھی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا دفتر مجھ سے بہت دور واقع تھا، اور جنرل سکریٹری ایک ایسا شخص تھا جو میرا منتخب کردہ نہیں تھا۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ ایک جنرل سکریٹری کو اپنے صدر کا جتنا وفادار ہونا چاہیے۔ یہ جنرل سکریٹری میرا وفادار نہیں تھا (میں معاملے کو دانستہ اور عمداً بہت نرم کر کے بیان کر رہا ہوں) واقعہ یہ ہے کہ کرپلانی جی کو میری مرضی کے خلاف مجھ پر ٹھونس دیا گیا۔ تمھیں شاید یاد ہو کہ میں نے انتہائی کوشش کی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کا ایک حصہ کلکتہ منتقل کر دیا جائے تاکہ میں اس کے کام

کی معقول نگرانی کرسکوں۔ مگر تم سب نے بہ یک آواز اس کی مخالفت کی اور اب تم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کی خرابیوں کا الزام اُلٹا مجھے دے رہے ہو! اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر میں، جیسا کہ تم بیان کرتے ہو، واقعی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں تو اس کی ذمّے داری جنرل سکرٹیری پر ہے نہ کہ مجھ پر۔ زیادہ سے زیادہ جو الزام تم مجھے دے سکتے ہو وہ یہ ہے کہ میرے عہدِ صدارت میں جنرل سکرٹری کے کام میں نسبتاً کم مداخلت ہوئی اور عملاً وہ پہلے کی نسبت وسیع تر اختیارات کے مالک رہے۔ نتیجۂ بحث یہ ہے کہ اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتری کاروبار میں واقعی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں تو اس کی ذمّے داری جنرل سکرٹیری پر ہے، مجھ پر نہیں ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ واقعات معلوم کیے بغیر تم نے یہ کیوں کر کہہ دیا کہ میں نے بمبئی کے تجارتی جھگڑوں والے مسودۂ قانون کو اُس کی موجودہ شکل میں قانون بن جانے سے روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور نہیں لگایا۔ واقعہ یہ ہے ادھر کچھ دنوں سے تم نے، جہاں تک میری ذات کا تعلّق ہے، واقعات کی تحقیق کی پروا کیے بغیر بے دھڑک الزامات لگا دینے کے فن میں، اور وہ بھی بعض اوقات پبلک تقریروں میں، ایک فنّی مہارت پیدا کرلی ہے۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں نے اس معاملے میں کیا کیا تو سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ تم خود سردار پٹیل سے پوچھ لو۔ میں نے یہ البتّہ نہیں کیا کہ اس مسئلے پر میں اُن سے بگاڑ کر لیتا۔ اگر اُن سے بگاڑ کی حد تک نہ جانا کوئی جرم ہے تو مجھے اعتراف ہے کہ میں مجرم ہوں۔ برسبیلِ تذکرہ، کیا تمھیں معلوم ہے کہ بمبئی کی سی۔ ایس۔ پی نے اس مسودۂ قانون کی، اُس کی اسی موجودہ شکل میں، حمایت کی؟ اور اب خود تمھاری نسبت ایک سوال کروں۔ کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ اس مسودۂ قانون کو قانون بن جانے سے روکنے میں خود تم نے کیا کوششیں کیں؟ جب تم بمبئی واپس پہنچے تو اُس وقت بھی کچھ کرنے کا موقع تمھیں حاصل تھا اور میرا خیال ہے کہ کچھ ٹریڈ یونین والے تمھارے پاس گئے بھی جن کو تم نے کچھ امید دلائی۔ میرے مقابلے میں تم مجھ سے کہیں بہتر

پوزیشن میں تھے، اس لئے کہ تم ہمیشہ گاندھی جی کو مجھ سے کہیں زیادہ متاثر کر سکتے ہو۔ اگر تم نے اپنے اثر و نفوذ سے کام لیا ہوتا تو جہاں میں ناکام رہا تھا، تم کامیاب ہو سکتے تھے۔ کیا تم نے اپنے اثر و نفوذ سے کام لیا؟

ایک معاملہ اور ہے جس کا تم مجھے اکثر طعنہ دیا کرتے ہو —— ملی جلی وزارت کا خیال۔ ایک اُصول پرست سیاست داں کے طور پر تم نے ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک ملی جلی وزارت کی ترتیب کا خیال داہنے بازو والوں کی ایک چال ہے۔ اِس سوال پر آخری فیصلہ صادر کرنے سے پہلے کیا تم ایک کام کرو گے؟ صوبۂ آسام کا پندرہ دن کا ایک دورہ کر ڈالو اور پھر واپس آکر مجھے بتاؤ کہ وہاں کی موجودہ ملی جلی وزارت کوئی ترقی پسند ادارہ ثابت ہوئی یا کوئی رجعت پسند ادارہ۔

الہ آباد میں بیٹھ کر حکمت و دانائی کے ایسے کلمات ارشاد فرماتے رہنے سے کیا فائدہ جن کا حقیقت سے کوئی علاقہ نہ ہو؟ سعد اللہ کی وزارت کے ختم ہونے کے بعد جب میں آسام گیا تو میں نے ایک کانگریسی بھی ایسا نہیں پایا جس نے ملی جلی کانگریسی وزارت کی تشکیل پر اصرار نہ کیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صوبہ ایک رجعت پسند وزارت کی ایڑیوں کے نیچے پڑا ہوا کراہتا رہا ہے۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے اور کج خلقی اور بد اطواری روز افزوں تھی۔ جب نئی وزارت نے عہدے سنبھالے ہیں تب آسام کی پوری کانگریسی خیال کی پبلک نے اطمینان کا سانس لیا اور اُن کا کھویا ہوا اعتماد اور گم شدہ امید واپس آئی۔ اگر تم تمام ملک سے عہدوں کے قبول کرنے کی پالیسی کھرچ کر پھینک دو تو میں اِس اقدام کو اُن کانگریسیوں کے ساتھ جو آسام اور بنگال جیسے صوبوں میں موجود ہیں، خوش آمدید کہوں گا۔ لیکن اگر کانگریس پارٹی سات صوبوں میں عہدے قبول کرتی ہے تو ضروری ہے کہ باقی صوبوں میں ملی جلی وزارتیں قائم ہوں۔ اگر تمھیں اُس ترقی کا علم ہو جاتا جو مختلف قسم کی بہت سی رکاوٹوں اور خامیوں کے باوجود آسام میں اِس ملی جلی وزارت کے قیام کے بعد رونما ہوئی تو تم اپنی رائے میں تا مسر

بدل ڈالتے۔

اب رہا بنگال تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم اُس کے متعلق تقریباً کچھ نہیں جانتے۔ تم نے اپنے دو سالہ عہدِ صدارت میں اس صوبے کے دورے پر کبھی توجہ ہی نہیں کی حالاں کہ اُس خوف ناک جبر و تشدد کے پیشِ نظر جس سے اس صوبے کو گزرنا پڑا ہے یہ صوبہ دوسرے صوبوں کے مقابلے میں تمھاری توجہ کا کہیں زیادہ محتاج تھا۔ کیا تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ جب سے "حق وزارت" نے قلم دانِ وزارت سنبھالا تب سے اس صوبے پر کیا کیا بیت گئی۔ اگر تم نے یہ جاننے کی کوشش کی ہوتی تو اصول پرست سیاست دانوں کی سی باتیں نہ کرتے۔ تب تم مجھ سے اتفاق کرتے کہ اگر صوبے کو تباہ ہو جانے سے بچانا ہے تو حق وزارت کا جانا ضروری ہے اور ہمیں بہ حالاتِ موجودہ بہتر سے بہتر حکومت کا قیام عمل میں لانا چاہیے یعنی ایک ملی جلی وزارت کا قیام۔ مگر جہاں میں نے یہ سب کچھ کہا ہے وہاں مجھے اتنی بات کا اضافہ ضرور کر دینا چاہیے کہ ایک ملی جلی وزارت کی تجویز اس لیے سامنے آئی کہ مکمل سوراج کی جد و جہد ملتوی کر دی گئی ہے۔ تم یہ جد و جہد کل شروع کر دو پھر دیکھو کہ ملی جلی وزارت کی بات ہوا میں اُڑ جاتی ہے یا نہیں۔

اب میں تمھارے اُس تار کی طرف اشارہ کروں گا جو تم نے ۲۰ مارچ کو دہلی سے دیا تھا۔ اس تار میں تم نے کہا ہے: "بین الاقوامی صورتِ حال، نیز ملک کے نازک مسائل کے پیشِ نظر مجلسِ عاملہ کی تشکیل اور دفتر کے انتظامات نہایت ضروری ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔ ہر شخص مجلسِ عاملہ کی جلد تشکیل کی ضرورت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ — مگر جو بات تمھارے اس تار کی مجھے کھٹکی وہ میری دشواریوں کے ساتھ قطعی ناہمدردی تھی۔ تم پوری طرح اس بات کو جانتے تھے کہ اگر پنڈت پنت کی تجویز پیش نہ ہوئی ہوتی اور وہ منظور نہ کر لی گئی ہوتی تو ۱۲ مارچ کو مجلسِ عاملہ کا اعلان ہو گیا ہوتا۔ جب یہ تجویز منظور ہوئی تب کانگریس پورے طور پر جانتی تھی کہ میں سخت علیل

ہوں، مہاتما گاندھی تری پوری نہیں آئے تھے اور یہ کہ مستقبل میں جلد ہی ہمارا یک جا ہونا دشوار ہوگا۔ اگر مجلسِ عاملہ کی تقرری میں ایک مہینہ لگ گیا ہوتا تو لوگوں کی بے چینی میری سمجھ میں آسکتی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ تری پوری کانگریس کے اختتام کے ٹھیک ایک ہی ہفتے کے بعد میرے خلاف ایک تحریک شروع کر دی گئی اور یہ تحریک بھی "بہتان طرازی والے معاملے" کی طرح میرے خلاف تمھیں نے شروع کی۔ کیا مہاتما گاندھی سے ملے بغیر مجلسِ عاملہ کی تشکیل آسان تھی؟ میرا مہاتما گاندھی سے ملنا کیوں کر ممکن تھا؟ اور کیا تم بھول گئے کہ سالِ گزشتہ ہری پورہ کانگریس کے تقریباً چھے ہفتوں کے بعد مجلسِ عاملہ کی نشست ہو سکی تھی؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے تار کے پریس میں آجانے کے بعد پبلک اور پریس کے ایک خاص طبقے نے جو تحریک میرے خلاف شروع کی وہ کوئی سرتا پا نیک نیتی پر مبنی تھی؟ کیا میں دانستہ اور عمداً مجلسِ عاملہ کی تشکیل سے احتراز کر کے جان بوجھ کر کانگریس کے کاروبار میں تعطل پیدا کر رہا تھا؟ اگر میرے خلاف یہ پبلک تحریک بالکل منصفانہ نہیں تھی تو کیا تم نے ایک قومی رہنما کی حیثیت سے اپنا یہ فرض محسوس نہیں کیا کہ ایسے وقت میں جب کہ میں بسترِ مرض پر پڑا ہوا تھا چند کلمے میری طرف سے بھی کہہ دینے چاہئیں۔

تمھارے اس الزام کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں کہ میرے عہدِ صدارت میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی حالت ابتر ہو گئی ہے۔ اِس سلسلے میں میں ایک لفظ اور کہوں گا۔ کیا یہ بات تمھارے ذہن میں نہیں کھٹکی کہ جب تم مجھے نالائق قرار دینے کی کوشش کر رہے تھے تو بہ یک جنبشِ قلم نہ صرف مجھے بلکہ جنرل سکریٹری کو بھی اور ان کے ساتھ تمام عملے کو بھی نالائق اور ناکارہ ٹھیرا رہے تھے۔

اپنے تار میں تم نے "نازک قومی مسائل" کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی خاطر تم فوراً مجلسِ عاملہ کی تشکیل چاہتے ہو ــــ اگرچہ تم خود، جیسا کہ تم کہتے ہو، اس مجلس میں رہنا نہیں چاہتے۔ ازراہِ کرم یہ ارشاد ہو کہ

"نازک قومی مسائل" کیا ہیں؟ تم نے اپنے ایک پچھلے خط میں کہا تھا کہ نازک ترین مسئلہ راج کوٹ اور جے پور کی صورتِ حال ہے۔ چوں کہ ان معاملات کو خود مہاتما جی نمٹا رہے ہیں اس لئے ایک طرح سے یہ معاملات مجلسِ عاملہ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اختیار سے باہر ہیں۔

پھر تم نے اپنے تار میں بین الاقوامی صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں نے اخبارات میں دیکھا کہ تمہارا اس طرف اشارہ کرتے ہی کچھ لوگ جو بین الاقوامی امور کی مطلق کوئی سمجھ نہیں رکھتے، جو بین الاقوامی معاملات کے سمجھنے کا کوئی شوق نہیں رکھتے اور جو بین الاقوامی صورتِ حال کو ہندوستان کے مفاد کے لئے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ——— یہ لوگ دفعتہً بوہیمیا اور سلوواکیا کی قسمت کے متعلق فکر مند نظر آنے لگتے ہیں۔ ظاہرا یہ ایک آسان سا ڈنڈا تھا جو مجھے پیٹنے کے لئے ہاتھ آگیا۔ گزشتہ دو ماہ میں یورپ میں کوئی ایسی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی جس کی توقع نہ رہی ہو۔ چیکو سلاواکیا میں جو کچھ حال ہی میں ظہور میں آیا ہے وہ معاہدۂ میونخ کے ایک نتیجے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ چھ مہینوں سے میں اپنے کانگریسی دوستوں سے، اُن اطلاعات کی بنا پر جو مجھے یورپ سے ملتی رہی ہیں، کہتا آیا ہوں کہ موسمِ بہار میں یورپ میں ایک بحران رونما ہوگا جو موسمِ گرما تک باقی رہے گا۔ اس لئے میں زور دیتا رہا ہوں کہ ہماری طرف سے ایک پُرزور تحریک کا آغاز ہونا چاہیے ——— یعنی ہم مکمّل سوراج کا مطالبہ ایک الٹی میٹم کی صورت میں برطانوی حکومت کے سامنے رکھ دیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب ایک بار میں نے حال ہی میں (شانتی نکیتن میں یا الٰہ آباد میں) تم سے بین الاقوامی صورتِ حال کا تذکرہ اس خیال سے کیا کہ اس موقعے سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اپنا قومی مطالبہ برطانوی حکومت کے سامنے رکھ دیا جائے تو تمہارا خشک جواب یہ تھا کہ یہ بین الاقوامی تناؤ تو ابھی سالوں باقی رہے گا۔ مگر اب یک بہ یک تمہارے اندر بین الاقوامی صورتِ حال کے لئے جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے! اگر اجازت دو کہ میں تم سے صاف صاف

کہدوں کہ نہ تم اِس صورتِ حال کو ہمارے مفاد کے لئے کام میں لانے کا کوئی ارادہ رکھتے دکھائی دیتے ہو اور نہ گاندھیائی گروہ کا اور کوئی شخص۔ تم اپنے تار میں یہ بھی کہتے ہو کہ بین الاقوامی صورتِ حال آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست کے فوری انعقاد کی متقضی ہے۔ کس مقصد کے لئے؟ صرف اس لئے کہ ایک بے سود اور بے نتیجہ طول طویل تجویز منظور کر لی جائے؟ یا اس لئے کہ تم اپنی رائے بدل کر آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے کہدو کہ اب ہمیں مکمل سوراج کی طرف بڑھنا چاہیئے اور اپنا قومی مطالبہ ایک الٹی میٹم کی شکل میں برطانوی حکومت کے سامنے رکھ دینا چاہیئے؟ نہیں، یا تو ہمیں بین الاقوامی سیاست پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کرنا ہوگا اور بین الاقوامی صورتِ حال کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا ہوگا یا بین الاقوامی سیاست کی بات ہی ہمیں چھوڑ دینی پڑے گی۔ اگر واقعی کچھ کرنا مقصود نہیں ہے تو محض نمائش بے سود ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ جب تم دہلی میں تھے تب تم نے مہاتما گاندھی تک یہ پیغام پہنچایا کہ مولانا آزاد سے ملنے کے لئے انھیں الہ آباد جانا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ یہ اطلاع بالکل بے بنیاد ہو۔ لیکن اگر یہ غلط نہ ہو —— تو کیا تم نے مہاتما گاندھی سے یہ بھی کہا کہ وہ دھنباد بھی جا سکتے ہیں؟ جب میرے سکریٹری نے ۲۴ مارچ کو تم سے ٹیلیفون پر کہا کہ اس پریس رپورٹ کی تردید کر دیجئے کہ ڈاکٹروں کی ممانعت کے سبب مہاتما جی دھنباد نہیں آ سکتے تب بھی تم نے اس کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی کہ اُن کو بھی جانا چاہیئے، حالاں کہ دوسری طرف تم اس کے لئے انتہائی بے قرار تھے کہ مجھے گاندھی جی کی خواہش کے مطابق مجلسِ عاملہ کی تشکیل کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ ٹیلیفون پر تم نے کہا کہ دھنباد مہاتما جی کے پروگرام میں شامل نہیں ہے۔ کیا مہاتما جی کو دھنباد آنے پر راضی کر لینا تمھارے لئے اس قدر دشوار تھا؟ تم نے کوشش بھی کی؟ تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کو راج کوٹ والے معاملے کے لئے دہلی واپس جانا تھا؟ مگر وہ وائسرائے سے پہلے ہی ملاقات

کر چکے تھے۔ اور جہاں تک سر مورس گایر سے ملاقات کرنے کا تعلق تھا سو یہ ملاقات سردار پٹیل کو کرنی تھی مہاتما جی کو نہیں۔

راج کوٹ کے معاملے کے بارے میں مجھے چند کلمے کہنے ہیں۔ تم اُس تصفیہ کی شرطوں کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے جس کی بنا پر مہاتما جی نے اپنا برت توڑا۔ کوئی ہندوستانی ایسا نہیں ہے جو اس بات سے خوش نہ ہوا ہو اور جس نے یہ خبر سُن کر اطمینان کا سانس نہ لیا ہو کہ مہاتما جی کی جان بچالی گئی۔ مگر جب کسی نے منطق کی بے درد آنکھوں سے اس تصفیہ کی شرطوں کا تجزیہ کیا تو اُس کے ہاتھ کیا لگا؟ اولاً، سر مورس گایر کو جو وفاقی اسکیم کے ایک جزو اور حصّہ ہیں، حَکَم اور ثالث تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کیا یہ بات خاموشی کے ساتھ خود اس اسکیم (وفاقی) کو تسلیم کر لینے کے ہم معنی نہیں ہے؟ ثانیاً سر مورس نہ ہمارے آدمی ہیں اور نہ کوئی خود مختار و آزاد شخص۔ وہ ایک خالص سرکاری آدمی ہیں —— اگر ہم برطانوی حکومت کے ساتھ اپنے کسی جھگڑے میں ہائی کورٹ کے کسی جج یا سشن جج کو اپنا حَکَم یا ثالث مان لیں تو برطانوی حکومت اس کو خوشی سے تسلیم کرے گی۔ مثال کے طور پر حکومت کے قیدیوں کے معاملے میں جن کو مقدمہ چلائے بغیر قید کر دیا گیا ہے حکومت ہمیشہ ڈینگیں مارا کرتی ہے کہ اُن کے کاغذات ہائی کورٹ کے دو ججوں یا دو سشن ججوں کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں مگر ہم اس کو کبھی تشفی بخش تصفیہ تسلیم نہیں کرتے۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ راج کوٹ کے معاملے میں اس طرزِ عمل سے انحراف کیوں کیا گیا؟

اس سلسلے کا ایک نکتہ اور ہے جسے میں نہیں سمجھ سکتا، اور جس پر تم ہی روشنی ڈال سکتے ہو۔ مہاتما گاندھی وائسرائے سے ملاقات کو دہلی گئے تھے۔ اور ملاقات ہو بھی گئی۔ وہ اب بھی وہاں کیوں رُکے ہوئے ہیں؟ اگر سر مورس گایر یہ چاہتے ہیں تو سردار پٹیل کو رُکنا چاہیئے تھا۔ اگر وائسرائے سے ملاقات کر چکنے کے بعد بھی مہاتما گاندھی دہلی میں پڑے رہتے ہیں تو کیا اس سے بالواسطہ برطانوی حکومت کی ساکھ میں اضافہ نہیں ہوتا؟ تم نے

اپنے ۲۴ مارچ والے خط میں کہا ہے کہ مہاتما جی کے پروگرام میں اُن کا دہلی میں کئی دنوں تک ٹھیرنا بالکل طے شدہ ہے، وہ وہاں سے کہیں اور جا ہی نہیں سکتے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مہاتما جی کے لئے دہلی میں انتظار کرنے سے زیادہ اہم کام موجود ہیں۔ اگر مہاتما جی تھوڑی سی محنت گوارا فرماتے تو یہ زمانے کے ساتھ بہنا اور یہ تعطل وغیرہ جس کے تم اس قدر شاکی ہو منٹوں میں ختم ہو جاتا۔ مگر اس نکتے پر تم بالکل چپ ہو اور ملامت و سرزنش سب میرے لئے ہے۔

تم نے اپنے ۲۳ مارچ والے خط میں کہا ہے کہ "بعد کو میں نے دوسرے لوگوں میں مبہم سی باتیں اس موضوع پر سنیں کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک نشست منعقد ہونی چاہئے۔ میں ٹھیک طور پر نہیں جانتا کہ اس طریقے پر کون لوگ سوچ رہے تھے اور اس نشست کے انعقاد سے اُن کا مقصد کیا تھا، بجز اس کے کہ ممکن ہے وہ صورتِ حال کی مزید توضیح چاہتے ہوں۔" خبریں بہت تیز رفتار سے سفر کرتی اور دور تک پہنچا کرتی ہیں۔ مجھے اطلاع ملی کہ مرکزی مجلس قانون ساز کے کچھ ممبر ایک درخواست پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبروں کے دستخط اس غرض سے لے رہے ہیں کہ اس ادارے کی (آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی) ایک نشست جلد منعقد کی جائے، گویا میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کوئی نشست مدعو کرنے سے پہلو تہی کر رہا ہوں اور عمداً کانگریس کے معاملات میں تعطل پیدا کر رہا ہوں۔ کیا تم نے دہلی میں یا اور کسی مقام پر اس قسم کی کوئی بات نہیں سُنی؟ اگر میری یہ اطلاع صحیح ہے تو کیا تم ایسی کسی تحریک کو منصفانہ یا شریفانہ سمجھتے ہو؟

اسی ۲۳ مارچ کے خط میں تم نے مطالبۂ قومی کی قرارداد اور سرت کا اُس کی مخالفت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک سرت کی روش کا تعلق ہے تو غالباً وہ خود ہی تم کو اس کے متعلق لکھیں گے۔ مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ صرف اس ایک مخالفت کے سوا یہ قرارداد باتفاق آرا منظور ہوئی۔ میں نے کئی شخصوں کو کہتے سُنا کہ انھوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی —— اس لئے نہیں کہ اس قرارداد میں داخلی طور پر کوئی خرابی تھی

بلکہ اس لئے کہ اس میں عملی اہمیت کی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ اُن بے ضرر قراردادوں کی سی ایک قرارداد تھی۔ جو کانگریس کے ہر اجلاس کے آخر میں پیش ہوتیں اُن کی تائید ہوتی اور پھر وہ بہ اتفاق رائے یا بغیر اظہار رائے منظور کرلی جایا کرتی ہیں۔ فی الحقیقت میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس قرارداد پر تمہارے اس قدر جوش و خروش کا سبب کیا ہے۔ یہ عملاً کیا رہنمائی کرتی ہے؟

اس سلسلے میں میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اِدھر چند سالوں سے کانگریس کی تجویزیں بڑی طویل ہونے لگی ہیں۔ اُن کو تو "تجویزوں" کی بجائے "مقالوں" اور "مضامین" کا نام دینا چاہئے۔ پہلے ہماری قراردادیں مختصر، محدود بہ موضوع بحث اور عملی ہوا کرتی تھیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری قراردادوں کو یہ نئی شکل و صورت دینے میں تمہارا ہاتھ بھی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں طویل مقالوں کی بجائے عملی قراردادیں زیادہ پسند کروں گا۔

تم نے اپنے خطوط میں آج کی کانگریس میں "قسمت آزمایانہ رجحانات" کی طرف کئی بار اشارہ کیا ہے۔ اس سے تمہارا منشاء کیا ہے؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ تمہارے پیشِ نظر کچھ مخصوص افراد ہیں۔ کیا تم اس کے خلاف ہو کہ کانگریس میں نئے مرد اور نئی خاتونیں آئیں اور ممتاز مقام حاصل کرلیں؟ کیا تم چاہتے ہو کہ چوٹی کی قیادت چند افراد ہی کا حق رہے؟ اگر میرا حافظہ مجھے دھوکا نہیں دے رہا ہے تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ یو۔پی کی صوبائی کانگریس کمیٹی کی کونسل نے ایک بار اس مضمون کا ایک ضابطہ منظور کیا کہ بعض کانگریسی تنظیموں میں کوئی ایک شخص تین سال سے زیادہ کسی عہدے پر نہ رہے۔ ظاہر اس قاعدے کی پابندی ماتحت تنظیموں پر واجب تھی اور اونچی تنظیموں یا اداروں میں تو ایک ہی شخص ایک ہی عہدے پر دسیوں سال تک براجمان رہ سکتا ہے۔ تم جو چاہو کہہ سکتے ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ ایک معنی میں ہم سب قسمت آزما ہیں اس لئے کہ زندگی ہے ہی ایک طویل قسمت آزمایانہ جدّوجہد۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ جو لوگ اپنے آپ کو ترقی پسند سمجھتے ہیں وہ تو

کانگریس کی تنظیم کی تمام صفوں اور درجوں میں نئے خون اور نئے لوگوں کو خوش آمدید کہیں گے۔

تمھارے یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے (یہاں میرا اشارہ تمھارے ۲۴ مارچ والے خط کی طرف ہے) کہ سرت کا خط میری طرف سے لکھا گیا تھا۔ وہ اپنی ایک علیحدہ شخصیت رکھتے ہیں۔ اُن کے یہاں سے کلکتہ واپس چلے جانے کے بعد گاندھی جی کا تار اُن کو ملا تھا جس میں گاندھی جی نے اُن کو خط لکھنے کا حکم دیا تھا۔ اگر گاندھی جی نے اُن کو اس قسم کا تار نہ دیا ہوتا تو پھر وہ شاید ہی خط لکھنے کا خیال دل میں لاتے۔ بہر حال اتنا ضرور کہہ دینا چاہیئے کہ سرت نے مہاتما جی کو جو خط لکھا ہے اُس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو میرے احساسات کی صدائے بازگشت ہیں۔

جو خط تم نے سرت کو لکھا ہے اُس کے متعلق مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ تمھارے خط سے میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ تری پوری کی فضا وغیرہ سے متعلق سرت نے جو کچھ تمھیں لکھا ہے وہ تمھارے لئے حیرت انگیز تھا۔ مجھے تمھاری اس حیرت پر حیرت ہے۔ اگرچہ میں آسانی کے ساتھ چلنے پھرنے سے معذور تھا مگر مجھے غیر جانب دار ذرائع سے تری پوری کی اخلاقی نقطۂ نگاہ سے نفرت انگیز فضا کے متعلق کافی رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں۔ تم فضا کی اس کیفیت کو محسوس کیئے بغیر اور اُس کے متعلق کچھ سُنے بغیر تری پوری میں کیوں کر گھومتے پھرتے رہے یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ثانیاً تم نے کہا ہے کہ تری پوری میں ذاتیات نے دوسرے مسائل کو بھی متاثر کیا اور اُن میں بھی اپنا رنگ بھرے بغیر نہیں چھوڑا۔ تم سچ کہہ رہے ہو۔ بس اتنی کمی رہ گئی ہے کہ تم نے اتنا اور نہیں کہہ دیا کہ اگرچہ سبجیکٹ کمیٹی یا کانگریس کے عام اجلاس میں، تم نے خود کوئی تقریر نہیں کی پھر بھی ان شخصی اور ذاتی مسائل میں شدّت اور تیزی پیدا کر دینے اور اُن کو پبلک کی نظر میں اہم بنا دینے میں کوئی دوسرا شخص تمھاری برابری نہیں کر سکا۔

تم نے اپنے خط میں سرت سے کہا ہے کہ" یہ بات کوئی بھی کہے لغو اور بے ہودہ ہے کہ سبھاش کی علالت بناوٹی تھی، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے میرے ساتھیوں میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا"۔ ایسے وقت میں جب کہ تری پوری میں اور اُس سے پہلے بھی میرے سیاسی مخالفین اس صریح جھوٹ کی ہر طرف اشاعت کر رہے تھے۔ تمھارا اس قسم کا فقرہ زبان پر لانا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ تم بربنائے حسد ایسا کر رہے ہو۔ یہ ایک مزید ثبوت اس بات کا ہے کہ اِدھر کچھ دنوں سے تم میرے بالکل خلاف ہو گئے ہو۔ (دیکھو اس خط کی ابتدا) میں نہیں سمجھ سکتا کہ تری پوری کی فضا وغیرہ کے بارے میں سرت نے جو کچھ کہا ہے اُس میں کوئی مبالغہ ہے۔

تم نے کچھ ایسی ناپسندیدہ اور خراب رپورٹوں کا ذکر کیا ہے جو تم نے تری پوری میں سُنیں۔ یہ کسی قدر تعجب خیز اور تمھارے لئے نازیبا سی بات ہے کہ تم کو ایسی ہی رپورٹیں متاثر کیا کرتی ہیں جو میرے خلاف ہوتی ہیں۔ آؤ میں تمھیں چند مثالیں اس کی دے دوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مندوبین کے ٹکٹوں کے اجراء کے سلسلے میں صرف بنگال ہی کے خلاف شکایتیں موصول نہیں ہوئیں؟ کیا تم جانتے ہو کہ ایسی ہی ایک شکایت آندھرا صوبے کے بارے میں بھی موصول ہوئی تھی؟ مگر تم نے صرف بنگال کا ذِکر کیا ہے۔ مزید براں، کیا تم جانتے ہو کہ جب بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے دفتر سے رسیدوں کے مثنیٰ اس بنا پر جاری کئے گئے کہ اصل رسیدیں کھو گئی ہیں تب بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کو اس بات سے آگاہ کر دیا اور کہہ دیا کہ مندوبین کے ٹکٹوں کے اِجرا میں محتاط رہے۔ کیا تم زحمت اُٹھا کر یہ دریافت کرو گے کہ غلطی کا ذمّے دار کون تھا — بنگال صوبائی کمیٹی کا دفتر یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا دفتر۔

آگے چل کر تم نے مندوبین کے لانے پر بڑی رقمیں خرچ کئے جانے کا ذِکر کیا ہے۔ کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ سرمایہ دار اور دولت مند لوگ کس کی طرف ہیں؟ کیا تم نے سُنا ہے کہ پنجاب کے مندوبین لاہور سے لاریوں میں

بھر بھر کر لائے گئے ؟ یہ حضرات کس کے اشارے پر لائے گئے تھے ؟ شاید ڈاکٹر کچلو اس سوال پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ پنجاب کی ایک مشہور کانگریسی خاتون کارکن جو آج سے پانچ دن پہلے مجھ سے یہاں ملی تھیں مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ یہ مندوبینِ پنجاب سردار پٹیل کی ہدایت پر لائے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ واقعہ کیا تھا۔ مگر تمھیں کچھ احساسِ ناطرفداری یقیناً رکھنا چاہیے۔

کانگریسی وزراء نے تری پوری میں جو پارٹ ادا کیا اُس کے متعلق مجھے دو باتیں کہنی ہیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بہت سے ممبروں نے مجھ سے درخواست کی کہ رائیں مخفی طور پر پرچیوں کے ذریعے لی جائیں، میں نے جب اُن سے وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر وہ اعلانیہ کانگریسی وزیروں کے خلاف ووٹ دیں گے تو مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں ؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں کانگریسی وزیروں کی اس طور پر پارٹی بازانہ ووٹ طلبی کے خلاف ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آئینی طور پر وہ ایسا کر سکتے ہیں — مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صوبے میں کانگریس کی پارلیمانی پارٹی میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اگر ان کانگریسی وزراء کو اپنے صوبے میں تمام ممبرانِ اسمبلی اور تمام ممبرانِ کونسل کی متفقہ تائید حاصل نہ رہی تو وہ کام کیوں کر چلائیں گے ؟

کیا تمھیں اس سے اتفاق نہیں ہے کہ عوام کے خیال کے مطابق تری پوری کانگریس میں (سب جیکٹ کمیٹی سمیت) پُرانے کارکنوں نے ایک خاموش اور منفعلانہ پارٹ ادا کیا اور وزراء ہر طرف چھائے رہے ؟ سرت نے جب یہ خیال ظاہر کیا تو کیا وہ غلط کہہ رہے تھے ؟

تمھارا اپنے اُس خط میں جو تم نے سرت کو لکھا ہے یہ کہنا کہ "قراردادِ تری پوری نے صدرِ کانگریس اور گاندھی جی کے درمیان تعاون کو پیشِ نظر رکھا ہے" بہ قول شخصے کٹے پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔

اسی خط میں تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم نے تری پوری میں نیز اس سے

پہلے کانگریسیوں کے درمیان تعاون پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کیا میں تم سے یہ ناخوش گوار واقعہ بیان کردوں کہ دوسروں کا خیال کچھ اور ہے؟ اُن کی رائے میں تم اُس خلیج کے پیدا کرنے کی ذمّے داری سے بری قرار نہیں دیئے جاسکتے جو تری پوری کانگریس نے کانگریسیوں کے درمیان پیدا کردی۔

اب میں تم سے استدعا کروں گا کہ تم اپنی پالیسی اور پروگرام کی ذرا توضیح کردو ـــــ مبہم اور عام طریقے سے نہیں، بلکہ صحیح تفصیلوں کے ساتھ۔ میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تم ہو کیا ـــــ اشتراکی، بائیں بازو والے، مرکز والے یا داہنے بازو والے۔ گاندھیائی ہو یا کچھ اور؟

تمھارے مسرت والے خط میں دو جملے قابلِ تعریف ہیں' جس بات سے مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچی وہ یہ ہے کہ شخصی موازنہ کے سامنے تمام سیاسی مسائل ماند پڑ گئے۔ اگر کانگریسیوں کے درمیان نزاع ہونا ہی ہے تو میں چاہوں گا کہ اس نزاع کو ایک بلند تر سطح پر پالیسی کے معاملات اور اصول تک محدود رکھا جائے۔" اگر تم نے اتنا ہی کیا ہوتا کہ خود اپنے قول پر استوار رہتے تو تمھارے اس طرزِ عمل نے ہماری کانگریسی سیاست میں کتنا عظیم الشّان فرق پیدا کردیا ہوتا!

جب تم یہ کہتے ہو کہ تمھاری سمجھ میں نہیں آتا کہ تری پوری میں کیا مزاحمت ہوئی تو مجھ سے تمھارے اس "بھولے پن" کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ حقیقت میں تری پوری کانگریس میں ایک ہی تجویز منظور ہوئی یعنی پنڈت پنت کی تجویز جو چھچھورے پن اور جذبۂ انتقام کی روح سے بھری ہوئی تھی۔ صداقت اور عدم تشدّد کے حامیوں نے انتخابِ صدارت کے بعد دنیا کو بتادیا تھا کہ وہ اکثریت والی پارٹی کی مزاحمت نہ کریں گے اور اس عدم مزاحمت کی روح سے متاثر ہوکر اُن لوگوں نے مجلسِ عاملہ کی رُکنیت سے استعفےٰ دے دیئے تھے۔ تری پوری میں، اِن لوگوں نے مزاحمت کے سوا اور کچھ کیا ہی نہیں۔ اُن کو اس مزاحمت کا پورا حق حاصل تھا' ـــــ مگر سوال یہ ہے کہ اِن

لوگوں نے ایسے اعلانات کیوں کیے، جن کی اپنے عمل سے تکذیب کی، جن کو اپنے اپنے کردار سے جھٹلایا؟

اب میں اس غیر معمولی طور پر طویل خط کے ختم کرنے سے پہلے چند اور باتوں کی طرف اشارہ کروں گا۔

تم نے اُس دِقت کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنگال کے مندوبین کو ٹکٹ دینے میں پیش آئی۔ کچھ دن ہوئے میں نے اخبارات میں پڑھا کہ کلکتے کے ایک عام جلسے میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایک رُکن نے بیان کیا کہ انھوں نے یو۔پی کے بعض مندوبین کی زبانی سُنا کہ ایسی ہی دقت یو۔پی۔ میں بھی پیش آئی تھی۔

کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ پنڈت پنت کی تجویز کا اصل منشا مہاتما جی کو میرا مخالف بنا دینا تھا؟ کیا تم ایسی کسی چال کو ایمان دارانہ سمجھتے ہو جب کہ میرے اور مہاتما جی کے درمیان کوئی اَن بن نہیں تھی، کم از کم میری جانب سے؟ اگر پُرانے کارکن مجھ سے لڑنا ہی چاہتے تھے تو سامنے آکر ایمان دارانہ طریق پر کیوں نہیں لڑے لئے؟ یہ لوگ ہمارے درمیان مہاتما گاندھی کو کیوں لے آئے؟ چال تو یہ بڑی شاطرانہ تھی مگر کیا صداقت اور عدم تشدد سے بھی مطابقت رکھتی ہے؟

یہ سوال میں تم سے پہلے ہی کر چکا ہوں کہ کیا تم سردار پٹیل کے اس اعلان کو منصفانہ اور مناسب سمجھتے ہو کہ میرا دوبارہ کانگریس کا صدر منتخب ہو جانا مُلکی مقاصد کے حق میں مضر ثابت ہو گا؟ تم نے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ اُن کو اپنا یہ بیان واپس لے لینا چاہیئے —— اپنی اس خوشی سے تم نے بالواسطہ اُن کے اس الزام یا بیان کی تائید کی۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ مہاتما جی کے اس قول کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے کہ بہرصورت میں مُلک کا دشمن نہیں ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری نسبت مہاتما جی کا یہ فرمانا حق بجانب تھا؟ اگر نہیں تھا، تو کیا تم نے میری طرف سے مہاتما جی سے ایک لفظ بھی کہا؟

اُس چال کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے جو کچھ لوگ اُس وقت چلے جب ہم سب تری پوری میں تھے اور اخباروں میں شائع کر دیا کہ پنت کی تجویز کو مہاتما جی کی پوری تائید حاصل تھی؟

اور اب یہ بتاؤ کہ پنت کی تجویز سے متعلّق تمھارا کیا خیال ہے؟ تری پوری میں یہ افواہ تھی کہ اُسے ترتیب دینے والوں میں تم بھی تھے۔ کیا یہ واقعہ ہے؟ رائے دہی کے وقت تم اگرچہ غیر جانب دار رہے مگر یہ بتاؤ کہ کیا تم اس تجویز کو پسند کرتے ہو؟ تمھارے خیال میں اس تجویز کا مفہوم کیا ہے؟ تمھاری رائے میں کیا یہ ایک عدم اعتماد کی تحریک تھی؟

مجھے افسوس ہے کہ میرا خط اتنا طویل ہو گیا ہے۔ بلا شبہ یہ تمھارے صبر و تحمّل کو تھکا ڈالے گا۔ مگر میں بھی معذور تھا۔ کہنے کی باتیں ہی اتنی جمع ہو گئی تھیں۔

ممکن ہے کہ مجھے تمھیں پھر کوئی خط لکھنا پڑے یا پریس میں کوئی بیان جاری کروں۔ ایک غیر مصدّقہ رپورٹ ہے کہ اپنے بعض مقالات میں تم میری صدارت پر مخالفانہ تنقیدیں کرتے رہے ہو۔ جب میں تمھارے ان مقالات کو دیکھ لوں گا تب میں اس موضوع پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہوں گا اور میں اپنے اور تمھارے کام کا موازنہ کروں گا —— خصوصاً اس لحاظ سے کہ دو برسوں میں تم نے بائیں بازو کے مقاصد کو کتنا آگے بڑھایا اور میں ایک سال میں اُن کو کتنا آگے لے گیا۔

اگر میں نے سخت زبان استعمال کی ہو یا کسی مقام پر تمھارے احساسات کو صدمہ پہنچایا ہو تو ازراہِ کرم مجھے معاف کر دو۔ تم خود کہا کرتے ہو کہ صاف گوئی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور میں نے صاف گوئی سے کام لینے کی کوشش کی ہے اور شاید تکلیف دِہ صاف گوئی ہے۔

حالاں کہ رفتار سست ہے مگر میں اپنی صحت یابی میں برابر ترقی کر رہا ہوں، امید ہے کہ تم بالکل بخیر ہو گے۔

تمھارا پُر محبت
سُبھاش

۲۵۵ - بنام سُبھاش چندر بوس

الٰہ آباد
۳ر اپریل ۱۹۳۹ء

نجی

میرے عزیز سبھاش

تمہارا ۲۸ر مارچ کا طویل خط مجھے ابھی ابھی ملا۔ اور میں بغیر کسی تاخیر کے اُس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ دیکھ کر کس قدر مسرّت ہوئی کہ تم نے مجھے صفائیٔ قلب کے ساتھ ایک مفصّل خط لکھا اور میرے اور دوسرے واقعات سے متعلق اپنے احساسات مجھ پر واضح کر دیئے۔ صاف گوئی اکثر تکلیف دِہ ہوا کرتی ہے مگر عام طور پر اچھی اور مفید ہوتی ہے علی الخصوص اُن لوگوں کے درمیان جن کو ساتھ رہ کر کام کرنا ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں دوسرے شخص کے گہرے تنقیدی نقطۂ نظر سے انسان کو اپنی واقعی اور صحیح تصویر دیکھ لینے میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے تمہارا یہ خط بڑا مددگار ثابت ہوا اور اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔

ایک ایسے خط کا جواب لکھنا جو ۲۷ ٹائپ شدہ صفحات پر پھیلا ہوا ہو اور متعدد واقعات اور بہت سی مختلف پالیسیوں اور پروگراموں کے ذِکر سے پُر ہو، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے مجھے یہ ڈر ہے کہ میرا جواب اُتنا مکمل اور مفصّل نہ ہوگا جتنا اس کو ہونا چاہیئے۔ ان تمام معاملات سے موزوں طور پر نپٹنے کے لئے ایک کتاب یا کتاب ہی جیسی کوئی چیز لکھنی پڑے گی۔

بنیادی طور پر تمہارا یہ خط میرے رویئے یا میرے طور طریقے کے خلاف ایک فردِ جُرم اور میری کوتاہیوں کی ایک تحقیق و تفتیش ہے۔ جیسا کہ تم خود بھی محسوس کرتے ہو گے ایسی فردِ جُرم کا اگر جواب لکھنا پڑے تو وہ ایک دُشوار اور پریشان کُن کام ہوگا۔ مگر جہاں تک

کوتاہیوں اور کمزوریوں کا تعلق ہے، یا اُن میں سے بہت سی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا، تو اُن کے متعلق مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ بد قسمتی سے یہ کوتاہیاں اور کمزوریاں مجھ میں موجود ہیں۔ مجھے اتنا اور کہنے کی اجازت دو کہ میں تمھارے اس قول کی صداقت کا پورے طور پر قدر شناس ہوں کہ جب سے تم نے ۱۹۳۷ء میں نظربندی سے رہائی پائی تب سے نجی، پرائیویٹ اور پبلک زندگی میں تم میرے ساتھ ہمیشہ انتہائی احترام اور لحاظ کے ساتھ پیش آتے رہے۔ اس لحاظ و احترام کے لئے میں تمھارا ممنون ہوں۔ ذاتی طور پر میرے دل میں ہمیشہ تمھارا احترام اور لحاظ رہا ہے اور اب بھی ہے، اگرچہ بعض اوقات جو کچھ تم نے کیا یا جس طرح تم نے اُس کو کیا، میں نے قطعاً پسند نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ مزاج اور اُفتادِ طبع کے لحاظ سے ہم دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔ اور زندگی اور اس کے مسائل پر غور کرنے کا انداز بھی ایک سا نہیں ہے۔

اب میں تمھارے خط سے بحث کروں گا اور ہر پیراگراف کا جواب الگ الگ دوں گا۔

گزشتہ نومبر میں جب میں یورپ سے واپس آیا اور تم مجھ سے الہ آباد میں ملے تب میں نے تم سے کیا کہا، مجھے یاد نہیں رہا۔ تم کراچی سے کلکتہ جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے یہاں رُکے تھے۔ میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کون سی ایسی بات تھی جس کا جواب دینے سے قبل میں گاندھی جی سے مشورہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی مجھے تمھارا سوال یاد نہیں آرہا ہے۔ مگر غالباً میرا منشا یہ تھا کہ مختلف معاملات کے بارے میں گاندھی جی کے ردِّ عمل پر میرے آئندہ طرزِ عمل کا انحصار ہوگا۔ ہری پورہ سے پہلے نیز اس کے بعد میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ تمھیں یاد ہوگا۔ اس وقت بحیثیت ایک رُکن کے مجلسِ عاملہ سے میرا تعلق میرے لئے انتہائی پریشانی کا باعث تھا اور میں اُس سے علیحدہ ہو جانا چاہتا تھا اور وہ اس لئے کہ میرا یہ احساس قوی تر ہوتا جارہا تھا کہ میں اس کمیٹی میں کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے رہا

ہوں۔ اور اس لئے بھی کہ گاندھی جی 'بقول خود' ایک متحدالخیال کمیٹی کا تصور کر رہے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ایسی کمیٹی کا ایک ہم آہنگ جزو کیوں کر ہو سکتا ہوں۔ بنا بریں میرے لئے دو ہی راستے رہ گئے تھے، یا تو میں خاموشی کے ساتھ اس کمیٹی سے علیحدہ ہو جاؤں اور باہر رہ کر اس سے تعاون کروں، یا میں گاندھی جی اور اُن کی ٹولی کو چیلنج دے دوں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا یا تمھارا اس قسم کا کوئی قطعی اختلاف پیدا کر دینا ہندوستان کے مفاد اور ہمارے قومی مقاصد کے حق میں مضر ہوگا۔ یہ کہنا تو یقیناً ایک نامعقول سی بات ہے کہ اتحاد کو ہر قیمت پر باقی رکھنا چاہیئے۔ بعض اوقات یہ اتحاد نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہو تو اُسے ہرگز باقی نہ رہنا چاہیئے۔ مگر اس کا تمام تر انحصار اُس وقت کے حالات پر ہوگا، اور میں اُس وقت یقین رکھتا تھا کہ گاندھی جی اور اُن کی ٹولی کو علیحدہ کر دینا یا اس امر کی کوشش کرنا ہیں ایک بڑے نازک وقت میں کمزور کر دے گا۔ میں اِس ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ساتھ ہی ساتھ میں بہت سی نئی باتوں کو جو وقوع پذیر ہو رہی تھیں پسند نہیں کرتا تھا اور بعض معاملات سے متعلق، مثلاً ریاستیں اور وزارتیں، میں گاندھی جی کے عام انداز و روش کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا تھا۔

میں یورپ چلا گیا اور جب واپس آیا تو پُرانے مسئلے سے پھر دوچار ہونا پڑا۔ تم مجھ سے اسی زمانے میں ملے تھے اور میں نے غالباً جو کچھ میرے ذہن میں تھا تم سے کہہ دیا تھا۔ میرا اپنا دماغ صاف تھا مگر میرے اقدام و عمل کا انحصار صورتِ حال سے متعلق گاندھی جی کے ردِ عمل ہی پر ہوگا۔ اگر وہ اب بھی اپنے تصورِ "ہم آہنگی" پر مصر ہیں تو پھر میرا سوال باقی نہیں رہتا، میری وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی اس پر مصر نہیں ہیں تو اُس صورت میں میں کوشش کروں گا کہ مجلسِ عاملہ کے ایک رُکن کی حیثیت سے تعاون کروں۔ اس مسئلے پر میں کانگریس کے اندر کوئی اختلاف پیدا کر دینے کی غرض سے کچھ کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میرے دماغ میں

اندرونِ ہند اور بیرونِ ہند کے بڑھتے ہوئے بحرانات کی صدائیں گونج رہی تھیں اور میں محسوس کر رہا تھا کہ چند مہینوں میں ہم سب کسی بڑی کشمکش سے دوچار ہو سکتے ہیں ــــ گاندھی جی کی عملی شرکت اور قیادت کے بغیر اس کشمکش کا مؤثر ہونا قرین قیاس نہیں تھا۔

میرے ذہن میں اس کشمکش کا جو تصوّر تھا وہ وفاق یا وفاقی اسکیم پر مبنی نہیں تھا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ کانگریس وفاق کے مسئلے کو تقریباً ایک مُردہ مسئلہ تصوّر کرے اور اپنی تمام قوّتیں حقِ خود ارادیت اور نمائندہ اسمبلی کے مطالبے پر مرتکز کر دے، نیز یہ کہ جو کچھ کیا جائے عالمی بحران کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ وفاقی اسکیم سے لڑنے پر بہت زیادہ اور شدّت کے ساتھ زور دینا اِس مسئلے کو زندہ رکھنے میں مددگار ثابت ہوا اور ہم لوگوں کو بلند تر اور بنیادی سطح پر غور کرنے اور بعد میں عمل کرنے سے مانع آیا۔ جب میں انگلستان میں تھا تب تم نے اس مضمون کا ایک بیان جاری کیا کہ تم اس وفاق سے اخیر تک لڑتے رہو گے خواہ اُسے کانگریس قبول ہی کیوں نہ کرے۔ تمھارے اس بیان نے انگلستان میں بالکل اُلٹا اثر پیدا کر دیا۔ ہر شخص نے کہنا شروع کیا کہ اگر صدرِ کانگریس اس مسئلے پر کانگریس سے مستعفی ہو جانے پر غور کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کانگریس اس اسکیم کو اب قبول ہی کر لینے والی ہے۔ میں بے بس ہو گیا اور بآسانی اس استدلال کا مقابلہ نہ کر سکا۔

اس بنیاد پر میں نے دو تجویزیں تیّار کیں۔ ان تجویزوں میں بجُز اس کے اور کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ زور دوسرے پہلو پر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ تم بھی جانتے ہو کہ مجلسِ عاملہ کے لیے تمام تجویزیں اس خیال کو سامنے رکھ کر مرتّب کی جاتی ہیں کہ دوسرے ارکان بھی اُن سے اتفاق کر لیں۔ ایسی کسی تجویز کا مسودہ تیّار کر لینا جس سے مسودے کا ترتیب دینے والا خود مطمئن ہو مگر دوسرے لوگ اُسے پسند نہ کرتے ہوں۔ زیادہ آسان ہے۔ ان تجویزوں کے مجلسِ عاملہ کے سامنے رکھنے سے میری

غرض یہ تھی کہ کانگریس کے آئندہ اجلاس کے سامنے ایک زیادہ جامع اور دُور رس تجویز رکھنے کے لئے زمین بھی ہموار کی جائے اور عوام کے ذہن کو بھی تیار کر دیا جائے۔ بہر حال میری تجویزیں منظور نہیں کی گئیں اور مجھ سے کہہ دیا گیا کہ ان پر کانگریس میں غور ہونا چاہیے۔

مجلسِ عاملہ کی یہی نشست تھی جس میں میں نے یہودیوں کے بارے میں ایک تجویز پیش کی تھی۔ تم کو یاد ہوگا کہ اس سے کچھ ہی پہلے جرمنی میں یہودیوں کا ہیبت ناک قتلِ عام ہوا تھا اور دُنیا اُس کی صداؤں سے گونج رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس سانحے سے متعلق ہمیں اپنی رائے کا اظہار ضرور کر دینا چاہیے۔ تم کہتے ہو کہ: "تمھیں اُس وقت سخت حیرت ہوئی جب میں نے ایک تجویز اس غرض سے پیش کی کہ ہندوستان کو یہودیوں کے لئے ایک پناہ گاہ بنا دیا جائے۔" مجھے یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ تم نے اس کو اس شدت کے ساتھ محسوس کیا، اس لئے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے اُس وقت تم نے اپنی رائے قطعی طور پر ظاہر نہیں کی تھی۔ مگر کیا یہ کوئی معقول اور منصفانہ بات ہے کہ میری تجویز کو ایک ایسی تجویز بتایا جائے جس کا منشا ہندوستان میں یہودیوں کے لئے ایک ملجاؤ ماویٰ قائم کرنا تھا؟ تجویز کا پُرانا مسودہ میرے سامنے ہے۔ اُس کی عبارت یہ ہے: "کمیٹی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر ایسے یہودی پناہ گزینوں کو ہندوستان میں کام سے لگا یا جائے جو خاص خاص فنون کے ماہر ہوں اور جو ہندوستان کے نئے نظام کے لئے موزوں ہوں اور ہندوستانی معیاروں کو قبول کریں۔" میں نے اس سوال پر یہودیوں کی اعانت کے نقطۂ نظر سے غور نہیں کیا تھا، اگرچہ ایسی اعانت بھی جو اپنے ملک کو نقصان پہنچائے بغیر ممکن ہو اِک پسندیدہ سی چیز ہے، بلکہ یہ سوچا تھا کہ ہمیں اپنے یہاں سائنس، صنعت وغیرہ کے لئے چوٹی کے ماہرین واجبی تنخواہوں پر مل جائیں گے۔ نازیوں کے قبضے کے بعد بہت سے مُلکوں نے اپنے خاص کمیشن وِیانا بھیجے تاکہ وہ دیکھ بھال کر اچھے اچھے آدمی چُن لائیں۔

ترکی نے اِن یہودی ماہرین سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ صحیح قسم کے ماہرین اور ماہرینِ فن کے حاصل کرنے کا مجھے یہ ایک نہایت ہی عمدہ اور مثالی موقع نظر آیا۔ ان لوگوں کے کم تنخواہوں پر یہاں آجانے سے ہمیں دوسروں کی تنخواہوں میں بھی تخفیف کر دینے کا موقع مل جاتا۔ یہ لوگ اگر آتے تو مستقل طور پر یہاں بود و باش اختیار کر لینے کی نیّت سے نہیں بلکہ صرف کچھ عرصے کے لئے آتے، اور صرف ایک خاص تعداد میں آتے اور وہی لوگ آتے جو ہمارے لئے یقینی طور پر مفید ہوتے اور ہمارے معیاروں اور ہمارے سیاسی نظریوں کو قبول کر لیتے۔ بہرحال جب لوگوں نے اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں کیا تو وہ بھی رد کر دی گئی۔

تم نے میری اُس تقریر کا ذِکر کیا ہے جو میں نے دہلی کے ایک اجتماع میں کانگریس کے صدارتی انتخاب کے بعد کی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے وہ پریس رپورٹ جس کا تم نے حوالہ دیا ہے نہیں دیکھی گو بعد میں کسی نے مجھ سے اس کا ذِکر ضرور کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تقریر میں میں نے تمہارا یا تمہارے انتخاب کا کوئی ذِکر نہیں کیا تھا۔ میں دہلی اور پنجاب کی کانگریس کی چپقلشوں اور جھگڑوں کا ذِکر کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ان دونوں جگہوں میں عہدوں کی خواہش اور ان کے لئے کنویسنگ وغیرہ بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ میں نے لوگوں کی اس روِش پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔ پریس کے نامہ نگار کے ذہن میں غالباً تمہارا انتخاب بس رہا تھا اس لئے اس نے میری تقریر کو توڑ مروڑ کر پریس میں بھیج دیا۔ میں نے ایسے کچھ اور لوگوں سے بھی جو اس اجتماع میں موجود تھے اِس بات کی تصدیق کی اور اُنھوں نے بھی میرے خیال کی تائید کی۔

تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو کہ ڈاکٹر پٹا بھی کے لئے بڑے زوروں سے ووٹ مانگے جا رہے تھے، ٹھیک اُسی طرح جس طرح تمھارے لئے ہو رہا تھا۔ انتخاب میں کنویسنگ کو میں کوئی بُری بات نہیں سمجھتا۔ میں نے تمھارے اس فقرے کا منشا صحیح طور پر نہیں سمجھا کہ کانگریسی وزارتوں کی

مشینری پٹابھی کے لئے ووٹ حاصل کرنے میں استعمال کی جا رہی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ اس مقصد و غرض کے لئے کون سی مشینری تھی، یو۔ پی۔ میں یقیناً میں نے کوئی ایسی مشینری مصروفِ کار نہیں دیکھی، بجز ایک منفرد واقعہ کے جس میں تمہارے لئے ووٹ مانگے جا رہے تھے۔ مجھے اس کا کوئی اندازہ یا علم نہیں ہے کہ ہمارے وزراء نے کس کو ووٹ دیا مگر میرا رجحانِ فکر یہ ہے کہ ڈاکٹر پٹابھی کو آدھے سے زیادہ وزراء نے ووٹ نہیں دیا، بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس سے بھی کم نے۔ ایک وزیر نے تو ووٹ دینے ہی سے انکار کر دیا اور ایک کھُل کر تن دہی کے ساتھ تمہارے لئے کام کر رہا تھا اور عام رائے یہ تھی کہ اس وزیر نے تمہارے لئے بہت سے ووٹ حاصل کئے۔

تمہارا اس بات پر معترض ہونا کہ میں تم کو ایک عام اجتماع میں بُرا بھلا کہوں بالکل حق بجانب ہے۔ یہ بات بالکل ہی نامناسب ہوتی، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایسی کوئی بات کی ہی نہیں، نہ دہلی میں اور نہ کسی اور جگہ۔

اب میں اپنے اس بیان پر آتا ہوں جو میں نے اُس وقت جاری کیا جب مجلسِ عاملہ کے بارہ ممبروں نے استعفے دیئے۔ جب میں نے اُس پوزیشن کے مقابلے میں جو مجلسِ عاملہ کے بعض دوسرے ممبروں نے اختیار کی تھی ایک ایسی پوزیشن سامنے رکھنے کی جسارت کی جو انتہا پسندی سے بہت دُور تھی۔ تو دو دن تک بحثیں ہوتی رہیں۔ اس نشست سے پہلے جب میرے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ استعفوں کا امکان ہے تو میں نے اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد پھر ایک کوشش اور کی۔ مگر مختلف اسباب نے صورتِ حال کو پہلے سے بھی زیادہ دشوار بنا دیا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے صدارتی بیانوں میں مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں پر جو چوٹیں ہیں اُن کو میں نے بڑی شدّت کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ میں نے اس بات کا تم سے کئی بار ذکر کیا۔ جس وقت تم گاندھی جی سے ملنے جا رہے تھے تو میں نے یہ بات

خاص طور پر تمھارے ذہن نشین کر دینے کی کوشش کی تھی کہ سیاسی مسائل پر غور کرنے سے پہلے اس معاملے کو صاف کروا لینا ضروری ہے۔ جے پرکاش نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا تھا۔ جب دو شخصوں کے درمیان شک وشبہہ اور بے اعتمادی کی ایک دیوار حائل ہو تو کوئی سیاسی غور وفکر ہو ہی نہیں سکتا۔ تم نے جو کچھ اپنے بیانوں میں کہا تھا اس کے لئے قطعاً کوئی وجہِ جواز نہیں تھی۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو تحریک کا خاص رُکن ہے اور صدرِ کانگریس ہونے کی "ذمے دارانہ حیثیت" کا مالک ہے، یہ کوئی بہت اچھی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ پریس کی افواہوں یا بازاری بیانات کا اعادہ کرے۔ ایسے شخص کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تمام باتیں جانتا ہے اور اس کا صرف اشارہ دوسروں کے لئے یقین کا موجب ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ تم نے کوئی نام نہیں لیا تھا، مگر پھر بھی تمھارے بیانات کا ہر پڑھنے والا اس نتیجے تک لازمی طور پر پہنچا کہ اُن کا تعلق مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں سے ہے۔ کسی شخص کی اس سے بڑھ کر اور کوئی اہانت و تذلیل نہیں ہو سکتی کہ اُس کی نسبت یہ کہہ دیا جائے کہ اُس نے اُس مقصد کے ساتھ جس کا وہ اعلانیہ طور پر حامی بنتا ہے خفیہ طور پر غدّاری کی۔ یہی نہیں کی بلکہ اُس نے وفاقی نظام میں وزارتوں کے باہم تقسیم کر لینے کا بھی ایک منصوبہ بنا لیا۔ یہ ایک بے اصل و بے بُنیاد بیان تھا جس سے لوگوں کو سخت اذیّت پہنچی۔

اس طرح کا بیان تمھارے اور گاندھی جی کے درمیان کسی مزید تعاون کی راہ میں ایک سخت رُکاوٹ بن گیا، اس لئے کہ دوسرے لوگ، ایک معنی میں گاندھی جی کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مجھے اس بات کا بڑا فکر تھا کہ تم دونوں کے درمیان تعاون باقی رہنا چاہیے، کیوں کہ دوسری متبادل صورت میری نظر میں بہت مضر تھی۔ اسی لئے میں نے تم سے بہ اصرار کہا تھا کہ تم اس رکاوٹ کو راہ سے دور کر ڈالو اور گاندھی جی سے فی الفور اُن کے ساتھ گفتگو کر لو۔ میرا خیال تھا کہ تم اس سے متّفق تھے لیکن

بعد کو جب مجھے جے پرکاشس اور گاندھی جی سے معلوم ہوا کہ تم نے اس معاملے کا ذِکر تک نہیں کیا تو مجھے سخت تعجّب ہوا۔ مجھے اس بات کا ضرور اعتراف کر لینا چاہیئے کہ تمھارے اس رویئے سے میں بہت پریشان ہوا، اور میں نے محسوس کیا کہ تمھارے ساتھ کام کرنا کس قدر دُشوار ہے۔

گاندھی جی نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ تمھاری آمد اور گفتگو سے جو نتیجہ انھوں نے اخذ کیا وہ یہ تھا کہ اگرچہ سرسری طور پر تم نے اُن سے اُن کے تعاون کی خواہش ظاہر ضرور کی مگر تم اُس کے کچھ زیادہ آرزومند نہیں ہو۔ کچھ ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے تم ایسے لوگوں پر مشتمل مجلس عاملہ ترتیب دینے کی بابت سوچ رہے ہو جو اس مقصد کے لیئے پہلے ہی سے تمھارے ذہن میں تھے (اور جن سے شاید تم وعدہ بھی کر چکے تھے) تمھیں ایسا کر لینے کا یقیناً پورا حق حاصل تھا مگر ان تمام باتوں سے اتنا ضرور ظاہر تھا کہ تمھارے ذہن میں گاندھی جی اور اُن کے گروہ سے تعاون کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔

پنجاب، دہلی اور نیلور (آندھرا) کے انتخابات کے سلسلے میں جو کارروائی تم نے کی اُس سے زیادہ مجھے اس طریقۂ کار نے چونکا دیا جو تم نے اختیار کیا تھا۔ تم نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر سے، یا، آندھرا کے معاملے میں، صوبائی کانگریس کمیٹی سے رجوع کیئے بغیر براہِ راست کارروائی کی۔ پنجاب کی کسی تحقیقات کو تم نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کی طرف سے تار دے کر روک دیا۔ دہلی میں بھی تم نے صوبائی کانگریس کمیٹی سے کچھ دریافت کیئے بغیر اپنا اقدام روا رکھا۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ دہلی کے معاملے میں تمھارا فیصلہ غلط تھا، مگر یہ کوئی اہم بات نہیں ہے میں نے محسوس کیا کہ تم براہِ راست اشخاص اور جتھوں سے متاثر ہوتے جا رہے ہو اور مسائل سے نمٹنے کے لیئے ضابطے کے اُن طریقوں کو جو ایک دفتر کو اختیار کرنے چاہئیں نظرانداز کرتے چلے جا رہے ہو۔ تمھارا یہ طریقہ مجھے خطرات سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

تم کہتے ہو "اوپر سے مداخلت کرنے کی عادت میں کوئی صدرِ کانگریس

تم سے گو سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔" میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ایک وحل انداز قسم کا آدمی ہوں مگر جہاں تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے کام کا تعلق ہے، اگرچہ اُس پر اثر انداز ہونے کی میں نے اکثر کوشش کی، مگر مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے کبھی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے کام میں مداخلت کی ہو۔ میری سوچی سمجھی ہوئی پالیسی یہ تھی (اور اس مضمون کی گشتی چٹھیاں بھی جاری کی گئیں) کہ مداخلت نہ کی جائے اور صوبائی معاملات میں میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کی عدم مداخلت ہی کی پالیسی رکھی۔ تاوقتیکہ کوئی اور چارہ کار نہ رہ جائے۔

میں اِن متعدد اور مختلف حوادث سے مضطرب اور پریشان تھا ہی کہ گاندھی جی اور وِلبھ بھائی کے نام تمھارے تار پہنچے جن کے یہ معنی لیئے گئے کہ مجلسِ عاملہ میں بلکہ یہاں تک کہ ضابطے کی کارروائیوں کی انجام دہی کے لیئے بھی تم ہمارا ایک ہو جانا نہیں چاہتے۔ تم کہتے ہو کہ ان تاروں سے تمھارا منشا اس قسم کا کوئی حکمِ امتناعی جاری کرنا نہیں تھا، مگر تمھارے تاروں کی عبارت کے یہ معنی ضرور لیئے جا سکتے تھے۔ یہ ممکن تھا کہ تم سے ایک بار پھر لکھ کر دریافت کر لیا جاتا کہ تمھارا منشاء کیا ہے۔ مگر یہ بات مجھے اس لئے اچھی نہیں معلوم ہوئی کہ اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم تمھیں ایک ایسی بات کرنے پر مجبور کر رہے ہیں جو سرِدست تم مناسب نہیں سمجھتے۔

ان تمام باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ تم اپنی راہ پر اپنی پسند کے رفقاء کے ساتھ گام زن رہنا چاہتے تھے۔ نیز یہ کہ مجلسِ عاملہ کے پرانے ممبر تم پر ایک بار کی مانند ہیں اور اُن کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اِن ممبروں کے لیئے بالکل ضروری ہو گیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں، ایسا نہ کرنا تمھارے حق میں، ملک کے حق میں اور خود ان ممبروں کے حق میں غیر منصفانہ اور جمہوری طرزِ کار کے خلاف ہوتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجلس میں رہ بھی کیسے سکتے تھے یا ان کے استعفوں سے تعطل کیوں کر پیدا ہو گیا۔ یہ لوگ اگر مستعفی نہ ہو جاتے تو سخت پیچیدگی پیدا ہو جاتی اس لئے

کہ اس صورت میں تم کوئی ایسا کام نہ کرنے پاتے جس کو تم درست اور مناسب سمجھتے۔

جیسا کہ تم نے کہا ہے اور صحیح کہا ہے کہ میں نے کسی قدر احمقانہ روش اختیار کی۔ میں فی الواقع مستعفی نہیں ہوا پھر بھی میں نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جیسے میں استعفیٰ دے چکا ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے رفقائے کار نے اس مسئلے سے نپٹنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس سے میں بالکل متفق نہیں تھا میں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ موجودہ حالات میں میں تمھارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا، مگر اسی شدت کے ساتھ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میں ایک معنی میں دوسروں سے علیحدہ ہو رہا ہوں۔ حقیقت میں میرا یہ دوسرا احساس قوی تر تھا اس لئے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ ہماری کشاکش کا وہ باب ختم ہو رہا ہے جو بہت طویل ہو چکا تھا۔ اگر تم اُس سلسلۂ مقالات کا پہلا مقالہ پڑھو گے جو میں نیشنل ہیرالڈ میں لکھنا رہا ہوں تو تم کو میرے اندازِ فکر کی ایک خفیف سی جھلک مل جائے گی۔

استعفوں کے عام خط کے متن میں میرے ۲۲ر فروری والے بیان کے شامل کر دیئے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ میرا ذاتی اور نجی بیان تھا، اور اُس کو کوئی دوسری حیثیت دی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ مجھ پر سخت دباؤ ڈالا گیا تھا کہ استعفوں میں دوسروں کے ساتھ میں بھی شریک ہو جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے استعفے کا خط اُس وقت تک دیکھا بھی نہیں تھا جب تک کہ وہ تمھیں بھیج نہیں دیا گیا۔

کیا میں اُس چیز کی اور وضاحت کر دوں جس سے گزشتہ تقریباً دو مہینوں میں میرا دماغ بہت زیادہ پریشان رہا ہے؟ میں اس کا مخالف تھا کہ تم انتخاب کے لئے کھڑے ہو۔ اس کے بڑے اسباب دو تھے: اوّلاً بہ حالاتِ موجودہ تمھارا انتخاب لڑنا یہ معنی رکھتا تھا کہ تم گاندھی جی سے بگاڑ مول لے لو اور میں یہ چاہتا نہیں تھا۔ (اس بگاڑ کا ہو جانا کیوں ضروری تھا اس کی تفصیل میں جانے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں نے محسوس کیا

کہ ایسا ضرور ہوگا، ثانیاً: میں نے سوچا کہ تمھارا انتخاب لڑنا حقیقی بائیں بازو والوں کو ترقی سے روک دے گا۔ بایاں بازو اتنا قوی نہیں تھا کہ اس بارِ گراں کو تنہا اُٹھا لے اور جب کانگریس کے اندر کوئی واقعی کشمکش ہو گی تو یہ بازو ہار جائے گا اور تب اس کے خلاف ردِّ عمل شروع ہو جائے گا۔ مجھے کسی حد تک اس بات کی اُمید تھی کہ پٹا بھی کے خلاف تم اس انتخاب میں کامیاب رہو گے مگر مجھے اس بات میں بڑا شبہہ تھا کہ آیا تم اس مکتبِ فکر کے مقابلے میں جس کو گاندھی اِزم کے نام سے پکارا جاتا ہے کانگریس کو اپنے ساتھ بھی رکھ سکو گے یا نہیں۔ اگر کسی طرح تم نے کانگریس میں اکثریت حاصل بھی کر لی تو اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ گاندھی جی اور مؤثر و نتیجہ خیز کام کے بغیر بھی تم اپنی پشت پر ملک کی کوئی بڑی تائید رکھتے ہو، مزید برآں ملک کو کسی کشمکش کے لئے تیار کرنا پھر بھی بہت دشوار رہو گا۔ ملک میں پہلے ہی سے بہت سے تخریبی رجحانات موجود ہیں۔ ہم لوگ بجائے اس کے کہ اُن پر قابو پائیں اُن میں اضافہ کر دیں گے۔ ان تمام باتوں کے معنی یہ ہوں گے کہ عین اُس وقت جب کہ ہمیں قوت کی حاجت ہے ہم اپنی قومی تحریک کمزور کر دیں گے۔

یہ دو خاص اسباب تھے جو مجھ کو تمھارے مکرر صدر منتخب کئے جانے کی مخالفت پر مجبور کر رہے تھے۔ بمبئی کے بعض دوستوں نے جو کچھ تم سے کہا وہ بُکلّی درست نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ کہا وہ یہ کہا کہ اگر تم بائیں بازو کے کچھ متعین اصول اور پالیسیوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے ہو تب تو تمھارے مکرر انتخاب چاہنے میں تمھارا مکرر انتخاب لڑنا افکار و تصورات اور پالیسیوں کی تعلیم کا ایک ذریعہ ہو گا۔ مگر جو انتخاب کم و بیش شخصی بنیاد پر لڑا جائے وہ تو اپنے اندر یہ خوبی بھی نہیں رکھتا۔ بہر صورت اسباب مذکورۂ بالا کی بنا پر میں نے تمھارے انتخاب کے لئے کھڑے ہونے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

میرے ۲۶ جنوری اور ۲۲ فروری کے بیانات بے شک مختلف ہیں مگر میں نہیں سمجھتا کہ اُن سے نظریے میں کوئی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔

پہلا بیان تمہارے انتخاب سے پہلے جاری کیا گیا تھا اور میں نے اپنے مقدور بھر کوشش کی تھی کہ کسی کی طرفداری کرنے سے دور رہوں۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں پٹابھی کی تائید کے لئے اپیل کروں۔ میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے میرے بیان کا لہجہ دانستہ نرم رکھا گیا۔ بعد کو کچھ مزید واقعات میرے علم میں آئے۔ میں نے تمہارے انتخابی بیانات دیکھے اور بہت سی اور مختلف باتیں ظہور میں آئیں جن کی طرف میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ تم کچھ عجیب و غریب قسم کے لوگوں سے قریبی اور گہرا تعلق رکھتے ہو جو بہ ظاہر تم پر خاصے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ان اشخاص میں سے کچھ افراد ذاتی طور پر اچھے آدمی ہیں مگر میری نظر میں یہ لوگ بائیں بازو کے کسی فکر یا رائے کی نمائندگی نہیں کرتے اور نہ خود کوئی منظم اور صائب رائے رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر میں ان لوگوں کو سیاسیات کی اصطلاح میں قسمت آزما کہتا ہوں۔ کسی قوم یا فرد میں قسمت آزمائی کی روح کا پایا جانا یقیناً ایک بہت اچھی چیز ہے۔ مگر ایک سیاسی کشمکش میں یہ لفظ ایک خاص معنی رکھتا ہے جو شخص متعلق کے حق میں کسی طرح غیر شریفانہ نہیں ہے۔ میں نے اس قسمت آزمائی رجحان کو مطلق پسند نہیں کیا اور اُس کو اپنے مقاصد کے لئے مضر جانا۔ بائیں بازو کے مبہم نعروں کا بائیں بازو کے واضح اور صاف تصورات سے خالی ہونا اِدھر کچھ سالوں سے یورپ میں بھی بہت زیادہ نمایاں رہا ہے۔ اس نے فاشستی طرزِ فکر کو نشو و نما دیا اور پبلک کے بہت سے طبقوں کو راہ سے بھٹکا دیا۔ اسی قسم کی کسی چیز کے ہندوستان میں بھی ظہور پذیر ہونے کا امکان میرے دماغ پر چھایا ہوا مجھے پریشان کر رہا تھا۔ یہ واقعہ کہ بین الاقوامی معاملات میں تم میری رایوں سے مختلف رائیں رکھتے ہو اور نازی جرمنی اور فاشستی اٹلی سے اظہار بیزاری میں پورے طور پر ہمارے ہم خیال نہیں ہو، میری بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا اور تصویر کو بہ حیثیتِ مجموعی سامنے رکھ کر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ظاہراً تم ہمیں کس سمت لے جانا چاہ رہے ہو۔

اگرچہ عام طور پر جو کچھ ظہور میں آ رہا تھا اُس سے میں مضطرب اور

فکر مند تھا پھر بھی نہ تو میں پورے یقین کے ساتھ اس سمت کو سمجھ رہا تھا جس طرف تم ہمیں لے جانا چاہتے ہو اور نہ تمھاری راہوں کو۔ اس لئے میں نے تم کو شروع فروری میں ایک خط لکھ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ایک تحریر میں ان معاملات کو واضح اور صاف کر دو۔ تمھیں اس کام کا وقت نہیں ملا اور پھر تم بیمار پڑ گئے۔ میری دشواریاں برقرار رہیں اور میرے دماغ کو پریشان کرتی رہیں۔ یہ میری انہی دماغی کیفیتوں کا ایک انعکاس ہے جسے تم میرے ۲۲ فروری والے بیان میں اور پھر کچھ ہی دنوں بعد میرے نیشنل ہیرالڈ والے مقالات میں پاتے ہو۔ ایک ایسی مجلسِ عاملہ کا جس کے ارکان کو کوئی ضابطہ یا اصول یا کوئی زاویہ فکر یکجا اور متحد نہ رکھتا ہو بلکہ جن کے درمیان صرف ایک مشترک رابطہ مخالفت کا ہو کوئی خوش گوار امکان نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسی مجلسِ عاملہ میں میں کیوں کر شریک ہو جاؤں۔ میں پرانی مجلسِ عاملہ کو بھگت چکا تھا، اگرچہ اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے کو سمجھتے تھے اور برسوں کسی نہ کسی طرح مل جل کر کام کرتے رہے۔ میں اب اس صورت سے مجلسِ عاملہ میں نہیں رہنا چاہتا تھا؛ اس سے کہیں زیادہ میں ایک ایسی چھوٹی سی انتظامی جماعت میں شرکت سے بے زار تھا جس کے بعض ارکان کے ساتھ میں تفاہم کا رابطہ بھی نہیں رکھتا تھا۔

ایک شخصی و ذاتی پہلو کا ذکر بھی میں پوری صفائی کے ساتھ کر دینا چاہتا ہوں۔ میں برابر اور ہمیشہ محسوس کرتا رہا کہ تم دوبارہ صدر منتخب ہو جانے کے بہت ہی زیادہ آرزو مند ہو۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے اس میں کوئی بڑی بات نہیں تھی اور تمھیں پورا حق حاصل تھا کہ تم دوبارہ منتخب کیے جانے کی آرزو کرو اور اس کے لیے کام کرو۔ تاہم مجھے اس بات سے تکلیف پہنچی اس لیے کہ میری نظر میں تم ایک ایسے بڑے اور بلند مقام کے مالک تھے کہ تم کو اس قسم کی چیزوں سے بلند رہنا چاہیے تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر تم نے یہ طرزِ عمل اختیار نہ کیا ہوتا تو تم پالیسیوں پر اور مختلف جتھوں پر کہیں زیادہ اثر انداز ہو سکتے تھے۔

تم مجھے وہ باتیں یاد دلاتے ہو جو وتبھ بھائی نے تمھارے بارے میں کہی تھیں اور کہتے ہو کہ اس پر میں نے اُن کو کچھ نہیں کہا تھا۔ جہاں تک اُن بیانات کا تعلق ہے۔ جو انتخاب کے زمانے میں جاری ہوئے میں نے اُن کو قطعاً پسند نہیں کیا میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی بیان بھی جاری نہ ہوا ہوتا۔ مگر میں اپنے حافظے سے کہہ رہا ہوں کہ ان بیانات میں مجھے کوئی ایسی بات یاد نہیں آرہی ہے جس میں میری مداخلت ضروری رہی ہو۔ وتبھ بھائی کا یہ فقرہ کہ تمھارا دوبارہ صدر منتخب کیا جانا ملک کے مقاصد کے حق میں مضر ثابت ہوگا ایک نجی تار میں استعمال کیا گیا تھا جو سرت کو دیا گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص کوئی بات کسی پبلک بیان میں کہے یا کسی نجی خط یا تار میں کہے ان دونوں صورتوں میں واقعی فرق ہے۔ یہ واقعہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ پیغام تمھارے بھائی کو بھیجا گیا تھا۔ یہ فقرہ ضرور سخت تھا مگر کہنے والے کا کوئی غیر شریفانہ منشاء نہیں تھا۔ اگر ولبھ بھائی کو اس امر کا یقین ہے کہ ہندوستان کی بھلائی کے لئے گاندھی جی کی رہبری کی ضرورت ہے مگر تمھارے دوبارہ صدر منتخب ہو جانے پر ملک اس رہبری سے محروم ہو جائے گا تو انھیں یہ رائے رکھنے اور اس کے اظہار کا حق ٹھیک اُسی طرح حاصل ہے جس طرح ہمیں اس نتیجے تک پہنچ جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خواہ ہم گاندھی جی کا کتنا ہی احترام کرتے ہوں، کہ اُن کی قیادت و رہبری خطرناک ہے اور ملک کے حق میں مضر۔

میں نے تم کو لکھا تھا کہ تمھارے انتخاب سے ملک کو کچھ فائدہ بھی پہنچا ہے اور کچھ نقصان بھی۔ میری رائے اب بھی یہی ہے اگرچہ فائدے کے مقابلے میں نقصان اس معنی میں زیادہ ہو سکتا ہے کہ اس سے ہماری صفوں کے اندر پھوٹ پڑ جائے گی۔ فائدہ اس معنی میں پہنچا کہ اس نے ہمارے بعض پرانے رہنماؤں کی دل جمعی اور آسودہ خاطری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ میرے دماغ میں اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ تمھیں جو ووٹ ملے وہ بیشتر اسی دل جمعی اور آسودہ خاطری کے خلاف تھے اور کسی حد تک

اُن طریقوں کے خلاف تھے جن پر عمل ہوتا چلا آرہا تھا۔ میں نے گاندھی جی اور دوسرے رہنماؤں کو اس بات کی طرف بار بار اور پُر زور لفظوں میں متوجہ کیا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس معاملے پر دھیان دیں۔ اُس احتجاج میں جس نے صدارتی انتخاب کے وقت رائے دہی کی صورت اختیار کر لی معقولیت تھی۔

تم نے میری توجہ اس بات کی طرف دلائی ہے کہ ایک طرف تو مجھے تمھارے اوپر سے مداخلت کرنے پر اعتراض ہے اور دوسری طرف میں نے اپنے چوتھی فروری کے خط میں تم پر یہ الزام رکھا ہے کہ بہ حیثیتِ صدر تم نہایت ہی خموش اور بے حرکت سے رہے ہو۔ یہ درست ہے۔ جس مداخلت کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ کچھ تو تمھارے دوبارہ صدر چُنے جانے سے کچھ ہی پہلے اور بیشتر اس کے بعد ظہور میں آئی۔ میرے اس اعتراض کا تعلق اس سے پہلے کے زمانے سے نہیں ہے۔ جب میں نے تمھاری خموشی، بے حسی اور صدارت کے فرائض میں کوتاہی کا ذکر کیا تب میرے ذہن میں تمھارا وہ انداز تھا جو تم نے سال گزشتہ مجلسِ عاملہ میں رکھا۔ اگرچہ میں کسی قسم کے تفرقے یا پھوٹ کا خواہاں نہیں تھا تاہم مجھ کو امید تھی کہ تم مجلسِ عاملہ کی قیادت اچھی طرح کرو گے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم بہ حیثیتِ صدر صوبائی معاملات میں مداخلت کرو۔

تم نے مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں کے، تمھاری غیر موجودگی میں اور تمھاری پسِ پُشت، یک جا ہو کر ڈاکٹر پٹا بھی کو صدارت کے لیے کھڑا کر دینے کے فیصلے کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں ولبھ بھائی کے بیان نے کچھ غلط فہمی پیدا کر دی، اور مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے اس غلط فہمی کے ازالے کا موقع دیا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ایسا کوئی اجتماع نہیں ہوا۔ باردولی میں جو واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ میں نے، گاندھی جی نے اور دوسرے لوگوں نے مولانا آزاد پر دباؤ ڈالا کہ وہ صدارت کے لیے اپنا نام پیش کرنے کی اجازت دے دیں۔ مولانا اس پر آمادہ نہیں تھے۔ جس روز میں باردولی سے روانہ ہو رہا تھا تمھارے

جانے کے بعد دوسرے دن) میں گاندھی جی اور دوسرے لوگوں کو خدا حافظ کہنے گیا، ہم میں سے کچھ لوگ گاندھی جی کی جھونپڑی کے برآمدے میں کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ وتبھ بھائی اور مولانا کے سوا اور کون لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ مولانا نے پھر کہا کہ اُن کو اس ذمّے داری کے قبول کر لینے میں پس و پیش ہے۔ اس پر وتبھ بھائی نے کہا کہ اگر مولانا انکار کر دیں تو ڈاکٹر پٹا بھی سے کہا جائے کہ وہ کھڑے ہوں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر پٹا بھی کا نام میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس لئے میں نے وتبھ بھائی کی تردید کئے بغیر کہا کہ مولانا کو اس پر ضرور رضا مند کیا جائے۔ اس کے بعد میں فوراً ہی بار دولی سے روانہ ہو گیا۔ الہ آباد پہنچنے پر مجھے ایک تار اس مضمون کا ملا کہ مولانا رضا مند ہو گئے۔ میں فوراً الموڑہ چلا گیا اور صدارتی انتخاب سے ایک دن پہلے تک وہاں مقیم رہا۔

جہاں تک "بہتان طرازی" والی قرارداد کا تعلق ہے، واقعات یہ ہیں۔ تم کو تو البتہ میں نے کئی بار مجبور کیا کہ اس معاملے کو صاف کر ڈالو، کیوں کہ میرے نزدیک اس کے بغیر تمہارے اور گاندھی جی کے درمیان تعاون ممکن ہی نہیں تھا، مگر اس سے زیادہ میں نے پھر اس معاملے میں دل چسپی ہی نہیں لی۔ گاندھی جی یا راجندر بابو یا سردار پٹیل اس معاملے سے متعلق کیا سوچ رہے تھے یہ وہ بتائیں گے۔ ان لوگوں کی گفتگو سے جو اثر میں نے لیا وہ یہ تھا کہ یہ لوگ اس معاملے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ جب میں تری پوری پہنچا تو یہ بات مجھ سے پھر دُہرائی گئی۔ میری اپنی رائے اس سلسلے میں یہ تھی کہ تمہارے یا راجندر بابو یا دونوں کے توسط سے مختصر بیانات کی شکل میں یہ معاملہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے لایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ اس کو کسی تجویز کی شکل میں ہرگز نہ پیش کرنا چاہیئے، لیکن دوسرے اصحاب اس سے متفق نہ ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے ایک تجویز کا مسودہ تیار کیا جائے۔ میرے خیال میں اس تجویز کا منشاء یہ نہیں تھا کہ یہ معاملہ کانگریس کے سامنے نہ آئے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ سبجیکٹ

کمیٹی کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے فضا کسی قدر صاف کر دی جائے حسب معمول، تجویز کا مسودہ تیار کرنا میرے سپرد کیا گیا۔ میں نے کہا کہ میں خود اس نقطۂ نظر سے متفق نہیں ہوں۔ لیکن جہاں تک میرے امکان میں ہوگا میں اُن کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرنے کی کوشش کروں گا۔ گو میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لیئے ایک مختصر سی تجویز کا مسودہ تیار کیا جس میں پرانی مجلسِ عاملہ اور گاندھی جی کی قیادت اور پالیسی پر اظہارِ اعتماد کے بعد اِس رائے کا اظہار کیا گیا کہ اس پالیسی کو برابر جاری رکھا جائے۔ اس مسودے میں کوئی اشارہ "بہتانات" کی طرف نہیں تھا اور نہ یہ کہا گیا تھا کہ مجلسِ عاملہ کی تشکیل گاندھی جی کی خواہش کے مطابق عمل میں آئے۔ یہ مسودہ پسند نہیں کیا گیا، اور بعد کو ایک طویل اور ترمیم کردہ مسودہ راجندر بابو نے غالباً اور لوگوں کے مشورے سے ترتیب دیا (گووند بلبھ پنت اس وقت تک نہیں پہنچے تھے) مجھ کو یہ مسودہ پسند نہیں آیا اور میں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ میں نے کہا کہ گو میں اس "بہتانات" والے فقرے کو، جس صورت میں کہ وہ اس مسودے میں رکھا گیا ہے، فی نفسہا قابلِ اعتراض نہیں سمجھتا، پھر بھی وہ مجھے اچھا نہیں لگتا، اس سے ناراضگی و بددلی پھیلے گی، خصوصاً اس لیئے کہ تم بیمار تھے۔ اس کے جواب میں مجھ سے کہا گیا کہ تجویز کے مسودے میں اس معاملے کی طرف کچھ اشارہ کر دینا نہایت اہم اور ضروری خیال کیا جا رہا ہے، اس لیئے کہ جن لوگوں کی آبرو کو بٹہ لگایا گیا ہے جب تک اُن کی پوزیشن کسی قدر صاف نہ کر دی جائے گی اُن کے لیئے اپنے تعاون کی پیش کش کرنا ناممکن ہوگا۔ اُن کی خاطر یہ کرنا بھی لازمی اور ضروری تھا اور گاندھی جی کی پالیسی کی پابندی بھی۔ اس جواب پر اتنا اور اضافہ کیا گیا کہ "بہتانات" والے معاملے کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے اُسے تا حدِ امکان نرم اور غیر شخصی بنا دیا گیا ہے۔ اس سے آگے وہ نہیں جا سکتے تھے۔

اس کے بعد مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔ میں نے یہ بات صاف کر دی کہ اس تجویز کو میں اُس کی بعض تفصیلات کے اعتبار سے قابلِ افسوس سمجھتا ہوں۔

مگر چوں کہ اُن کے لئے یہ عزّت و آبرو کا معاملہ تھا اس لئے میں نے اُس سے مزید کوئی تعلق نہیں رکھا۔ اور کہ اس تجویز پر جو بحث ہوگی میں اس میں کوئی حصّہ نہ لوں گا۔

اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔ یہ بات مجھے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست میں معلوم ہوئی کہ گووند بلّبھ پنت اس کے محرّک ہوں گے۔ تم وہاں موجود تھے۔ بعد کو جب یہ تجویز سبجیکٹ کمیٹی کے پاس بھیجی گئی تو میں تجویز کے بعض مؤیّدین سے ملا اور میں نے پھر اُن سے کہا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں۔ میں نے ان لوگوں کی توجّہ اس بات پر دلائی کہ اصل تجویز آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے کم و بیش اس نیّت سے ترتیب دی گئی تھی کہ ایک قضیۂ نزاعی اور ایک بحث کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر اب جب کہ وہ کانگریس کے سامنے جا رہی تھی اُس پر ایک دوسری روشنی میں غور ہونا چاہیے۔ مجھ سے پھر یہی کہا گیا کہ چوں کہ یہ معاملہ عزّت و آبرو کا معاملہ ہے، جب تک کہ اُس کی صفائی نہ ہو جائے گی وہ لوگ جن کی عزّت و آبرو پر حملہ کیا گیا ہے تعاون کرنے پر غور ہی کیوں کر کر سکتے ہیں۔ تم کو یاد ہوگا کہ اِن لوگوں نے کانگریس سے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ وہ تم سے تعاون نہ کر سکیں گے۔ اس تجویز کو اِن لوگوں نے اس نظر سے دیکھا کہ وہ حصولِ تعاون کی مزید سعی و کوشش کے لئے ایک ذریعے کا کام دے سکتی ہے، سوائے اس کے کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔

کانگریس کے عام اجلاس سے کچھ ہی پہلے میں نے تجویز میں تبدیلی کرانے کی ایک اور سخت کوشش اُس وقت کی جب تم بیمار پڑے ہوئے تھے۔ میں اس کوشش میں ناکام رہا۔ اگرچہ لوگ اس بات پر فوراً آمادہ ہو گئے کہ مسٹر اینی کی رائے قبول کر لی جائے اور اس تجویز کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے رکھ دیا جائے۔ غالباً مسٹر اینی کا یہ خیال تھا اور یہی اثر انھوں نے ہم سب پر ڈالا، کہ بنگال کے بہت سے دوست اُن کی رائے سے متفق ہیں۔ ہم نے یہ اثر بھی لیا (ہمارا یہ تاثر غلط ہو سکتا ہے) کہ تم بھی

اس رائے سے متفق ہو۔ بعد کو جو کچھ ظہور میں آیا تم اس سے واقف ہو۔

دوسرے دن کانگریس کے اُس اجلاس میں جو سبجیکٹ کمیٹی کے پنڈال میں ہو رہا تھا جب گووند بلبھ پنت اس تجویز کی تحریک کر رہے تھے سُریش مزُمدار میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس تجویز کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے بھجوا دیا جائے یعنی انھوں نے مسٹر اینی کی تجویز کو پھر اُبھارا۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ شب کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اب یہ تجویز فوراً مان لی جائے گی۔ میں نے اُن سے کہا کہ اب میں اس معاملے میں بے بس ہوں خصوصاً اس وقت جب کہ پنت اس کو فی الواقع پیش کر رہے ہیں۔ میں نے پہلے مختلف طریقوں سے کوشش کر کے دیکھ لیا، اب بہتر یہ ہے کہ وہ متعلقہ پارٹیوں کے پاس جائیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد انھوں نے کیا کیا۔

تری پوری میں بپسِ پردہ اور مندوبین کے خیموں میں کیا ہو رہا تھا اس کو غالباً تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ خاص خاص تقریبوں میں شرکت کی غرض سے تو ضرور باہر گیا ورنہ یوں میں اپنی جھونپڑی سے نکلا ہی نہیں، ملا بھی تو معدودے چند ملنے والوں سے۔ میرا کچھ وقت مصری مندوبین کے ساتھ بھی گزرا۔

تم میرے "مؤکلوں" کا ذکر کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میرے یہ "مؤکل" مجھ سے یا میری وکالت سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں، اُن کے حلقے میں اپنے آپ کو غیر مقبول بنا لینے میں مجھے کامیابی ضرور ہوئی ہے۔ بڑا اہم بالشان کارنامہ ہے ـــــ تقریباً ہر شخصِ متعلق کو ناراض کر دینا۔

"ہتانات" والی یہ تجویز غیر آئینی اور خارج از حدودِ اختیارات تھی یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا تمھارا کام ہے۔ اس مسئلے پر میرا اظہارِ رائے کرنا ضروری نہیں ہے۔ فطری طور پر مجھے کانگریس کا کام جاری رکھنے اور اُس احساسِ پیچیدگی کو دُور کرنے سے دلچسپی ہے جو آج ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ مجھے یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے تمھارے خلاف کوئی عام تحریک شروع کر دی تھی۔ گاندھی جی سے گفتگو کے بعد میں

سخت فکرمند رہا اور صورتِ حال پر دیر تک غور کرتا رہا۔ میری بدقسمتی ہے کہ بین الاقوامی معاملات سے مجھے جس قدر متاثّر ہونا چاہیئے میں اُس سے زیادہ متاثر ہوں۔ یورپ میں ایک ایسا سخت بحُران پیدا ہو گیا تھا جو اُسے جنگ تک کھینچ لے جا سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم لوگوں کو خموشی کے ساتھ حوادث کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ سرت نے گاندھی جی کو جو تار دیا اُس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گاندھی جی سے ملنے نہیں آ رہے ہیں۔ حوادث کا کارواں تو رواں دواں تھا مگر یہاں کچھ نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس پر میں نے تار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ بعد کو میں نے یہ تار گاندھی جی کو بھی دکھایا اور دو ایک اور شخصوں کو بھی۔ یہ تار میں نے پریس کے کسی نامہ نگار کو نہ دکھایا اور نہ دیا۔ سچ پوچھو تو گاندھی جی اور اُن کے ساتھ اُس وقت جو دو ایک آدمی اور موجود تھے اُن کے سوا میں نے اس تار کا کسی سے ذِکر ہی نہیں کیا۔ اب تک یہ تار میں نے دوسروں کو نہیں دکھایا ہے۔ غالباً کسی شخص کو اس تار کی سُن گُن مل گئی اور اُس نے اُسے پریس میں دے دیا۔

کیا تمھارا یہ خیال نہیں کہ مجلسِ عاملہ کے بارہ ممبروں کے تری پوری سے پہلے مستعفی ہو جانے کا موازنہ اُس صورتِ حال سے کرنا جو کانگریس کے بعد پیدا ہو گئی کوئی معقول موازنہ نہیں ہے؟ ان ممبروں کے استعفوں کی وجہ سے کوئی تعطّل پیدا نہیں ہوا یا پیدا نہ ہونا چاہیئے تھا۔ اگر ان لوگوں نے استعفیٰ نہ دے دیئے ہوتے اور اپنے فرائض ادا کرتے رہنے پر مصر ہوتے تو البتہ تعطّل پیدا ہونے کا امکان تھا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اُن کے استعفوں کے خلاف احتجاج کی توخیر کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں اُن کے لئے تو نہ تو شخصی اور ذاتی بنیادوں پر اور نہ پبلک بنیادوں پر بجز استعفوں کے کوئی اور دوسرا راستہ کھلا ہی نہیں رہ گیا تھا۔

جب میں نے تم کو دہلی سے یہ تار دیا تو میں اچھی طرح یہ جانتا تھا کہ تم وہاں نہیں آ سکتے۔ میں نے یہ چاہا تھا کہ تم یہ تجویز پیش کرو کہ گاندھی جی تم سے ملنے دھنباد آئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم نے اُن کو بُلایا ہوتا تو

وہ چلے آتے۔ بِن بلائے جانے میں اُن کو فطری طور پر کسی قدر پس و پیش تھا۔ تری پوری والی قرار داد جائز تھی یا ناجائز، پہل کرنا تمھارا کام تھا۔ جب تک کہ وہ یہ نہ جان لیتے کہ تمھارا ردِّ عمل کیا ہوگا وہ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ غالباً تم نے یہ سوچا کہ وہ دھنباد نہ آسکیں گے۔ جب تمھارے سکریٹری نے مجھے یہاں ٹیلیفون کیا تب اُس وقت وہ فی الواقع دہلی جانے کے لئے اسٹیشن جارہے تھے۔ اگر مستقبل قریب میں کوئی ذاتی ملاقات دشوار بھی تھی تب بھی میرے خیال میں حالات استوار کرنے کی غرض سے تم ایک دوسرے سے خط و کتابت کر سکتے تھے۔ تمھارا یہ کہنا کہ میں نے دہلی سے تم کو تار اس نیت سے دیا تھا کہ تمھیں پریشان کروں یا تمھارے خلاف کسی تحریک کی قیادت کروں، میرے ساتھ سخت بے انصافی ہے۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں گایر کے فیصلے کے انتظار میں گاندھی جی کے دہلی میں ٹھیرے رہنے کو کسی طرح پسند نہیں کرتا تھا۔ گاندھی جی کے برت کا گایر کے سپرد کر دیا جانا بھی میرے وہم و گمان میں نہ تھا۔ میں تصفیے کی اُن شرطوں کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا جن پر گاندھی جی نے اپنا برت توڑا۔ میں نے اُن کے برت توڑنے پر مسرت ضرور ظاہر کی مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔

یہ خط نہایت طویل ہو چکا ہے اور اسے میں نے تمھارا خط پاتے ہی تقریباً ایک ہی نشست میں لکھا ہے۔ تاہم بہت سے معاملات ایسے رہ گئے ہیں جن کی نسبت میں کچھ کہہ سکتا تھا، مجھے اپنی کمزوریوں کی بابت جن کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے کچھ بحث نہیں کرنی ہے۔ مجھے اُن کا اعتراف ہے اور اُن پر افسوس ہے۔ تمھارا یہ کہنا درست ہے کہ میں نے اپنی صدارت کے زمانے میں اکثر ایک سکریٹری یا ایک بڑھائے چڑھائے ہوئے کلرک کی طرح کام کیا ہے۔ میں نے ایک زمانے سے خود اپنا سکریٹری اور کلرک رہنے کی عادت ڈال لی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح میں دوسروں کے مخصوص دوائرِ عمل میں دخل انداز ہو جایا کرتا ہوں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ

کانگریس کی تجویزوں میں طوالت وضخامت اور کسی حد تک مقالات کی صورت اختیار کرتے جانے کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے اُس کا سبب میں ہی ہوں۔ مجلسِ عاملہ میں بھی غالباً میں بہت زیادہ بولتا رہا ہوں اور میرا برتاؤ ہمیشہ ویسا نہیں رہا ہے جیسا کہ رہنا چاہیئے تھا۔

میرے خیال کے مطابق تم لفظ "دائیں" اور "بائیں" کا استعمال کسی حد تک مبہم طور پر کر رہے تھے اسی لئے میں ان کے استعمال پر معترض ہوا تھا۔ یہ دونوں چیزیں مُلک اور کانگریس دونوں میں موجود ہیں۔ مگر جب تک کہ ان لفظوں کا استعمال بالکل بندھے ٹکے اور متعین طور پر نہ ہو گا وہ انتشار و پراگندگی پیدا کر سکتے ہیں اور پیدا کر بھی دیتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ راج کوٹ اور جے پور کا مسئلہ دوسرے مسائل پر چھایا ہوا ہے۔ میں نے غالباً یہ کہا تھا کہ راج کوٹ یعنی گاندھی جی کا برت اور اُس سے پیدا شدہ متعدد پیچیدہ مسائل فضا پر چھائے ہوئے تھے۔

بمبئی کے تجارتی جھگڑوں کے مسودۂ قانون کے بارے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میں ہندوستان اُس وقت پہنچا تھا جب یہ مسودۂ قانون بن چکا تھا اور بمبئی میں گولی چل چکی تھی۔ میں اس کا ذِکر محض ایک واقعے کے طور پر کر رہا ہوں، عُذر خواہی کے طور پر نہیں۔

یو۔پی کانگریس کا ایک ضابطہ ہے کہ دیہی کانگریس کمیٹی سے لے کر صوبائی کانگریس کمیٹی تک کسی بھی کمیٹی کا کوئی شخص متواتر دو سال سے زیادہ صدر نہیں رہ سکتا۔

تم نے مختلف صوبوں سے مندوبین کے ترتیب پوری لائے جانے میں بدعنوانیوں کا ذِکر کیا ہے۔ جہاں تک میرے اپنے صوبے کا تعلق ہے، گو مجھے یقین نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی کچھ باتیں ہوئی ہوں۔ ممکن ہے کہ دوسری جگہوں میں بھی ایسا ہوا ہو۔ کیا میں یہ تجویز پیش کروں کہ تمام صوبوں میں اس معاملے کی تحقیقات کرائی جائے؟ اس سے ہماری تنظیم کا معیار

بلند ہو گا۔

تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ پنت کی تجویز کا مطلب میں کیا سمجھا ہوں میرے خیال میں یہ عدم اعتماد کی کوئی تحریک تو بہر حال نہیں تھی مگر اس سے اتنی بات تو یقیناً ظاہر ہو رہی تھی کہ تمھارے فیصلے پر پورا پورا اعتماد باقی نہیں رہ گیا ہے۔ گاندھی جی پر اعتماد رکھنے کا یہ ایک قطعی اظہار تھا۔

تم پوچھتے ہو کہ میں کیا ہوں، اشتراکی یا انفرادیت پسند؟ کیا ان دونوں اصطلاحوں میں کوئی لازمی تناقص ہے؟ کیا ہم سب ایسی مکمل انسانی ہستیاں ہیں کہ اپنی حقیقت ایک لفظ یا ایک جملے میں جامع و مانع طور پر بیان کر سکتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ میں طبعاً اور اپنی تربیت کی رو سے تو انفرادیت پسند ہوں مگر فکری اور ذہنی اعتبار سے ایک اشتراکی ہوں، اب اس کے معنی خواہ کچھ ہی ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اشتراکیت، انفرادیت یا شخصیت کو نہ تو مٹاتی ہے اور نہ دباتی ہے۔ درحقیقت اشتراکیت مجھے اس لئے اپنی طرف کھینچتی ہے کہ یہ بے شمار افراد کو اقتصادی اور ثقافتی قید و بند سے آزاد کر دے گی۔ مگر غور و فکر اور بحث و تمحیص کے لئے خصوصاً اس قدر طویل خط کے اخیر میں، میری ذات ایک غیر دلچسپ اور بے لطف سا موضوع ہے۔ تو آؤ اس بحث کو ہم اس نقطے پر ختم کر دیں کہ میں ایک ایسا ناتشفّی بخش سا انسان ہوں جو دنیا سے بھی غیر مطمئن ہے اور اپنے آپ سے بھی اور جس کو یہ دنیا بھی کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی۔

اب اتنی صبح صبح میں قومی اور بین الاقوامی معاملات کے بارے میں اپنے خیالات بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ عموماً میں ان معاملات میں خاموش نہیں رہا کرتا۔ جیسا کہ تم نے دیکھا اور کہا ہے میں باتیں شاید بہت زیادہ کرتا ہوں، اور لکھا اس سے بھی زیادہ کرتا ہوں۔ سرِ دست میں اس معاملے کو یہیں پر چھوڑ دوں گا۔ مگر میں اتنا اور کہنا چاہوں گا کہ گو میں اکثر ہارے ہوئے مطالبات کی حمایت کیا کرتا ہوں اور جرمنی اور اٹلی جیسے ملکوں کو برا بھلا کہا کرتا ہوں مگر میں نہیں سمجھتا کہ میں نے کبھی برطانوی اور

فرانسیسی شاہنشاہیتوں کو نیک چلنی کی سند دی ہو۔

دو تین دن ہوئے کہ میں نے اُس سلسلۂ مضامین کے کچھ مضمون تم کو بھیجے ہیں جو میں نے تری پوری سے پہلے نیشنل ہیرالڈ کے لئے لکھے تھے۔ ایک مضمون نہیں مل رہا تھا۔ اب میں یہ پورا سلسلہ ایک دوسرے لفافے میں بھیج رہا ہوں۔ فری پریس جرنل یا کسی دوسرے پرچے کے لئے اِدھر میں نے کوئی مقالہ نہیں لکھا۔

تمھارا پُراز محبت

جواہر

شری سُبھاش چندر بوس،
صدر کانگریس
ڈاک خانہ جیال گوڑا، ضلع مان بھوم

۲۵۶ - از مہاتما گاندھی

نئی دہلی
۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

عزیز جواہر لعل

تمھارے دونوں خط پہنچ گئے تھے۔ دونوں اچھّے تھے۔

خط و کتابت کی نقلیں میں تمھیں بھیج رہا ہوں۔

یو۔ پی کے حوادث مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک حل یہ ہے کہ تم خود وزیر اعظم ہو جاؤ یا وزارت کو توڑ دو۔ بے قابو عناصر پر تمھیں بہر حال قابو حاصل کرنا ہے۔

جو اشتراکی یہاں موجود تھے اُن سے میں نے تین دن تک دل کھول کر بڑی صفائی کے ساتھ باتیں کیں۔ نریندر دیو اس گفت و شنید کا حال تم کو لکھیں گے۔ اگر وہ خود اپنی مرضی سے نہ لکھیں تو تم اُنھیں لکھنے پر مجبور کرو۔

محبت

باپو

۲۵۷۔ از سبھاش چندر بوس بنام مہاتما گاندھی

ڈاک خانہ جیال گوڑا

ضلع مان بھوم، بہار

۲۵ مارچ ۱۹۳۹ء

میرے محترم مہاتما جی

مجھے امید ہے کہ آپ نے میرا وہ بیان دیکھا ہوگا جو میں نے آج (اتوار ۲۵ مارچ) اُن لوگوں کے جواب میں جاری کیا ہے جو مجھ پر کانگریس کے کاروبار میں تعطل پیدا کرنے کا الزام رکھتے ہیں۔ فوری اور ضروری مسئلہ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ نئی مجلس عاملہ کی تشکیل ہے۔ اس مسئلے کے تشفی بخش حل کے لئے پہلے کچھ دوسرے مگر زیادہ اہم مسئلوں پر غور کرلینا ضروری ہے۔ تاہم میں اسی مسئلے کو پہلے لیتا ہوں۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ ازراہِ کرم اس مسئلے سے متعلق درج ذیل نکات پر مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

(۱) اس وقت مجلسِ عاملہ کی ترکیب و ترتیب کا تصور آپ کے ذہن میں کیا ہے؟ کیا اُس کا ایک متحد الخیال جماعت ہونا ضروری ہے یا اُس کے اجزائے ترکیبی اُن مختلف پارٹیوں (یا جتھوں) سے لئے جانے چاہئیں جو کانگریس کے اندر موجود ہیں تاکہ یہ مجلس بہ حیثیت مجموعی تا حدِ امکان کانگریس کی عام حالتِ ترکیبی کی نمائندگی کرسکے؟

(۲) اگر آپ اب بھی اپنی اسی رائے پر قائم ہیں کہ یہ کمیٹی اپنی نوعیت میں ایک متحد الخیال جماعت ہونی چاہیے تو ظاہر ہے کہ ایک طرف میرے جیسے لوگ اور دوسری طرف سردار پٹیل اور اُن کے ہم خیال ایک ہی کمیٹی میں نہیں رہ سکتے۔ (یہاں مجھے اس بات کا ذکر ضرور کردینا چاہیے کہ میں نے اِس خیال کی ہمیشہ مخالفت کی ہے کہ اس کمیٹی کو اپنی نوعیت میں متحد الخیال ہونا چاہیے)

(۳) اگر آپ کو اس سے اتفاق ہے کہ مجلسِ عاملہ میں مختلف پارٹیوں اور

جتھوں کی نمایندگی ہونی چاہیئے تو اب آپ یہ بتائیں کہ اِن کو نشستیں کس حساب سے دی جائیں؟

میرے خیال میں کانگریس کے اندر دو بڑی پارٹیاں یا جتھے ہیں اور یہ دونوں غالباً تعداد میں کم و بیش برابر ہیں۔ صدارتی انتخاب میں ہم اکثریت رکھتے تھے۔ تری پوری کانگریس میں معاملہ برعکس تھا مگر یہ نتیجہ تھا کانگریس کی اشتراکی پارٹی کی روش کا۔ اگر کانگریس کی یہ اشتراکی پارٹی غیر جانب دار نہ رہتی تو ہم نے باوجود بہت سی مختلف قسم کی رکاوٹوں کے (ان رکاوٹوں کو میں آگے چل کر کسی خط میں یا جب آپ سے ملوں گا، بیان کروں گا) تمام اجلاس میں اکثریت حاصل کر لی ہوتی۔

(۴) میری نظر میں یہ بہتر صورت ہوگی کہ سات ممبروں کے نام میں تجویز کر دوں اور سات ممبروں کے نام آپ سردار پٹیل سے تجویز کروا دیں۔

(۵) علاوہ بریں اگر آئندہ مجھے ہی صدارت کے فرائض ادا کرنے ہیں تو اُن کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لیئے جنرل سکریٹری لازمی طور پر میری پسند کا آدمی ہونا چاہیئے۔

(۶) خزانچی کا نام سردار پٹیل تجویز کر سکتے ہیں۔

اب میں پنڈت پنت کی قرارداد کے دو ایک نمایاں پہلوؤں کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں گا (اس موضوع پر ایک مفصل خط میں علیحدہ لکھوں گا):

اوّلاً، کیا آپ اس قرارداد کو مجھ پر اظہارِ عدم اعتماد کی قرارداد سمجھتے ہیں اور کیا اِس قرارداد کے نتیجے کے طور پر آپ میرا مستعفی ہو جانا پسند فرمائیں گے؟ یہ سوال میں اس لیئے کر رہا ہوں کہ اس قرارداد کی مختلف تشریحیں کی گئی ہیں یہاں تک کہ اُس کی تائید کرنے والے بھی اُس کی تشریح میں ہم خیال نہیں ہیں۔

ثانیاً، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پنڈت پنت کی قرارداد کی منظوری کے بعد صدر کی حیثیت صحیح طور پر کیا رہ گئی ہے؟ کانگریس کے دستور کی دفعہ ۱۵ نے مجلسِ عاملہ کی تشکیل و ترتیب کے بارے میں صدر کو کچھ اختیارات دیئے ہیں؛ اس دفعہ میں اب تک کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہوئی ہے اگر اب پنڈت پنت

کی قرارداد یہ کہتی ہے کہ مجلسِ عاملہ مجھے آپ کی خواہشوں کے مطابق ترتیب دینی پڑے گی۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کیا اب میں کسی شمار و قطار میں رہ گیا؟ کیا اب آپ آزاد ہیں کہ مجلسِ عاملہ کے ممبروں کی پوری فہرست اپنی صواب دید کے مطابق تیار کر دیں اور میں اُس فہرست کا صرف اعلان کر دوں؟ اس کا اثر کانگریس کی مذکورۂ بالا دفعہ پر یہ پڑے گا کہ بغیر کسی ترمیم و تنسیخ کئے وہ کالعدم کر دی جائے گی۔

اِس سلسلے میں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ پنڈت پنت کی قرارداد کا وہ فقرہ صریحاً غیر آئینی اور خارج از حدودِ اختیارات ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ پنڈت پنت کی یہ تجویز ہی بے ضابطہ تھی اس لئے کہ وہ بعد از وقت موصول ہوئی تھی۔ اگر میں نے پنڈت پنت کی پوری تجویز کو بے ضابطہ قرار دے کر مسترد کر دیا ہوتا تو میں اپنے حدودِ اختیارات سے باہر نہ گیا ہوتا ٹھیک اُسی طرح جس طرح مولانا آزاد نے کانگریس کے اجلاسِ عام میں قراردادِ مطالبۂ قومی میں شری سرت چندر بوس کی ترمیم اپنے حدودِ اختیارات کے اندر رہتے ہوئے مسترد کر دی تھی۔ علاوہ بریں، خالص آئینی نقطۂ نظر سے پنڈت پنت کی تجویز کی تحریک کی اجازت دے دینے کے بعد بھی اُس کا آخری فقرہ جو مجلسِ عاملہ کی تشکیل سے متعلق تھا، مجھے مسترد کر دینا چاہیے تھا اس لئے کہ وہ دستورِ کانگریس کی دفعہ ۱۵ کے خلاف جاتا تھا۔ مگر میں اپنی اُفتادِ طبع سے کچھ اتنا شدید جمہوریت پسند واقع ہوا ہوں کہ محض اصطلاحی یا آئینی نکات کو زیادہ اہمیت نہیں دیا کرتا۔ مزید برآں میں نے محسوس کیا کہ جب میرے خلاف ووٹ پڑنے کا امکان موجود ہے تب ایسے وقت دستور کی پناہ لینی مردانگی کی بات نہ ہوگی۔

اس خط کے ختم کرنے سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کروں گا۔ اگر تمام مزاحمتوں، رکاوٹوں اور دشواریوں کے باوجود مجھے عہدۂ صدارت پر باقی رہنا ہے تو آپ مجھے کس طریقے پر اپنے فرائض ادا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ مجھے یاد ہے کہ گزشتہ بارہ مہینوں میں آپ نے

وقتاً فوقتاً (شاید اکثر) مجھ سے فرمایا ہے کہ آپ مجھے نام کا صدر دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ آپ مجھے اپنے حقوق و اختیارات سے کام لیتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ۱۵ / فروری ۱۹۳۹ء کو واردھا میں جب میں نے دیکھا کہ آپ میرے پروگرام سے متفق نہیں ہیں تب میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ اب میرے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا تو میں اپنے آپ کو الگ کر لوں اور یا میں اپنی اس بات پر جما رہوں جس کو میں حق سمجھتا ہوں۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ جب تک میں خود ہی آپ کا نقطۂ نظر قبول نہ کروں تب تک اپنے آپ کو الگ کر لینے کے معنی اپنے آپ کو دبائے رکھنے کے ہوں گے اور کسی کا اپنے آپ کو دبائے رکھنا آپ پسند نہیں کر سکتے۔ اگر مجھے صدر باقی رہنا ہے تو کیا اب بھی آپ مجھے وہی مشورہ دیتے ہیں جو آپ نے سالِ گزشتہ مجھے دیا تھا یعنی یہ کہ نام کا صدر نہ رہوں؟

جو کچھ بھی میں نے اوپر عرض کیا ہے یہ فرض کر کے عرض کیا ہے کہ صدارتی انتخاب کے زمانے سے لے کر اب تک اور خصوصاً تری پوری کانگریس میں جو کچھ وقوع میں آچکا ہے اُس کے باوجود کانگریس کی تمام پارٹیوں (یا جتھوں) کے لئے اب بھی یہ ممکن ہے کہ باہم مِل جُل کام کریں۔

اپنے دوسرے خط میں میں اُن عام مسائل سے بحث کروں گا جن میں سے بعض مسئلوں کی طرف میں نے اپنے آج کے صحافتی بیان میں اشارہ کیا ہے۔

میں اپنی صحت میں برابر ترقّی کر رہا ہوں اگرچہ رفتارِ ترقّی کسی قدر سُست ہے۔ تیزی کے ساتھ صحت یاب ہونے کی راہ میں بڑی رکاوٹ نیند کی کمی ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ اپنی ذہنی اور فکری مشغولیتوں کے باوجود برابر صحت یاب ہو رہے ہوں گے۔

پرناموں کے ساتھ
آپ کا پُرمحبت
سُبھاش

۲۵۸- از مہاتما گاندھی بنام سُبھاس چندر بوس

نئی دہلی

۳۰؍مارچ ۱۹۳۹ء

عزیز سبھاش

میں نے تمہارے خط مورخہ ۲۵؍ ماہِ رواں کے جواب میں تاخیر اس لئے کی کہ میں اپنے اُس تار کے جواب کا منتظر تھا جو میں نے تمھیں دیا تھا۔ شب گزشتہ مجھے سُنیل کا تار ملا۔ اب میں اپنی صبح کی عبادت کے وقت سے پہلے اُٹھا ہوں کہ یہ جواب لکھ ڈالوں۔

جب تم یہ سمجھتے ہو کہ پنڈت پنت کی تجویز بے ضابطہ تھی اور اُس کا جو فقرہ مجلسِ عاملہ سے متعلق تھا وہ صاف طور پر غیر آئینی اور خارج از حدودِ اختیارات ہے تو تمہارا راستہ قطعاً صاف ہے۔ کمیٹی کے ممبروں کا تم جو انتخاب کرو اس پر کوئی پابندی نہ لگنی چاہیئے۔

اِس لئے اِس موضوع پر جو متعدد سوالات تم نے کئے اُن میں سے کسی کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

جب فروری میں ہم ملے تھے اُس وقت سے میرا یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ جہاں بنیادی اور اُصولی اختلافات پائے جاتے ہوں، جیسا کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ ایسے اختلافات ہمارے اندر پائے جاتے ہیں، وہاں مختلف الخیال لوگوں سے ترکیب پذیر کمیٹی مضر ثابت ہو گی۔ اس لئے اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ تمھاری پالیسی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اکثریت کی تائید حاصل ہے تو پھر تمھیں ایسی مجلسِ عاملہ ملنی چاہیئے جو صرف اُن لوگوں سے ترکیب پذیر ہو جو تمھاری پالیسی پر عقیدہ رکھتے ہوں۔

ہاں، اب بھی میں اپنی اسی رائے پر قائم ہوں جو میں نے سیگاؤں میں اپنی فروری کی ملاقات کے موقع پر ظاہر کی تھی کہ اپنی خوشی سے اپنے آپ کو الگ کر لو تو اور بات ہے ورنہ تم کو بہ زور اپنے آپ کو دبائے رکھنے پر مجبور کرنے کے جُرم میں میں کسی کا ساتھ نہ دوں گا۔ کسی ایسی رائے کو، جو تم مُلک کے

بہترین مفاد کے حق میں قطعیت کے ساتھ رکھتے ہو، کسی دوسرے کی مرضی کے تابع بنا دینا اپنے آپ کو دبا دینا ہے۔ اس لئے اگر تم کو بہ حیثیتِ صدر کام کرنا ہے تو تمھارے ہاتھ بندھے ہوئے نہ ہونے چاہئیں۔ ملک کی اس وقت جو صورت حال ہے وہ کوئی پیچ کی راہ نہیں رکھتی۔

جہاں تک گاندھی وادیوں (اگر اس غلط فقرے کا استعمال کیا جائے) کا تعلق ہے وہ تمھاری راہ میں رُکاوٹیں نہ ڈالیں گے۔ جہاں وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں وہاں مدد کریں گے۔ جہاں مدد نہیں کر سکتے وہاں وہ دُور رہیں گے۔ اگر وہ اقلیت میں ہیں تو کوئی دشواری پیش نہ آنی چاہیئے۔ اگر وہ صاف طور پر اکثریت میں ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دبائے ہوئے نہ رکھیں بہرحال یہ بات میرے لئے پریشان کُن ہے کہ کانگریس کی فہرستِ رائے دہندگان فرضی ہے، اور اس لئے "اکثریت" اور "اقلیت" جیسے الفاظ اپنے پورے معنی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ تاہم جب تک کہ کانگریس کی اندرونی حالت بہتر نہ ہو جائے ہم اُسی آلے سے کام چلائیں گے جو سرِدست ہمارے پاس ہے۔ دوسری بات جو میرے لئے موجبِ تشویش ہے وہ ہماری باہمی گہری بے اعتمادی ہے۔ جہاں کام کرنے والے ایک دوسرے پر اعتماد نہ رکھتے ہوں وہاں مشترک کام ناممکن ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب تمھارے خط میں کوئی اور بات جواب طلب نہیں رہ گئی ہے۔ جو کچھ تم کرو اُس میں خدا تمھارا راہ نما ہو۔ ڈاکٹروں کی ہدایتوں پر عمل کرو اور جلد اچھے ہو جاؤ۔

محبت

باپو

میری رائے یہ ہے کہ ہماری اس خط و کتابت کی اشاعت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم اس رائے سے متفق نہ ہو تو میری طرف سے تمھیں اجازت ہے کہ اسے شایع کر دو۔

۲۵۹۔ از سرت چندر بوس

کلکتہ

۴ر اپریل ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جواہر لعل

تمھارے ۲۴ر ماہ رواں کے طویل خط کا بہت بہت شکریہ۔ اگرچہ تم میرے اُس خط کی تقریباً ہر بات پر مجھ سے اختلاف رکھتے ہو جو میں نے ۱۲ر کو گاندھی جی کو لکھا تھا، پھر بھی ایک طرح سے تمھارا یہ خط پڑھ کر مجھے اس لئے خوشی ہوئی کہ اس سے دوسرے شخص کا زاویۂ نظر مجھ پر ظاہر ہو گیا۔ اس خط کا جواب لکھنے میں جو تاخیر ہوئی اُس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ یہ تاخیر میری ناسازیِ طبع کے سبب سے ہوئی جس کا سلسلہ بد قسمتی سے اب تک چلا جا رہا ہے۔

تمھارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ میرے خط میں شخصی ہی مسائل سے بحث کی گئی ہے، پالیسیوں اور پروگراموں کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر ایسا نہ تو غیر ارادی طور پر ہوا ہے اور نہ اس لئے کہ میں شخصیتوں اور اصولوں کے درمیان پائے جانے والے فرق کے سمجھنے اور اُن کی اضافی قیمت کا اندازہ لگانے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔ درحقیقت اگر کر سکتا تو میں بھی تمھاری طرح اصولوں اور پروگراموں کی سطح پر رہنا پسند کرتا۔ مگر بد قسمتی سے سیاست میں ہم، بہر حال، عقیدہ و اُصول کے خالص دودھ پر ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ موجودہ بحث و نزاع میں تنہا اصولوں اور پروگراموں سے چپٹے رہنا اور بھی زیادہ دشوار ہے، اس لئے کہ انتخاب صدر کے مسئلے نے بالکل شروع ہی سے، اگر سر تا سر نہیں تو بیشتر، ایک شخصی رنگ اختیار کئے رکھا۔

تم خود کہتے ہو کہ شخصیتوں میں موازنہ، میرے شروع کرنے سے پہلے بھی پایا جاتا تھا اور تری پوری میں دوسرے مسائل پر غور و فکر اُس کی رنگ آمیزیوں سے نہیں بچ سکا۔ اس بات میں میں تم سے پورے طور پر متفق ہوں حقیقت میں میں اس سے بھی کچھ آگے جاؤں گا اور یہ کہوں گا کہ اس موازنہ کے اثر نے دوسرے تمام مسائل کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ شخصی مسائل

میں نے تمام کے تمام مہاتماجی کے سامنے پوری صفائی کے ساتھ بیان کر دئے اور اُن سے پوچھا کہ آیا وہ ہم لوگوں کو اس گڑھے سے باہر نکال سکیں گے؟ اصول و عقیدہ وغیرہ سے متعلق ٹامک ٹوئیاں مارتے رہنا قطعاً بے سود ہے جب کہ اصل سنگِ راہ ذاتی اور شخصی مخالفت ہے، وہ مخالفت جو سبھاش کے کسی فکر و عمل سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ پُرانی مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں کی روش اور اقدامات سے پیدا ہوئی۔

یہ گفتگو مجھے ایک بڑی سنگین فروگذاشت تک لے جاتی ہے جو تم سے ذاتی و شخصی اختلاف کی اصل و حقیقت کے بیان میں ہوئی ہے۔ تم فرض کر لیتے ہو کہ یہ اختلاف اُن باتوں سے شروع ہوا جو، خیال کیا جاتا ہے کہ، سبھاش نے اپنے بعض پُرانے رفقائے کار کے بارے میں کہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ تمھارا یہ بیان اس قصّے کی اصل اور اُس کے سب سے اہم جزو کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ غلط فہمیوں کے باب کا آغاز باردولی میں ہوا۔ جہاں ایک خاص جتھا صدر اور مجلسِ عاملہ کے کچھ دوسرے ممبروں کی لاعلمی میں اور اُن کی پیٹھ پیچھے اس غرض سے اکٹھا ہوا کہ سالِ آئندہ کے لئے کانگریس کی صدارت کے مسئلے پر کوئی فیصلہ کر ڈالے۔ چنان چہ اس جتھے نے کچھ فیصلے کئے اور کچھ انتظامات سوچے۔ یہ عجیب و غریب اور پسِ پردہ کارروائیاں اُس وقت بھی بالکل میری سمجھ سے باہر تھیں اور اب بھی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان پسِ پردہ کارروائیوں میں تم اُس اعتمادِ باہم اور حُسنِ تفاہم کی کوئی جھلک پاتے ہو یا نہیں جس کو تم بقول خود اتنی بڑی اہمیت دیا کرتے ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ صدرِ کانگریس کو ایک ایسے معاملے میں اپنے اعتماد میں لینے سے گریز کرنا جس کا کانگریس سے، نیز اُن کی ذات سے اتنا گہرا تعلق تھا اور جس سے متعلق صدر کو اپنی رائے کے اظہار کا پورا حق حاصل تھا، تمھارے نزدیک کوئی وجہ جواز بھی رکھتا تھا یا نہیں، ہاں یہ وجہ جواز اگر صرف صدر کی ذات سے ذاتی عداوت اور اُن سے دیانت دارانہ برتاؤ سے بے زاری ہو تو اور بات ہے۔

جہاں تک میں جانتا ہوں سبھاش کی طرف سے ان لوگوں کو قطعاً کوئی بنیاد

ایسے طرزِ عمل کے لئے نہیں فراہم کی گئی۔ انھوں نے اپنے پورے عہدِ صدارت میں ایک طرف گاندھی جی سے اور دوسری طرف اپنی مجلسِ عاملہ کے رفقائے کار سے پورا پورا اور بے لاگ تعاون کیا تھا۔ جنوری میں مجلسِ عاملہ کی جو نشست باردولی میں منعقد ہوئی تھی اُس وقت اُن کے اور اُن کے رفقائے کار کے درمیان غلط فہمی کا کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا اور صدر منتخب ہو جانے کے بعد بھی اُن کے اس عزم میں کوئی لغزش نہیں پیدا ہوئی کہ وہ دل و جان سے گاندھی جی کے ساتھ تعاون کریں گے۔ تو پھر اُس وقت جب کہ ہم سب باردولی میں یکجا تھے اُن کے رفقائے کار نے انتخاب صدر کا مسئلہ چھیڑ کر اُس کے ہر پہلو پر اُن سے ہندی کی چندی کیوں نہیں کر لی؟ تری پوری میں میں نے پہلی بار سُنا کہ سردار اور چند دوسرے اصحاب کو سبھاش کے اُس طرزِ عمل سے شکایت پیدا ہو گئی جو انھوں نے گزشتہ ستمبر کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی دہلی کی صدارت کرتے ہوئے اختیار کیا جب کہ اشتراکی جتھے کے چند ممبروں کو اُس تجویز پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کر لینے کی اجازت دے دی گئی جو شہری آزادیوں سے متعلق تھی اسی کے ساتھ میں نے یہ بھی سُنا کہ سردار اور اُن کے ساتھیوں نے اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ سبھاش پر اُن کا اعتماد اُن کے اسی طرزِ عمل کے سبب تنزل ہو گیا۔ دہلی کی نشست کے بعد جب ہم واردھا اور باردولی میں اکٹھا ہوئے تب بہر حال اس شکایت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اُس گفت و شنید کے بارے میں جو سالِ آئندہ کے لئے انتخابِ صدر کے سلسلے میں باردولی میں پسِ پردہ اور بصیغۂ راز روا رکھی گئی جس قدر زیادہ غور و فکر کرتا ہوں اُسی قدر زیادہ یہ گفت و شنید مجھے ایک ایسی سازش سی نظر آتی ہے جو ایک خفیہ جتھا اس غرض سے شروع کر رہا تھا کہ سب سے پہلے تو وہ ایک شاہ گر جتھا سا نظر آنے لگے اور پھر تمام قوت و اقتدار پر قابض ہو کر کانگریس کو اپنی خواہشوں کا ترجمان بنا لے۔

میں تم سے صاف صاف اس امر کا اعتراف کروں گا کہ میں پرانی مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں پر کامل اعتماد کھو دینے کے بہت قریب پہنچ گیا ہوں اور اس کا

کوئی امکان نہیں دیکھ رہا ہوں کہ اُن کو میں اپنے رفقائے کار باور کروں یا اُن کو ساتھ لے کر کوئی ٹیم بناؤں اور کام کروں۔ میں نے ایسا بہ رضا و رغبت یا بہ آسانی نہیں کیا ہے۔ میرے قدیم رفقائے کار نے خود ہی مجھے ڈھکیل کر بتدریج اس حد تک پہنچایا اور میری آنکھیں کھلوائی ہیں۔ اس اطلاع نے کہ بارڈولی میں یہ لوگ یک جا ہوئے اور صدر کی پس پشت آئندہ سال کی صدارت سے متعلق ایک فیصلہ کر لیا مجھے سخت صدمہ پہنچایا اور اب تک میں ان لوگوں کی نیک نیتی اور وفاداری پر بغیر کسی چون و چرا کے جو اعتماد رکھتا تھا اُسے ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد مسئلۂ انتخاب صدارت پر بیان اور خط و کتابت کی نوبت آئی۔ مگر جو کچھ میں نے تری پوری میں اپنی آنکھوں دیکھا اور جو کچھ مجھے وہاں محسوس کرایا گیا اُس کے مقابلے میں یہ بیان اور یہ خط و کتابت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ جو غیر فیاضانہ سلوک اور جو کٹر پن جو بعض بعض معاملات میں بد باطنی اور بد طینتی کی حد تک پہنچ جایا کرتا تھا میں نے وہاں دیکھا اُس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

یہ جان کر مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کہ میں نے بعض باتیں جو بعض اشخاص کی نسبت کہیں اُن کا تسلیم کر لینا تمھیں دشوار نظر آیا۔ کوئی شخص دوسروں کی نسبت ایسی باتیں باور کر لینا پسند نہیں کرتا، خصوصاً اپنے رفقائے کار کی نسبت۔ اور تمھارے لئے تو، تمھاری اُفتادِ طبع اور تمھاری تربیت کے پیش نظر، اُس گروہ کی نسبت سوءِ ظن سے کام لینا اور بھی دشوار ہو گا جس سے تم نے اپنی قسمت وابستہ کر دی ہے۔ اِس دُنیا میں سیرت و کردار کے کچھ معیار اور کچھ قدریں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو اُن معیاروں اور قدروں کے نظام سے مختلف ہیں جس کی پیروی ایٹن اور ہارو میں کی جاتی ہے۔ مگر کچھ لوگ اِس حقیقت کو باور ہی نہیں کر سکتے، اور اگر تم اس امر کی شہادت چاہو تو کیا یہ شہادت ہمیں موجودہ برطانوی حکومت کے ممبروں کے اندر نہیں مل سکتی؟ یہ لوگ ہٹلر اور مسولینی کے لئے بڑا حسنِ ظن رکھتے ہیں، مگر جب یہ سُنتے ہیں کہ یہ دونوں ڈکٹیٹر کرکٹ یا اسکول کے اس قسم کے دوسرے مشاغل سے دلچسپی نہیں لیتے

تو ان لوگوں کو بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ علاوہ بریں، تم ایک انفرادیت پسند شخص ہو۔ بقول تمھارے تم کسی جتھے یا کسی ایک تنہا شخص کے تعاون کے بغیر بھی اپنا کام انجام دے سکتے ہو۔ تم جس قسم کی سیاست کو اپنے حلق سے نیچے نہیں اُتار سکتے اُس کی طرف سے مُنہ موڑ سکتے اور اُسے نابود باور کر سکتے ہو۔ مگر ہر شخص اتنا خوش قسمت واقع نہیں ہوا ہے کہ سیاست کے چور زینوں اور اُس کے باورچی خانے سے پہلو بچا کر گزر جانے کی سکت اپنے اندر رکھتا ہو۔ ایسے اشخاص فطری طور پر اس باورچی خانے کی غلاظت اور اُس کی بو سے مشتعل ہو جایا کرتے ہیں اور اس اشتعال کے سبب وہ ایسی زبان استعمال کرنے پر آمادہ کر دیئے جایا کرتے ہیں جس کا سمجھنا وہ لوگ، جو زندگی کے ناگوار رُخ سے آنکھیں بند کر لینے کا فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں، کسی قدر دُشوار پایا کرتے ہیں۔

جو الزامات میں نے لگائے ہیں اُن میں سے کچھ کا ثبوت تو میرا اپنا مشاہدہ فراہم کر دیتا ہے اور کچھ کا ثبوت اُن لوگوں کی شہادت سے مل جاتا ہے جن کے بیانات پر میں بغیر کسی چون و چرا کے اعتماد کر سکتا ہوں، میں نے کوئی بات محض سُنی سُنائی یا مبہم افواہ سے متاثر ہو کر نہیں کہی ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو الزامات کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہو جاتی اور ہو سکتی تھی۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں اپنے عائد کردہ الزامات کے جملہ کا ثبوت اُن لوگوں کے سامنے رکھ دوں گا جو حقیقت کا سُراغ لگانے کا فکر رکھتے ہیں۔ لیکن اگر میں کہنا چاہوں تو ایک عام طریقے پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ سبھاش کے بعض سابق رفقائے کار کی روش اس معاملے میں اتنی صاف اور واضح تھی کہ جب میں یہ سُنتا ہوں کہ اُن کے خلاف جو الزامات عائد کیئے گئے ہیں اُن کا مکمل ثبوت اس طرح کا ہونا چاہیئے جیسا کہ قانونی کارروائیوں میں ضروری ہوا کرتا ہے تو مجھے تعجب ہوتا ہے۔ اگر میرے عائد کردہ الزامات کی حقیقت معلوم کرنے سے تم کوئی دلچسپی رکھتے ہو — حقیقت سے میری مُراد حقیقتِ واقعہ ہے، قانونی سچائی نہیں — تو تمھیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ مختلف حلقوں میں جا کر دریافتِ حال کرو، تم اتنے ہی سے اپنے آپ کو مطمئن کر لو گے کہ میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ واقعات پر مبنی ہے۔ میں

اُس انکار کے باوجود یہ کہہ رہا ہوں جو حال ہی میں اِن لوگوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اُن کے اِس انکار پر حقیقت میں مجھے اُس پارٹ سے بھی زیادہ تعجب ہوا جو اِن لوگوں نے تری پوری میں ادا کیا۔ اب میری سمجھ میں یہ بات بالکل واضح طور پر آئی کہ کانگریس کے اعلیٰ حلقوں میں صداقت اور عدم تشدّد جیسے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ کانگریسی وزراء کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اُسے تم نے پورے طور پر نہیں سمجھا۔ مجھے اِن لوگوں کے کانگریس کی کارروائیوں میں حصّہ لینے پر مطلق کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر تم کسی شخص کو اُس کے عہدے سے یک سر علیٰحدہ نہیں کر سکتے۔ اور ہم لوگوں کو اُن پیچیدگیوں سے باخبر رہنا پڑے گا جو کانگریس میں ان وزرا کی موجودگی اور اُس کی کارروائیوں میں ان لوگوں کے عملاً حصّہ لینے سے پیدا ہوتی ہیں، خصوصاً اُس قسم کے اختلافات کے سلسلے میں جو سبھاش کے انتخاب سے پیدا ہوئے۔ صوبائی حکومتوں کے ارکان کی حیثیت سے یہ وزراء اپنے ہاتھوں میں بڑے وسیع اختیارات اور بہت سے مختلف قسم کے ذرائع و وسائل از قسم سرپرستانہ اعانت و نوازش وغیرہ رکھتے ہیں جن کا غیر سرکاری ممبرانِ کانگریس کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ عملاً اِن وزراء کے مقابلے میں یہ غیر سرکاری ممبرانِ کانگریس نمایاں طور پر گھاٹے میں رہتے ہیں۔ وزراء کا سرکاری اثر اپنا کام کر ہی جاتا ہے خواہ اُن لوگوں میں اُس سے کام لینے کا رجحان نہ بھی پایا جاتا ہو جس کی توقع ان وزراء سے رکھنی بہ ہر حال اِک بہت بڑی بات کی توقع ہے۔ اور اس پر اگر یہ وزراء جمود پسند ہو جائیں اور موجودہ صورتِ حال کو برقرار رکھنے میں دل چسپی لینے لگیں تو پھر ناگزیر ہے کہ اُن کا اثر اور اُن کی آواز کانگریس کی قوت و تاثیر کی راہ میں ایک روک بن جائے۔ جب سے عہدے قبول کر لئے جانے کی قرارداد منظور ہوئی ہے ہر ایسا شخص جس نے صوبوں میں نیز کانگریس کے اندر نئے پیش آنے والے حالات سے رابطہ قائم رکھا ہے اس کو خطرہ سمجھتا ہے۔ امکانات سے آنکھیں بند رکھنی کوئی مفید بات نہیں ہے۔

علاوہ بریں، تم کو یاد رکھنا ہے کہ تری پوری میں وزراء نے اپنی سرگرمیاں سبجیکٹ کمیٹی اور اجلاسِ عام میں بحثوں ہی میں حصہ لینے تک محدود نہ رکھیں۔ یہ لوگ عملی طور پر اور بہ اصرار ووٹ طلبی میں سرگرم رہے اور اس غرض سے مندوبین کے خیموں کے چکر کاٹتے رہے۔ آئینی نقطۂ نظر سے ان لوگوں کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو اُس کی صورت یہ ہے: ایک ایسے انتخاب میں جس میں مقابلہ سبھاش اور پُرانی مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں کے درمیان تھا صوبائی کانگریس کمیٹیوں کے چُنے ہوئے مندوبین کی اکثریت نے، باوجود کانگریسی وزراء کی اپنے اپنے صوبوں میں، سبھاش کے خلاف کُھلی ہوئی اور پیہم ووٹ طلبی کے، سبھاش کے حق میں رائے دی تھی۔ وزراء مندوبین کی اکثریت کے اس فیصلے کو آخری اور قطعی مان لینے پر آمادہ نہیں تھے، اور کام اس طرح شروع کر دیا جس کا انجام اس فیصلے کو اُلٹ دینے کے برابر ہوتا۔ یہ لوگ ڈر رہے تھے کہ صدر کے انتخاب کے نتیجے کے معنی پارلیمانی پروگرام میں ایک تغیر و تبدیلی کے ہیں۔ حالات نے جو پلٹا کھایا اُس سے یہ لوگ کام یاب ہو گئے۔ سوال اب یہ ہے: کہ رائے دہندوں کا فیصلہ وفاداری کے ساتھ قبول کر لینے میں ان لوگوں کو کون سی چیز مانع آئی؟ صریحاً یہی کہ مندوبین کی اکثریت کے فیصلے کے مقابلے میں پُرانی مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے ساتھ ان لوگوں کی حد درجہ وفاداری۔ اب صورتِ حال سامنے یہ آئی کہ کچھ لوگ ایک آزاد انتخاب کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس فیصلے کو کالعدم کر دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بالآخر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کی پشت پر صوبائی حکومتوں کی قوت اور ساکھ نہ ہوتی تو میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ہو پاتا۔ اگر اس کے بعد بھی تمھارے لئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ وزراء کا اثر کانگریس کے آزاد اور جمہوری فیصلوں کو کچل کر رکھ سکتا ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں تمھیں مطمئن کرنے کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

کانگریس کے اندر اتحاد کی ضرورت کا احساس مجھے بھی اتنا ہی ہے جتنا تم کو ہے۔ مگر ہمیں یہ سوچنا ہے کہ یہ اتحاد کیوں کر بروئے کار لایا جائے۔

کسی ایک شخصِ واحد کے حق میں دست بردار ہو کر، یعنی "لیڈر کے اصول" کو تسلیم کر کے، یا قوت و اقتدار ہمیشہ کے لئے کسی خاص ٹولی کے حوالے کر کے —— یا ملک کی فکر و رائے کے اہم مشرب و مسلک کے لئے جگہ پیدا کر کے اور کسی متفقہ و مشترک پروگرام کو قبول کر کے؛ یا دو پارٹیوں کے نظام کو رواج دے کر جس میں اکثریتی پارٹی تنفیذی قوتوں کی مالک ہو اور اقلیتی پارٹی حزب اختلاف کی تشکیل کرے؟ اِن سوالوں کے جوابات دینے پڑیں گے۔ پالیسیوں اور پروگراموں کے سوال کو اٹھانے سے پہلے ہی ہمیں اپنے دماغ اُس طریقۂ کار کے بارے میں صاف کر لینے ہیں جس پر ہمیں کانگریس کو چلانا ہے۔ کسی مسلّم آئینی رواج کی غیر موجودگی میں قوت و اقتدار کے لئے اُلجھی ہوئی کشاکشوں اور اُن کے نتیجے کے طور پر باہم اختلاف کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ حقیقی اتحاد حاصل کئے بغیر کسی ایک پارٹی کو اس قسم کا مشورہ دینے سے کہ وہ اپنی شکایتیں بھول جائے کوئی کارگر نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، خاص طور پر اس وقت جب کہ دوسری پارٹی اپنے عمل سے یہ ظاہر کر رہی ہو کہ وہ اپنی ذاتی آزردگی کبھی بھول ہی نہیں سکتی بلکہ وہ اس آزردگی کو اُس کی تلخ و ناگوار انتہا تک پہنچا دینے پر تُلی بیٹھی ہے۔ کچھ ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ تم اس بات کو پورے طور پر محسوس نہیں کر سکے کہ یہ لازمی تھا کہ پنڈت گووند بلبھ پنت کی قرارداد کانگریس میں پھوٹ ڈالے اور اس کے مختلف جتھوں کے درمیان آئندہ تعاون کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرے اور ملک میں اس قرارداد کے سلسلے میں جو احساس پایا جاتا ہے تم اب بھی اُس کی شدّت کو نظر انداز کرتے دکھائی دے رہے ہو۔ ملک کے مختلف حصّوں میں اس احساس کی شدّت کے درجوں میں اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر اُس کے پورے ملک میں پائے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ قرارداد اور وہ ذاتی خشونت جو اُس سے ظاہر ہوتی ہے، دونوں کانگریس کے اتحاد کے حق میں بڑا سخت صدمہ ثابت ہوئیں۔ ان چیزوں کے آخری نتائج دو ہی ہو سکتے ہیں: یا تو تمام ترقی پسند عناصر کو کانگریس سے باہر نکال کر حقیقی قوت و اقتدار ایک چھوٹے سے جتھے کے ہاتھوں میں دے دینا پڑے گا اور اس طرح کانگریس

کی قوتِ حیات کا گلا گھونٹ دیا جائے گا اور یا کانگریس، قوت و اقتدار کے لیۓ، جھگڑوں اور شکر رنجیوں کا ایک دائمی سرچشمہ بن کر رہ جائے گی اور خود اپنے ہی خلاف مختلف ٹولیوں میں بٹ جائے گی۔

میں نہیں سمجھتا کہ تم یہ کیوں اور کیوں کر کہتے ہو کہ پرانی مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں نے رکاوٹیں نہیں ڈالیں، اس لئے کہ بظاہر شروع سے آخر تک رکاوٹیں برابر ڈالی جاتی رہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ ان رکاوٹوں کے مختلف مراحل بیان کر دوں۔

صدر کے انتخاب کے نتیجے کے اعلان کے بعد اگر یہ رائے قائم کی جائے کہ یہ انتخاب پرانی مجلسِ عاملہ کی پالیسی اور اس کے اقدامات کے خلاف ایک اظہارِ ناپسندیدگی کے برابر تھا تو پھر مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے لئے صرف یہی ایک شریفانہ راہ کھلی رہ گئی تھی کہ وہ فیصلۂ انتخاب کو وفاداری کے ساتھ قبول کر لیتے اور صدر کو پورا اختیار دے دیتے کہ وہ دستور کے مطابق اپنے فرائضِ منصبی انجام دے۔ گو ذاتی طور پر میں اس رائے کو صحیح تسلیم نہیں کرتا اور بہت سے دوسرے لوگ بھی میرے اس خیال سے متفق ہیں۔ انتخابِ صدر کے نتیجے کو سب سے پہلے میں اس نظر سے دیکھتا ہوں کہ وہ دو شخصوں ـــ سبھاش اور ڈاکٹر پٹابھی سیتا رمیا کے استحقاق کے دعووں پر ایک فیصلۂ ناطق تھا، دوسرے یہ کہ وہ رائے دہندوں کا ایک اعلانِ ناپسندیدگی تھا اس طریقِ عمل کے لئے جو صدر کے انتخاب میں برتا جا رہا تھا ـــ دوسرے لفظوں میں، رائے دہندوں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کے لئے صدر کے انتخاب والی بات کا فیصلہ کوئی ایک جتھا کر دے، بلکہ ان لوگوں نے یہ چاہا کہ اس انتخاب میں اُن کی ایک مؤثر آواز ہو، نیز یہ کہ ایک جمہوری ادارے کے اس حق کا اعلان ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی کا اظہار کر سکتا ہے۔

جب معاملہ یہ ٹھیرا تو انتخابِ صدر کے بعد سب سے زیادہ معقول اور دیانت دار راستہ، جس کی پیروی کی جاتی، یہ تھا کہ ایک عام اور مشترک پالیسی اور لائحۂ عمل کے بارے میں لوگوں کا عندیہ معلوم کیا جاتا۔ مہاتما جی کی معرفت ایسا کرنا

بالکل آسان تھا، اس لئے کہ اُن کے مشورے کو نظر انداز کر دینے یا اُن کے اثر و نفوذ میں چون و چرا کرنے کا کبھی کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ کانگریس میں مہاتما جی کو جو مقام حاصل تھا، سبھاش کے انتخاب کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بہ ہر حال کسی تصفیے تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے عوض پرانی مجلسِ عاملہ کے ممبروں نے استعفیٰ دے کر ایک سخت پیچیدگی پیدا کر دی۔ اس طرزِ عمل کو اختیار کر کے انھوں نے رکاوٹیں پیدا کیں اس لئے کہ جیسا کہ واقعات سے عیاں ہو گیا یہ لوگ قوت و اقتدار سے دست کش ہو جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے، بلکہ اُسے برقرار رکھنے کی غرض سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو گاندھی جی سے منسلک کر دیا۔ ان لوگوں نے ملک کو یہ بتا دیا کہ چوں کہ اُن کا نامزد کردہ شخص صدر نہیں چُنا گیا اس لئے ان کا کانگریس کے ساتھ تعاون کرنے سے دست کش ہو جانا ممکن ہے۔ اس سے بھی زیادہ سنگین وہ دھمکی تھی جو ٹھیک اس نازک موقع پر دی گئی۔ یعنی یہ کہ وہ صوبائی حکومتیں بھی جو کانگریس کے زیرِ اثر قائم ہیں مستعفی ہو جانے کی ضرورت محسوس کر سکتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آخری تجویز قطعاً مجلسِ عاملہ کے اُن ممبروں کے نام سے آئی جو مستعفی ہو گئے تھے یا خود وزراء کے نام سے۔ مگر پریس کی وہ قیاس آرائیاں جو ان خطوط پر سامنے آئیں اور جن کی کوئی تردید نہیں کی گئی وہ بجائے خود رائے عامّہ میں یہ رجحان پیدا کر دینے کے لئے کافی تھیں۔

جو کچھ تری پوری میں وقوع پذیر ہوا وہ رُکاوٹوں کا دوسرا مرحلہ تھا۔ تمھارے اس اعتراض پر کہ جواب میں افراد یا جماعتوں کی طرف سے کانگریس کے سامنے تجویزوں کا لایا جانا رکاوٹیں ڈالنے کے برابر نہیں ہے۔ کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انتہائی سادہ لوحی ہے۔ تم اس طرح لکھ رہے ہو جیسے تجویزیں ہوا میں مُعلّق ہوتی ہیں، نہ تو ان کی کوئی بنیاد ہوتی ہے اور نہ ہی اُن کا کوئی پس منظر ہوتا ہے۔ تجویزیں اگر اُن کے مؤیدین کے لائحۂ عمل کی آئینہ داری نہ کریں تو پھر وہ کس کام کی؟ اور اگر اس زاویے سے تجزیہ کیا جائے تو پنڈت گووند بلبھ پنت کی تجویز ذیل کے لائحۂ عمل کی آئینہ داری کرتی ہے۔ یہ تجویز صدر کے

ہاتھوں کو باندھ کر اور اُن کو عمل کی آزادی سے محروم کر کے انتخاب صدارت کے اثر کو کالعدم کر دینا چاہتی تھی۔ اگر اس امر کی کوئی کوشش کی جاتی کہ صدر کو اُس کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے تو یہ تجویز اس کوشش سے ذرہ برابر کم نہیں تھی۔ آخری چال جو شروع میں سوچی گئی تھی، اس لئے نہیں آزمائی گئی کہ اُس کا انجام تک پہنچانا آسان نہ ہوتا۔

مجلسِ عاملہ کی نام زدگی کا جو اختیار صدرِ کانگریس کو حاصل ہے اُس سے صدر کو ایک قرارداد کے ذریعے جو کانگریس میں منظور کی گئی، محروم کر دینا بجائے خود کانگریس کے پچھلے طرزِ عمل سے ایک حیرت انگیز انحراف تھا۔ یہ ایک خواہ مخواہ کا انحراف تھا، اس لئے کہ سبھاش نے نہ تو اس بات کا کبھی اعلان کیا تھا اور نہ کبھی یہ ارادہ دماغ میں لائے تھے کہ وہ گاندھی جی سے مشورہ کئے بغیر مجلسِ عاملہ نام زد کر دیں گے۔ اگر اس قسم کی کسی خاص ہدایت کی ضرورت اس سال پائی جاتی تھی تو میں عرض کروں گا کہ یہ ضرورت گاندھیائی عہدِ کانگریس میں ۱۹۲۱ء سے لے کر آج تک برابر موجود رہی ہے۔

میں اس قرارداد کی ظاہر داری اور زمانہ سازی کو اور بھی زیادہ مکروہ پاتا ہوں۔ مقصد تو اس قرارداد کا یہ تھا کہ پرانی مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے حق میں اعتماد کا ووٹ حاصل کیا جائے اور اُن کو واپس لایا جائے مگر اُس نے اصل مسئلے کو یوں گڈمڈ کر دیا کہ ساتھ ہی ساتھ اُس نے مہاتما جی کے حق میں بھی اعتماد کا ووٹ طلب کر لیا گویا مہاتما جی پر اعتماد پرانی مجلسِ عاملہ کے مستعفی ممبروں پر اظہارِ اعتماد کے بغیر باقی ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ مہاتما جی نے خود اپنے بیان سے بالکل صاف اور واضح طور پر شخصی و ذاتی مسائل کے خلط ملط کو آسان تر بنا دیا۔ مگر مجھ کو یقین ہے کہ میں بے انصافی کا مرتکب نہ ہوں گا اگر میں یہ عرض کروں کہ پرانی مجلسِ عاملہ کے ممبروں نے زیادہ جرأت و راست بازی کا ثبوت دیا ہوتا اگر انھوں نے خود اپنی رائے اور اپنی صواب دید پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہوتا اور مہاتما جی کی آڑ نہ لی ہوتی۔ اُن کا واضح اور روشن فرض یہ تھا کہ مہاتما جی کو تمام نزاعوں اور مباحثوں سے بالاتر رکھتے جیسا کہ ہماری سیاسی

زندگی میں مہاتما جی کو ہونا چاہیے۔

تمھارے خط میں کچھ باتیں اور بھی ایسی ہیں جن کے صاف کر دینے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مندوبین بنگال کو مندوبین کے ٹکٹ مکرر دیئے جانے کا تعلق ہے میں نے کچھ تحقیق و تفتیش کی ہے اور واقعات کی یہ صورت میرے علم میں آئی ہے: تری پوری پہنچنے پر بنگال کے بہت سے مندوبین کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے کارڈ ساتھ نہیں لائے ہیں، چناں چہ انھوں نے اپنے کارڈوں کے مثنوں کے لئے درخواستیں دیں اور تاخیر سے بچنے کی غرض سے ایسی درخواستیں اپنے کچھ دوستوں کی طرف سے بھی دے دیں جو اس وقت تک تری پوری نہیں پہنچے تھے۔ جب یہ حالات بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے اُن عہدہ داروں کے علم میں آئے جو تری پوری میں موجود تھے تو اُن لوگوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر والوں کے سامنے فوراً ہی یہ تجویز رکھی کہ ٹکٹوں کے مثنے جاری کرنے کا کام اُن کو دے دیا جائے اس لئے کہ مندوبین سے ذاتی طور پر شناسا ہونے کی وجہ سے وہ غالباً اس کام کو جلد ختم کر پائیں گے اور غلطیاں نہ کریں گے۔ تعاون کی یہ پیش کش آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر نے بہر حال قبول نہیں کی، نتیجہ یہ نکلا کہ بعض مندوبین کو، جو اپنے ٹکٹوں کے لئے اپنے دوستوں سے ملے یا مشورے کئے بغیر سیدھے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر میں پہنچ گئے تھے، دُہرے ٹکٹ مل گئے۔ اس نازک موقع پر بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے عہدہ داروں نے پھر مداخلت کی۔ اور دوبارہ جاری ہونے والے تمام ٹکٹوں کا بجز اُن چھ ٹکٹوں کے جن کا پتہ نہ لگ سکا، سُراغ لگا لیا اور اُن کو ٹھیک کروا دیا۔ مزید برآں، بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کی تحریک پر ایک آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اور ایک بنگال کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے عہدے دار نے پنڈال میں داخل ہوتے وقت ہر مندوب کی جانچ کی تاکہ کسی غیر مجاز شخص کے مندوب بن کر پنڈال میں داخل ہونے کا کوئی امکان نہ رہ جائے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس جانچ پڑتال سے تلبیس کا ایک معاملہ بھی نہیں پکڑا گیا یہ جانچ پڑتال دُہرے ٹکٹوں کے اجرا کو نسبتاً ایک غیر اہم غلطی ٹھیراتی ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ

آندھرا کے مندوبین کے معاملے میں زیادہ بڑی بے قاعدگی وقوع میں آئی۔ میں نہیں جانتا کہ جو طرزِ عمل مندوبین بنگال کی شناخت میں اختیار کیا گیا تھا وہ آندھرا کے مندوبین کی شناخت میں بھی برتا گیا یا نہیں۔ شاید تم اس بات کی تحقیقات کروگے۔

میرے لئے یہ خبر بڑی عجیب وغریب تھی کہ مندوبین کے کانگریس تک لانے پر روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ یہ روپیہ کس نے خرچ کیا، کب خرچ کیا اور کہاں خرچ کیا؟ گزشتہ دنوں جب "تبدیلی کے حامیوں" اور "تبدیلی کے مخالفین" کے درمیان کشمکش جاری تھی تب ہم اس قسم کی خبریں بہت سنا کرتے تھے کہ دونوں گروہ اپنے مؤیدین کی آمد ورفت پر روپیہ خرچ کیا کرتے اور کانگریس میں اُن کی موجودگی کا اطمینان بخش بندوبست کیا کرتے تھے مگر میں نے کبھی اس معاملے کی چھان بین کی پرواہ نہیں کی۔ تمہارے خط سے پہلی بار یہ اطلاع مجھے ملی کہ اس موقع پر بھی اسی طرح روپیہ خرچ کیا گیا۔

تم لکھتے ہو کہ تمھیں یہ دیکھ کر تعجّب ہوا کہ میں نے مطالبۂ قومی کی، جس کے حامی تم تھے، مخالفت کی۔ اس تجویز کی ضابطہ کے مطابق مخالفت کی نوبت ہی نہ آتی اگر مجھے اپنی ترمیم پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی ہوتی۔ لیکن جب مجھے اس کا موقع نہیں دیا گیا تب میں نے محسوس کیا کہ مجھے اس تجویز کے خلاف اپنا باضابطہ احتجاج منضبط کرا دینا چاہیئے اور میں نے اپنی تقریر میں اپنے اس طرزِ عمل کے اسباب بیان کر دیئے۔ میرے خیال میں یہ مطالبہ ایک غیر مؤثر اور بے معنی سا مطالبہ تھا جو غالباً ہمیں کسی نتیجے تک نہ لے جاتا۔ اس قسم کی تجویزیں سالہا سال سے برابر منظور ہوتی آئی ہیں مگر چوں کہ اُن سے اس امر کا اظہار نہیں ہوا کرتا تھا کہ اگر وہ نہ مانی گئیں تو ہمارے متعیّن ارادے کیا ہیں اور ہمارا لائحۂ عمل کیا ہے اس لئے نہ تو اُن سے ہمارے دشمن ہی مطمئن ہوا کرتے اور نہ ہماری قوم ہی کی ہمّت افزائی ہوتی۔ وقت کی تعیین کی تجویز رکھی گئی تھی اُس کے خلاف تم نے ایسی تقریر کی جیسے وقت کی تعیین کانگریس کی تاریخ میں کوئی نئی بات

تھی۔ اگر ہمارا اپنے مطالبۂ قومی کے تسلیم کر لینے کے لئے کوئی وقت معین کر دینا آج خواہ مخواہ کی عبارت آرائی تھا تو میں سمجھتا ہوں کہ جب مجھ سے بڑے لوگوں نے کانگریس کی قراردادوں میں تعینِ وقت کی قید رکھی تب بھی وہ بالکل اسی قسم کی خواہ مخواہ کی طمطراق ہی تھی۔ وقت کی تعیین سے تمہاری نارضامندی میری سمجھ میں آسکتی تھی اگر ہٹلر کی طرح تمہارے ذہن میں بھی یہ بات ہوتی کہ جیسے ہی کوئی عمدہ موقع ہاتھ آئے گا تم کوئی سخت اور بہیانہ وار کروگے اور اگر مجھے اس امر کا اطمینان ہوتا کہ برطانوی شہنشاہیت پر اس قسم کی کوئی ضرب لگانے کی ضروری قوت بھی اپنے اندر رکھتے ہو۔ مگر یہ ناگہانی تغیرات و انقلابات جن کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ دی گئی ہو میرے خیال میں صداقت اور عدم تشدد کی روح کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ صداقت کے احترام کے خیال سے ہم نے ہمیشہ اس بات کا بہت لحاظ رکھا ہے کہ جو حربے ہم اپنی آستینوں میں رکھتے ہوں اپنے دشمنوں کو دکھادیں تاکہ اُن کو یہ کہنے کا کوئی خفیف سا خفیف عذر یا بہانہ بھی ہاتھ نہ آئے کہ اُن پر اچانک حملہ کر دیا گیا ہے۔ اچانک اور یک بہ یک حملہ کر دینا جنگ کا تو ایک قیمتی اصول ہے مگر میرے خیال میں ستیہ گرہ کا اصول نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں، بہرحال، غیر متعلق سی ہیں، اس لئے کہ کانگریس کے داہنے بازو کا وقت کی تعیین سے گریز کرنا احساسِ قوت پر نہیں بلکہ احساسِ کمزوری پر مبنی ہے۔ داہنے بازو والوں کو اب نہ تو ہندوستان کے باشندوں پر اعتماد رہ گیا ہے، نہ وقت پڑنے پر اُن کی طرف سے کسی موثر مزاحمت و مقاومت پر اور نہ خود اپنی تنظیم مقاومت کی استعداد پر۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ وقت کی کوئی ایسی تعیین نہیں چاہتے جس کے خاتمے پر اُن سے عمل کا مطالبہ کیا جائے اور وہ عمل پر مجبور ہوں۔ یہ ہے میری تشخیصِ صورتِ حال۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال سو فی صدی درست نہ ہو۔

اُس پالیسی اور پروگرام سے متعلق جس پر ہمیں چلنا چاہیئے میں نے اپنے نظریئے وضاحت کے ساتھ اُن تجویزوں میں ظاہر کر دیئے تھے جو میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کو بھیجی تھیں۔ اس سے پہلے میں نے اپنے یہ

نظریئے جلپائی گوڑی میں بنگال کی صوبائی کانفرنس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں بیان کر دیئے تھے۔ بدقسمتی سے تری پوری میں جو شخصی و ذاتی مسائل اٹھائے گئے انھوں نے ہر چیز کو اندھیرے میں ڈال دیا۔ جہاں تک بنگال میں ملی جلی وزارتیں بنانے یا نہ بنانے کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا سوال ہے میں نے ایامِ گزشتہ میں مجلسِ عاملہ کی نشستوں میں اپنے خیالات صاف صاف بیان کر دینے کی کوشش کی ہے۔ عہدوں کا قبول کر لیا جانا یقیناً داہنے بازو والوں کی تحریک ہے۔ مگر ایک بار اگر کانگریس یہ تحریک منظور کر لیتی ہے تو پھر میرے خیال میں ان نام نہاد کانگریسی اور غیر کانگریسی صوبوں میں کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچی جا سکتی یا نہ کھینچی جانی چاہیئے، بشرطیکہ غیر کانگریسی صوبوں میں بھی کانگریس کا پروگرام قبول کر لیا جائے۔ بہ ہر حال یہ صرف ایک اتفاق ہے کہ بعض صوبوں میں کانگریس اکثریت میں ہے ـــــ ایک ایسا اتفاق جس کا انحصار اس اتفاق پر ہے کہ ان صوبوں میں ہندو اپنے آپ کو اکثریت میں پاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ گزشتہ دو سالوں کے تجربے نے تم کو مطمئن کر دیا ہے کہ اب تک کانگریسی وزارتوں نے حکومتِ ہند ایکٹ سے لڑنے یا اُسے ختم کر ڈالنے کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا ہے۔

تمھارا یہ فرض کر لینا کہ میں نے گاندھی جی کو جو کچھ لکھا ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ صدر کانگریس اور گاندھی جی کے درمیان سلسلۂ تعاون ختم ہوا درست نہیں ہے۔ میں نے پہلے ہی تم سے یہ کہدیا ہے کہ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ مہاتما جی کا مقام اور پالیسی اور پرانی مجلسِ عاملہ کے بعض ممبروں کا مقام اور پالیسی دونوں بالکل ایک ہی چیز ہیں۔ مجھے اس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی اس پر کافی لکھ چکا ہوں۔

اس سے پیشتر کہ میں اس خط کو ختم کروں ایک اور غلطی کی تصحیح کر دینا چاہوں گا۔ بہ طور ایک فطری بات کے یہ اکثر فرض کر لیا جایا کرتا ہے کہ جو کچھ میں لکھا کرتا ہوں وہ سبھاشں کے آراء و افکار کا بھی آئینہ دار ہوا کرتا ہے۔ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے کہ نہ تو میں ہر معاملے میں سبھاشں سے مشورہ کرتا یا کر سکتا ہوں

اور نہ وہ ایسا کرتے یا کر پاتے ہیں۔ اس خاص معاملے میں میں نے گاندھی جی کو جو خط لکھا ہے اُس کی ایک نقل میں نے سبھاشس کو بھی بھیج دی ہے۔ اب یہ اُن کا کام ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ کن معاملات میں وہ مجھ سے اتفاق رکھتے ہیں اور کن میں نہیں۔ مجھے ان کا کوئی وکالت نامہ حاصل نہیں ہے۔

مجھے امید ہے تم بخیر ہوگے۔ ادھر دو تین ہفتوں سے میری صحت بہت خراب رہی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ ایسٹر کی چھٹیوں میں کسی پہاڑی مقام پر کچھ دنوں آرام کروں۔

تمھارا انتہائی مخلص

سرت چندر بوس

۲۶۰۔ از سبھاش چندر بوس

ڈاک خانہ جیال گوڑا

ضلع مان بھوم، بہار

۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر

مجھے نہیں معلوم کہ آیا مہاتما جی نے اُس خط و کتابت کی نقلیں، جو ہمارے درمیان ہوتی رہی ہے جیسا کہ وہ اور لوگوں کو بھیجتے رہے ہیں، تم کو بھی بھیجیں یا نہیں۔ اگر یہ نقلیں تم کو نہیں ملیں تو میں آخری صورتِ حال سے تم کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں یہ چاہوں گا کہ تمھارا ردِ عمل اور تاثر مجھے معلوم ہو جائے اور تمھاری صلاح بھی کہ آگے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

مہاتما جی اس بات پر اصرار کرتے رہے ہیں کہ کابینہ متحد الخیال لوگوں سے ترتیب دی جانی چاہیے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں ایک ایسی ہی کابینہ ترتیب دے کر اور اپنا پروگرام بھی مرتب کر کے دونوں کا اعلان کر دوں، اس کے بعد مجھے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے اُس کا فیصلہ معلوم کرنے کی غرض سے جانا چاہیے۔

میں نے مہاتما جی سے کئی بار عرض کیا کہ میں کوئی ایسی کابینہ کئی وجہوں سے

ترتیب نہیں دے سکتا۔ علاوہ بریں کانگریس نے مجھے اپنا پروگرام ترتیب دینے اور اس کا اعلان کرنے کا کام سپرد نہیں کیا ہے۔ مجھ کو صرف ایک خاص طرز پر یعنی پنت کی تجویز کے مطابق مجلسِ عاملہ ترتیب دینی ہے۔

کچھ دوسری متبادل تجویزیں پیش کرنے کے بعد اخیر میں میں نے یہ عرض کر دیا کہ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو مجلسِ عاملہ کی ترتیب کی ذمّے داری خود ہی قبول فرمائیں ـــــ اس لیے کہ میں اُن کے اس مشورے پر کہ کابینہ متحدالخیال لوگوں سے ترکیب پذیر ہونی چاہیئے عمل نہیں کر سکتا۔ اخیر کے دو خطوں میں میں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ ذمّے داری اُن کو قبول فرما لینی چاہیئے۔

میں نہیں جانتا کہ مہاتما جی کابینے کی تشکیل کا خود ہی اعلان فرما دیں گے یا نہیں۔ اگر وہ اعلان فرما دیتے ہیں تو یہ تعطّل ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو کیا ہوگا؟ اُس صورت میں اس معاملے کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے غیر منفصل ہی جانا پڑے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسے حالات میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کیا کرے گی۔

میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر خط و کتابت کے ذریعے کچھ طے نہ ہو سکا تو میں ایک آخری کوشش مہاتما جی سے بالمشافہہ گفتگو کر کے کوئی بات طے کرنے کی کروں گا۔ مگر راج کوٹ کے معاملے کے پیشِ نظر گاندھی جی کی نقل و حرکت غیر یقینی اور غیر متعین سی ہے۔ اُن کا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے وقت کلکتہ آنا بھی یقینی نہیں ہے، اگرچہ انھوں نے مجھے تار دیا ہے کہ وہ آنے کی "جان توڑ" کوشش کریں گے۔

اب اگر گاندھی جی مجلسِ عاملہ کی تشکیل نہیں فرماتے تو کیا اُن سے ملنے کا وقت نکالنے کے لیے مجھے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست ملتوی کر دینی چاہیئے؟ کیا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبران اس التوا کو پسند کریں گے، یا مجھے ٹال مٹول کا الزام دینا شروع کر دیں گے؟ بہت سے لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جب تک ہم باہم مل کر تصفیہ کی ایک آخری کوشش نہ کر لیں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست منعقد نہ ہونی چاہیئے۔ التوا صرف اُس صورت میں ضروری ہوگا جب مہاتما جی اس ماہ

کی ستائیسویں تاریخ تک جو مجلسِ عاملہ کے انعقاد کے لئے مقرر ہے کلکتہ نہ آسکیں گے۔
اب یہ بتاؤ کہ اس التواء کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟

تو میں آج تک کی پوری خط و کتابت تمھیں بھیج سکتا ہوں اگر مہاتما جی نے پہلے ہی تم کو نہ بھیج دی ہو۔

ایک بات اور۔ کیا تمھارا چند گھنٹوں کے لئے یہاں آجانا ممکن ہے؟ ہم باہم گفتگو بھی کرلیں گے اور مجھے تمھاری رائے بھی معلوم ہو جائے گی کہ آگے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

یہ خط مختصر اور عجلت میں لکھا گیا ہے اور ایک دوست کے ذریعے بھیجا جارہا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آخری صورتِ حال صفائی کے ساتھ بیان کردی ہے یا نہیں ـــــ مجھے امید ہے کہ میں نے کردی ہے۔

اگر تم آنے کے لئے وقت نکال سکو تو تم کچھ وقت اس طرح نکال سکتے ہو کہ طوفان اکسپریس (۸ ڈاؤن) سے جو دھنباد ساڑھے چار بجے پہنچتی ہے آؤ اور پھر بمبئی میل سے جو نصف شب میں دھنباد پہنچتی ہے واپس جاسکتے ہو۔ جمدوباد دھنباد سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ تمھیں لینے کے لئے کار اسٹیشن پر موجود رہے گی۔

تمھارا پُرمحبت

سبھاش

۲۶۱۔ بنام مہاتما گاندھی

الہ آباد

۱۷ اپریل ۱۹۳۹ء

میرے محترم باپو

سبھاش سے جو خط و کتابت آپ کی ہوتی رہی ہے اس کی نقلیں پیارے لعل مجھے بھیجتے رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ خط و کتابت حدِ تعطل تک پہنچ گئی ہے جس سے باہر آنے کی کوئی راہ مجھے نظر نہیں آرہی ہے۔ میں اُس شخص کی بدقسمت حیثیت میں ہوں جو دونوں جانب کے اختیار کردہ کسی بھی زاویۂ نگاہ

سے اتفاق نہیں رکھتا۔ اس سبب سے میں نے یہ بہتر سمجھا کہ خاموش رہوں نہ کسی کو کچھ لکھوں اور نہ عام جلسوں میں کچھ کہوں۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے لیے اسی بے بسی کے ساتھ بیٹھے رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ مسائل حد سے زیادہ سنگین ہیں اور نتائج ایسے ہیں جن کو سوچ کر تکلیف ہوتی ہے۔

مجھے کچھ ایسا نظر آرہا ہے کہ اس حالت سے باہر آنا اُسی وقت ممکن ہے جب بہت بڑی حد تک آپ خود ذمّے داری کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ رہبری آپ ہی کو کرنی پڑے گی۔ آپ اس امر کے انتظار میں نہیں رہ سکتے کہ جو کچھ ہونا ہے از خود وقوع میں آجائے۔ سبھاش میں بہت سی کمزوریاں ہیں مگر بایں ہمہ اگر کوئی ان کی طرف دوستانہ ہاتھ بڑھائے تو وہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا طے کریں گے تو اس تعطّل سے باہر آنے کی کوئی راہ بھی آپ کو مل ہی جائے گی۔

راج کوٹ کی اہمیت میں پورے طور پر محسوس کر رہا ہوں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس امر میں آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ کانگریس کا عظیم تر سوال اس سوال سے کہیں زیادہ اہم ہے اور قرین قیاس ہے کہ یہی سوال ہماری تمام سرگرمیوں پر اثر انداز رہے گا۔ اس لیے میں آپ سے التجا کروں گا کہ آپ اسی موخر الذکر سوال پر توجّہ دیں خواہ کچھ دنوں کے لیے آپ کو راج کوٹ کے معاملات کی طرف سے اپنی توجہ کیوں نہ ہٹانی پڑے۔ یہ خیال کہ آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست میں شرکت نہ کر سکیں گے موجبِ تشویش ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ حالات بد سے بدتر ہو جائیں اور کانگریس کے پُرزے اُڑ جائیں۔ صحیح راہِ عمل یہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست سے پہلے کوئی تصفیہ ہو جائے۔ اس مسئلے کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی پر چھوڑ دینا انتشار و پراگندگی کو اور زیادہ سخت بنا دینا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ سبھاش سے مل لیتے۔ قطع نظر اس کے کہ اس ملاقات سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں ملاقات کئی طرح سے سود مند ثابت ہوتی۔

مجلسِ عاملہ کی تشکیل میں تاخیر کرنا اچھا نہیں ہے۔ مگر صرف باہم لڑنے جھگڑنے کے لیے ہمارا اکٹھا ہونا اور بھی بُرا ہوگا۔ اگرچہ میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔

تاہم آپ کی سہولت کی خاطر نیز اس خیال سے کہ کسی تصفیہ تک پہنچ جانے کی کوششوں کو کچھ اور موقع دیا جائے، ہفتے دو ہفتے کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست کو ملتوی کر دینا قابلِ ترجیح ہو گا۔

مجھے ابھی ابھی سبھاش کا ایک خط ملا ہے جس میں انھوں نے مجھے چند گھنٹوں کے لئے اپنے پاس اس غرض سے بلایا ہے کہ موجودہ صورتِ حال پر ہم دونوں غور کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ گفت و شنید ہمیں کسی خاص نتیجے تک نہ پہنچائے گی اس لئے کہ ذمّے دارانہ طور پر میں اُن سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ پھر بھی میں اُن سے "نہیں" نہیں کہہ سکتا۔ دو ایک دن کے بعد میرا ارادہ اُن کے پاس جانے کا ہے۔ میں اُن سے کیا کہوں گا یہ بات ابھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔ سردست میرا یہ خیال ہے کہ میں اُن کو ایک ہی مشورہ دے سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ عاملہ کے ارکان کے ناموں کا تجویز کرنا وہ بالکل آپ پر چھوڑ دیں وہ اپنی طرف سے بھی کچھ تجویزیں آپ کے سامنے رکھ سکتے ہیں مگر اس واضح شرط کے ساتھ کہ ان تجویزوں کے قبول یا رد کر دینے کا کلّی اختیار آپ کو ہو گا۔ جہاں تک پروگرام کا تعلق ہے سو اُس کی تشکیل و ترتیب تری پوری کانگریس کی قراردادوں کی روشنی میں ہو گی جو اور باتوں کے ساتھ یہ بات بھی یقینی طور پر بتاتی ہیں کہ پچھلے پروگرام سے ہٹ کر کوئی پروگرام اختیار نہ کیا جائے گا۔

اگر سبھاش اس طریقِ کار سے اتفاق کرتے ہیں تو پھر ذمّے داری آپ کے کندھوں پر ہو گی اور آپ اُس سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔ میری رائے اب بھی وہی ہے جو دہلی میں تھی یعنی یہ کہ آپ کو سبھاش کی صدارت قبول کر لینی چاہیے۔ میری نظر میں ان کو صدارت سے علیحدہ کرنے کی کوشش ایک نہایت ہی غلط قدم ہو گا۔ جہاں تک مجلسِ عاملہ کا تعلق ہے وہ آپ ہی کو طے کرنا ہے۔ مگر میں ضرور سمجھتا ہوں کہ متحد الخیالی کے نصب العین پر اگر تنگ نظری کے ساتھ عمل کیا گیا تو نہ تو وہ صلح و آشتی تک لے جائے گا اور نہ کسی نتیجہ خیز کام تک۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ کسی حد تک متحد الخیالی بھی ضروری ہے ورنہ ہم کام ہی نہ کر سکیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجلسِ عاملہ میں چند اشخاص پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا

کردیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسے اشخاص کو قبول کرلینا دشوار ہے جن کے اخلاص اور نیک نیتی پر مطلق اعتماد نہ کیا جاسکتا ہو۔ گر متحدالخیالی کے اصول کو کھینچ کر سیاسی اندازِ غور و فکر کے اختلافات تک نہ پہنچا دینا چاہیے، بشرطیکہ کام کا اِک عام اور مشترک پس منظر قبول کرلیا جائے۔ بہ ہر حال یہ بات ہمیں ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ایک متحدالخیال مجلسِ عاملہ بر روئے کار لاکر ہم کوئی متحدالخیال کانگریس پیدا نہیں کرلیتے اگر ہماری نظر میں ایک وسیع تر متحدالخیالی ہو۔ تو موخرالذکر کا حاصل کرلینا آسان تر ہے۔

گزشتہ کئی ماہ کے اندر کانگریس کے جو نئے حالات آپ کے علم میں آئے ہیں اُن سے آپ کو بڑی اذیت پہنچی ہے اور آپ نے بداخلاقی اور بداطواری کے لئے ملامت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کانگریس کا ہر سنجیدہ عنصر، عام اس سے کہ اُس کے سیاسی افکار کچھ ہی کیوں نہ ہوں، اس مسئلے سے نپٹنے کے لئے فکرمند ہے۔ میں کانگریس سے باہر کے بہت سے واقعات بہت غور سے دیکھتا رہا ہوں اور میں اتنا ضرور کہوں گا کہ حوادث کے رجحان اور نئی قوتوں کے ظہور نے مجھے چونکا دیا ہے۔ میں تنہا فرقہ واریت کے مسئلے کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں۔ اس سے بھی خطرناک قوتیں کام کر رہی ہیں۔ اگر اس نازک موقع پر کانگریس کمزور ہو جاتی ہے اور اُس کے اندر اختلافات رونما ہو جاتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ تباہ کن نتائج نکلیں۔ ہم لوگوں کو لازم ہے کہ متحد رہیں۔ اس لئے میں آپ سے التجا کروں گا کہ آپ اس معاملے کو طے کرنے کا مصمم ارادہ کرلیں چاہے آپ کا طریقِ تصفیہ ہم میں سے سب کو پسند نہ بھی آئے۔ صرف اسی طرح ہم اپنی منتخب کردہ سمت کی طرف آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ورنہ ہم یوں ہی لڑتے پڑتے رہیں گے۔

اب میں کچھ اپنے متعلق بھی عرض کردوں۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں حد سے زیادہ انفرادیت پسند واقع ہوا ہوں۔ اِدھر آخری دنوں میں مجلسِ عاملہ کی نشستوں میں کام کرنا میرے لئے بہت دشوار ہو گیا اور غالباً اپنے رفقائے کار کے لئے ایک مصیبت بھی بن گیا۔ اور یہ اس لئے نہیں ہوا کہ کسی طرف نیک نیتی کی کمی تھی۔ اس لئے میں نے محسوس کیا کہ مجھے اب مجلسِ عاملہ میں نہ رہنا چاہیے۔

اس سے بھی قوی تر اسباب کی بنا پر میں نے محسوس کیا کہ سبھاش کی ترتیب دی ہوئی ایک مختلف قسم کی کمیٹی میں شرکت کے معاملے پر غور کرنا بھی میرے لئے دشوار ہے۔ میرے احساسات اب بھی وہی ہیں۔ مگر اس تعطّل کے پیشِ نظر جو پیدا ہو گیا ہے اگر اس سے نجات پانے کی کوئی راہ مل جاتی ہے اور کمیٹی میں میری موجودگی مفید خیال کی جاتی ہے تو میں اس کے ایک رُکن کی حیثیت سے خدمت کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔ یہ کوئی ایسی امکانی یا متوقع صورت نہیں ہے جس کو میرا دل چاہتا ہو۔ مگر میں یقیناً محسوس کرتا ہوں کہ میں اس ذمّے داری سے، اگر وہ موجودہ غیر معمولی حالات میں میرے سامنے پیش کی گئی، پہلو تہی نہیں کر سکتا۔

آپ کا پُر محبت

جواہر لعل

مہاتما گاندھی

راج کوٹ

۲۶۲۔ از ابوالکلام آزاد

کلکتہ

۱۷ر اپریل ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر

جب میں اپنے الہ آباد والے سانحے پر غور کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ اگر یہ سانحہ کلکتے میں پیش آیا ہوتا تو میرے یہاں کے اپنے عزیز بھی میرے آرام و آسائش اور علاج و معالجے کے سلسلے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے جو الہ آباد میں کیا گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے عزیز ترین رشتے دار بھی میرے لئے اُس سے زیادہ دردمند ثابت نہ ہوتے جتنے تم میرے لئے الہ آباد میں تھے۔ میں نہیں جانتا کہ میں اپنے احساساتِ شکر گزاری کا اظہار کیوں کر کروں۔ یقین کرو کہ میرا دل تمھاری مہر و محبّت کے لئے حد درجہ شکر گزار ہے۔

چھوٹی چھوٹی ایسی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جو دل میں عمیق احساسات پیدا کر دینے کا باعث بن جاتی ہیں۔ الہ آباد سے واپس آتے وقت تم نے میری

راحت و آسائش کی چھوٹی سی چھوٹی جزوی باتوں کا بھی لحاظ رکھا اور یہ اہتمام صرف ایک شب کے سفر کے لئے کیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کتنی چیزیں میرے ساتھ بھیجی گئی ہیں۔ یہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ یوڈی کولون کی بھی ایک شیشی ٹوکری میں رکھ دی گئی تھی۔

مجھے نہیں معلوم تم نے وہ خطوط دیکھے یا نہیں جو سبھاش نے گاندھی جی کو لکھے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ سبھاش بابو جس مقام پر تری پوری سے پہلے تھے اب بھی ٹھیک اُسی مقام پر ہیں، اور اس کی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ قرار داد تری پوری پر عمل کر کے صورتِ حال کو بہتر بنائیں گے۔ ایک طرف تو وہ قرار دادِ پنت کو دستور کے خلاف اور خارج از حدود اختیارات قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف وہ گاندھی جی سے کچھ شرطیں منوانی چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس امر کا اعلان کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے کہ اگر اشتراکی جتھا غیر جانب دار نہ رہ گیا ہوتا تو پنت کی تجویز گر گئی ہوتی۔

بہر حال اس بات کی کوئی امید نہیں ہے کہ کانگریس، سبھاش کے ساتھ چل سکے گی۔ سارا کام ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے ہمیں آئندہ کے لئے اپنے طریقۂ کار کا خاکہ تیار کر لینا چاہیے۔

میں سبھاش کے معاملے کو نہ تو داہنے بازو اور بائیں بازو کی کوئی کشاکش سمجھتا ہوں اور نہ متحد الخیال اور مختلف الخیال لوگوں سے ترکیب یافتہ مجلسِ عاملہ کا سوال سمجھتا ہوں۔ یہ صرف سبھاش اور ان کے کچھ مؤیدین کا معاملہ ہے۔ یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ یہ پیچیدگی کس شکل میں ختم ہوتی ہے۔ کسی حل تک پہنچنے کے لئے ہمیں ان مسائل پر آزادی اور تفصیل کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

مجھے امید ہے کہ میرا آخری خط تمھیں مل گیا ہوگا اور تم نے سلطان احمد کی نسبت لکھنؤ ٹیلیفون کر دیا ہوگا۔

تمھارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

۲۶۳- از سبھاش چندر بوس

ڈاک خانہ جیال گوڑا

۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جواہر

میں نے مہاتما جی کو آج دو تار دیئے۔ ان میں سے ایک کا اعادہ میرے آج کے خط میں بھی کر دیا گیا ہے۔ اپنے خط اور تار کی نقلیں ملفوف کر رہا ہوں۔ خط و کتابت کے شائع نہ کئے جانے کے بارے میں میں نے جو تار دیا ہے اُس میں میں نے تمھارے نام کا استعمال کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمھیں اس پر اعتراض نہ ہوگا۔

گاندھی جی کا بخار میرے لئے کسی قدر موجبِ تشویش ہے۔ میں تہِ دل سے امید کرتا ہوں کہ یہ جلد جاتا رہے گا۔ اگر خدا نہ کردہ یہ اڑا رہا تو پھر ہم کیا کریں گے؟ اس حادثے پر بھی کچھ غور کر لو۔ چوں کہ آج کل وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں اس لئے میں بہت فکرمند ہوں۔ ازراہِ کرم اس مسئلے پر مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو۔ میں کل ۲۱ اپریل کو کلکتے جا رہا ہوں۔

تمھارا پُرمحبت

سبھاش

۲۶۴- از سبھاش چندر بوس بنام مہاتما گاندھی

ڈاک خانہ جیال گوڑا

ضلع مان بھوم بہار

۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء

میرے محترم مہاتما جی

میں نے آج آپ کو یہ تار دیا ہے:

"مہاتما گاندھی، راج کوٹ۔

آپ کے بخار کے سبب سخت فکرمند ہوں۔ آپ کی جلد شفایابی کے لئے دست بدعا ہوں۔ جواہر لعل جی اور مجھے دونوں کو پوری امید ہے کہ ہماری ملاقات

سے بارآور نتائج نکلیں گے، اور ایک مقصدِ مشترک کے لئے تمام کانگریسیوں کا باہم تعاون ممکن ہو جائے گا۔ ہم اپنی اُس ملاقات کے پیشِ نظر جو جلد ہی کلکتے میں ہونے والی ہے خط و کتابت کی اشاعت غیر ضروری اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔

پرنام۔ سبھاش"

گزشتہ تین ہفتوں میں ہمارے درمیان بڑی طویل خط و کتابت ہوئی ہے۔ مگر جہاں تک مجلسِ عاملہ کی تشکیل کا تعلق ہے اس خط و کتابت سے کوئی واضح نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تاہم اس سے شاید ہمیں ایک اور فائدہ پہنچا ہے اور وہ یوں کہ اس سے ہمارے خیالات کی توضیح میں مدد ملی ہے۔ مگر اب اُس مسئلے کو جس کا حل فوری طور پر مطلوب ہے بالکل صاف ہو کر سامنے آجانا چاہیے اس لئے کہ اب مجلسِ عاملہ کے بغیر ہم زیادہ دیر نہیں رہ سکتے۔ جو صورتِ حال اندرونِ ملک نیز بین الاقوامی ماحول میں پائی جاتی ہے اب اس بات کی مقتضی ہے کہ کانگریسی اپنی صفیں فوراً درست کر لیں اور ایک متحد محاذ بنا لیں۔ آپ اس سے پورے طور پر آشنا ہیں کہ بین الاقوامی صورتِ حال دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اس وقت برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے جو ترمیمی مسودۂ قانون ہے وہ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ برطانوی حکومت اس امر کی تیاریاں کر رہی ہے کہ کسی ناگہانی جنگی ضرورت کے پیش آجانے پر صوبائی حکومتیں جو تھوڑے بہت اختیارات رکھتی ہیں ان سے بھی وہ محروم کر دی جائیں۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر اس میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ عنقریب ہم ایک غیر متوقع بحران سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اس بحران سے ہم اُسی وقت عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب ہم اپنے اختلافات فوراً ختم کر دیں اور اپنی صفوں میں نظم و ضبط اور اتحاد و یک جہتی واپس لانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ یہ کام صرف اس وقت انجام پا سکتا ہے جب آپ آگے بڑھ کر ہماری رہبری اور قیادت فرمائیں۔ اُس صورت میں آپ دیکھیں گے کہ ہم سب آپ سے تعاون کرنے اور آپ کے پیچھے چلنے میں اپنی پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔ آپ یہ بھی دیکھ لیں گے کہ جہاں تک بداطواری اور اخلاقی فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے، اور اگر تشدد کی طرف کوئی

میلان پایا جاتا ہے تو اُسے روک دینے کی ضرورت کا تعلق ہے، ہمارے درمیان ایک مشترک میدانِ کار موجود ہے ـــــ اگرچہ اس بداطواری اور اخلاقی فساد اور تشدد کے جذبے کے بارے میں جو واقعی ہمارے اندر موجود ہے ہم مختلف رائیں رکھ سکتے ہیں۔ اور جہاں تک پروگرام کا تعلق ہے تو اس کی تشریح اور وضاحت کرنا کانگریس یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا کام ہے ـــــ اگرچہ ہر شخص یقیناً یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے خیالات ان جماعتوں کے سامنے رکھے۔ پروگرام کے معاملے میں میرا خیال یہ ہے کہ جو بحران عنقریب ہمیں اپنی گرفت میں لے لینے والا ہے بڑی حد تک وہی اس کی شکل و نوعیت کی تعیین کرے گا اور پھر اس مسئلے کی بنیاد پر کسی قابلِ ذکر یا اہم اختلاف کی گنجائش بہت کم رہ جائے گی۔

میں کلکتے میں یا کلکتے کے قریب ہونے والی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشست سے پہلے آپ سے ملاقات کرنے کا بڑی تمناؤں اور امیدوں کے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ بنگال اور دوسرے صوبوں میں یہ خیال تیزی کے ساتھ قوت پکڑتا جا رہا ہے کہ مجلسِ عاملہ کا مسئلہ، باوجود نظری دفکری اور گزشتہ اختلافات اور غلط فہمیوں کے متفقہ طور پر حل کیا جانا چاہیئے۔ قراردادِ پنت کے تحت مجلسِ عاملہ کی تشکیل کی ذمّے داری آپ پر ہے اور جب آپ اس ذمّے داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیں گے تو آپ دیکھ لیں گے کہ ہم اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ تعاون کریں گے۔

جواہر کل یہیں تھے۔ موجودہ صورتِ حال پر ہمارے درمیان طویل گفت و شنید ہوئی۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ہم متفق الرائے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ کلکتے سے قریب کسی مقام پر ایک دن کے لئے رُک کر سکون کے ساتھ معاملے پر گفت و شنید کر لینا اچھا ہوگا۔ اگر آپ براہِ ناگ پور تشریف لائیں تو کھڑگ پور سے متصل مدنا پور اس غرض کے لئے سب سے اچھی جگہ ہوگی۔ اگر آپ براہ چھیو کی تشریف لائیں تب ہمیں بردوان سے قریب کوئی جگہ سوچنی پڑے گی۔ میں نے اس سلسلے میں آپ کو ایک تار دیا ہے اور آپ کے

جواب کا انتظار کروں گا۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو پھر ہم کلکتے ہی میں ملیں گے ہیں نے جواہر سے درخواست کی ہے کہ ہماری گفتگو میں وہ بھی شریک رہیں اور وہ از راہِ کرم اس پر رضامند ہو گئے ہیں۔

مجھے آپ کے بخار سے تشویش ہے۔ میں دست بدعا ہوں کہ یہ جلد اُتر جائے۔

مؤدبانہ پرناموں کے ساتھ

آپ کا پُر محبت

سبھاش

۲۶۵۔ از سبھاش چندر بوس بنام مہاتما گاندھی

۲۰ر اپریل ۱۹۳۹ء

مہاتما گاندھی، راج کوٹ

بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ آپ ستائیس تاریخ کو کلکتہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ کی راحت و آسائش نیز پبلک کی سہولت کے لئے میں یہ تجویز کروں گا کہ آپ شہر سے باہر دریا کے کنارے باغ والے گھر میں قیام فرمائیں۔ بہر حال میں کلکتہ پہنچ کر ستیش بابو سے مشورہ کروں گا اور آپ کو دوسرا تار دوں گا۔ جواہر لعل جی کل یہیں تھے۔ ہم دونوں کی رائے ہے کہ آپ ایک دن کے لئے کلکتے سے قریب کسی مقام پر اپنا سفر قطع فرمائیں جہاں ہم دونوں نجی گفتگو کے لئے آپ سے مل سکیں۔ اگر اس خیال کو آپ پسند کریں اور بذریعے تار یہ مطلع فرمائیں کہ آپ کس راستے سے تشریف لا رہے ہیں تو میں بیچ کے کسی موزوں اسٹیشن پر آپ کے ٹھہرنے کا انتظام کروں گا۔ میں اکیس کو کلکتہ جا رہا ہوں۔

سبھاش

۲۶۶۔ از لیڈی آسٹر

لندن ۱۰ر مئی ۱۹۳۹ء

پیارے پنڈت جواہر لعل نہرو۔

آپ کو یاد ہوگا کہ گزشتہ موسمِ گرما میں آپ نے مجھ سے گائے ڈیلیو کے

مقدمے کا ذکر کیا تھا، یعنی ناگا قبیلے کی اُس لڑکی کے مقدمے کا جو ۱۹۳۱ء میں منی پور کے کچھ مسافروں کے قتل کے ارتکاب کے سلسلے میں ۱۹۳۲ء میں جیل میں ڈال دی گئی تھی۔ میں نے اُس کے مقدمے سے متعلق انڈیا آفس سے کچھ خط و کتابت کی تھی۔ انڈیا آفس والوں نے میری خط و کتابت پر کچھ تحقیقات کی اور مجھے خاصی مفصل اطلاع بھیجی ہے۔ اختصار کے ساتھ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جادو ننگ نامی کسی شخص نے اپنے آپ کو ایک قسم کا مسیح ظاہر کیا اور یہ لڑکی گا ئے ڈیلیو اُس کی پجارن تھی اور یہ قتل جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جادو ننگ کے دین و مذہب کے دیوتاؤں کی قربان گاہ پر ایک قسم کی قربانی معلوم ہوتی ہے۔ اس امر کا اندیشہ تھا کہ اس دہن کے ناگا پیرو "کوئیوں" کے پورے قبیلے کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قتل کے ان حادثوں میں اس لڑکی کی شرکت کی کافی شہادت موجود ہے۔ پھانسی کی سزا عدالتِ مجاز نے اُس لڑکی کی نو عمری اور اُس پر جادو ننگ کے اثر کا لحاظ کر کے حبسِ دوام میں بدل دی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ناگا قبائل کی یہ تحریک ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ اس لڑکی کو اگر رہا کر دیا گیا تو یہ تحریک پھر زور پکڑ لے گی۔ نیز یہ کہ اس وقت یہ لڑکی ریاست منی پور اور صوبائی آسام کے امن و امان کے لئے خطرے کا ایک زبردست سبب خیال کی جاتی ہے۔

وزیرِ ہند اس واقعہ پر زور دیتے ہیں کہ گا ئے ڈیلیو کی سزا کا معاملہ نمائندۂ تاج کے حدودِ اختیارات کا معاملہ ہے اور چوں کہ اس معاملے کا تعلق برطانوی قلمرو سے نہیں بلکہ منی پور کے اندرونی معاملات سے ہے وہ ہز اکسیلینسی کے اختیار تمیزی میں دخل دینے پر تیار نہیں ہیں۔

میری گزارشوں کے جواب ہیں جن میں میں نے یہ پوچھا تھا کہ کیا ایک ایسی نو عمر لڑکی کے حق میں تعمیری اصلاحی طریق علاج اپنے اثرات کے لحاظ سے محض جیل خانے میں ڈالے رکھنے کے مقابلے میں زیادہ سود مند نہ ہوگا؟ خصوصاً اس حالت میں کہ جادو ننگ کا اثر زائل کیا جا چکا ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ آسام کے

جیلوں میں بورسٹال طریق علاج کی ایک ترمیم شدہ صورت تعلیمی سہولتوں کے ساتھ اختیار کر لی گئی ہے۔ مجھ کو اس بات کا بھی اطمینان دلایا گیا ہے کہ گاسے ڈیلیو کے مقدمے سے متعلق میری تجویزیں غور و فکر کے لیے برطانوی تاج کے نمائندے کو بھیج دی جائیں گی۔ مجھے قوی امید ہے کہ میری کوششوں کا کوئی اچھا نتیجہ سامنے آئے گا، حالاں کہ مجھے افسوس ہے کہ اس کام میں اتنے دن لگ گئے۔

مجھے امید ہے کہ آپ کی صاحب زادی اور بہن دونوں بہتر ہوں گی۔

آپ کی مخلص

نانسی آسٹر

۲۶۷۔ از ماؤزے تونگ

نیان، شنشی

۲۴ مئی ۱۹۳۹ء

جے۔ نہرو اسکوایر

آنند بھون، الہ آباد۔ یو۔ پی

عزیز دوست

ہم لوگوں کو ڈاکٹر ایم۔ اٹل کی سرکردگی میں ہندوستانی طبّی وفد نیز چینیوں کے نام انڈین نیشنل کانگریس کے اُن پیغامات کی پذیرائی کی مسرت اور عزّت حاصل ہوئی تھی جن میں چینیوں کو مبارک باد دی گئی اور جاپانی شہنشاہیت پرستوں سے لڑنے پر ان کی ہمّت افزائی کی گئی تھی۔

ہم آپ کو مطلع کر دینا چاہتے ہیں کہ ہندوستانی طبّی وفد نے یہاں اپنا کام شروع کر دیا ہے اور آٹھویں روٹ آرمی (خشکی کی فوج) کے تمام ممبروں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا ہے۔ ایسی عام مصیبتوں میں ہمارا ساتھ دینے کی جو اسپرٹ اُس نے ظاہر کی ہے اُس کا اُن تمام لوگوں پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے جن کا اس وفد کے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔

ہم اس موقعے سے فائدہ اُٹھا کر آپ کی عظیم الشان ہندوستانی قوم اور انڈین نیشنل کانگریس کا اس طبّی اور مادّی مدد کے لیے جو آپ نے بھیجی ہے

شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی انڈین نیشنل کانگریس اور ہندوستان کے لوگ برابر ہماری مدد کرتے رہیں گے اور اس طرح ہم دونوں مل کر جاپانی شہنشاہیت پرستوں کو چین سے نکال باہر کریں گے۔

اخیر میں، نگر گرم جوشی و اخلاص میں پہلے ہی کی طرح، ہم اپنی شکرگزاریاں، اچھی تمنائیں اور دلی احترامات آپ کو بھیجنے کی مسرت حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا مخلص

ماؤ تسی تنگ

۲۶۸۔ از وتبھ بھائی پٹیل

بمبئی، ۲ر جولائی ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر

سر ایس۔ پہلی کو باپو سے ملے اور اُن سے اپنی زونل اسکیم پر بات چیت کی۔ باپو نے اُن سے کہا کہ اُن کو اس اسکیم پر اُن سے بات چیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر راجندر بابو کا پیغام اُن کو پہنچ چکا ہے، اگر وہ اور اُن کے دوسرے مسلم لیگی دوست فرقہ وارانہ سوال طے کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ راجندر بابو اور دوسرے کانگریسی دوستوں سے مل سکتے ہیں مگر اس بات کو واضح طور پر ذہن میں رکھ کر کہ کسی بھی بات پر، کسی بھی فریق پر کوئی پابندی نہیں۔ آج رات وہ پھر آرہے ہیں۔ اس گفت و شنید سے کوئی نتیجہ نکلتا دکھائی نہیں دیتا۔

باپو نے اپنا صوبۂ سرحد کا سفر ملتوی کر دیا ہے۔ بادشاہ خاں کا ایک تار آگیا کہ اُن کو ۵ر جولائی کو روانہ ہونا چاہیے۔

اُس دن تم باپو کی اُس ملاقات کے بارے میں جو ہری جن میں چھپی تھی آپے سے باہر ہو گئے تھے اور باپو سے تم نے خاصی تلخی اور تیزی کے ساتھ باتیں کیں۔ ہم سب کو افسوس ہوا کہ اس ملاقات کے سلسلے میں تمھیں اتنا غصہ آگیا۔ اور ہم نے محسوس کیا کہ تم باپو کے ساتھ انصاف نہیں کر رہے ہو۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ دو ایک حادثے ایسے ہی اور پیش آگئے تو وہ اُن کو پبلک زندگی سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو جانے پر مجبور کر دیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اکہتر سال

کے ہو چکے ہیں اور اپنی بہت سی قوت کھو چکے ہیں۔ جب تمھارے احساسات مجروح ہوتے ہیں تب انھیں بڑی اذیت ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور سے بھی وہ اتنی محبت رکھتے ہیں جتنی محبت وہ تم سے رکھتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے کسی اقدام سے تم ناخوش ہو تب وہ سوچ میں پڑ جایا کرتے اور بڑا رنج وقلق محسوس کیا کرتے ہیں۔ اُس روز شام سے وہ پبلک زندگی سے علیحدہ ہو جانے پر غور کرتے رہے ہیں اور پیرن اور بھروچا کی جو گفتگو اُن سے ہوئی اور خورشید نے جو خط راجن بابو کو لکھا، ان چیزوں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔

میں اُن کو اس بات پر رضامند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہ کریں، مگر تم اُنھیں جانتے ہو اور میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کریں گے۔

میں نے سوچا کہ تمھارے سلسلے میں میرا یہ فرض ہے کہ میں تمھیں اس سے باخبر رکھوں۔ اگر تم مناسب جانو تو اُن کو لکھو کہ پورے طور پر تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں۔

تمھارا مخلص
ولبھ بھائی

۲۶۹ - از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۲۹ جولائی ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل

دھامی کے لوگوں کی رہبری خود کرنے کے بجائے میں نے اُن کو تمھارے پاس بھیج دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری طرف سے کسی مداخلت کے بغیر یہ بوجھ تمھیں اُٹھانا چاہیئے۔ ریاستوں میں یہ خیال پھیلتا معلوم ہو رہا ہے کہ کانگریس کو علیحدہ اور نظر انداز کر دو اور اسی کے پیشِ نظر ریاستوں کی کانفرنس کو بھی۔ میں نے ہری جن میں پہلے ہی یہ تجویز شایع کر دی ہے کہ کوئی ریاستی انجمن یا منڈل تمھاری کمیٹی سے رجوع کیے بغیر کوئی اقدام نہ کرے۔ میں اگر کوئی قدم اُٹھاؤں گا

تو تمھاری معرفت، یعنی جب تم مجھ سے رجوع کروگے تب میں اپنی رائے دوں گا جیساکہ مجلسِ عاملہ سے متعلق میں کیا کرتا ہوں۔ کل میں نے گوالیار کے لوگوں سے بھی یہی کہا۔ تمھاری کمیٹی کو اگر صحیح طور پر کام کرنا ہے تو تمھیں اُس کی تھوڑی بہت از سرِ نو تنظیم کرنی پڑے گی۔

بہ ہر صورت میں کشمیر نہیں جا سکا۔ شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقاء اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ میں ریاست کا مہمان ہوں۔ اپنے گزشتہ تجربے پر اعتماد کرکے شیخ عبداللہ کی منظوری کی پیشگی امید میں نے باندھ لی اور اسی امید پر میں نے ریاست کی پیش کش قبول کر لی تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ میں غلطی پر تھا۔ اس لئے میں نے ریاست کی میزبانی قبول کرنے کی تجویز منسوخ کر دی اور شیخ کی میزبانی قبول کر لی۔ ریاست اس سے پریشان ہوگئی۔ اس لئے میں نے سرے سے کشمیر جانا ہی منسوخ کر دیا۔ میں دُہری حماقت کا مرتکب ہوا ——— پہلی حماقت تو مجھ سے یہ ہوئی کہ تمھارے بغیر میں نے کشمیر جانے کا خیال دل میں لانے کی جُرأت کی، دوسری حماقت یہ ہوئی کہ ریاست کی پیش کش قبول کرنے سے پہلے میں نے شیخ عبداللہ سے اجازت نہیں لے لی۔ مجھے اس بات کا اعتراف ضرور کر لینا چاہیے کہ شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقاء سے رابطہ پیدا کرکے میں خوش نہیں ہوا۔ یہ لوگ ہم سب کو نہایت نامعقول دکھائی دیئے۔ خاں صاحب نے اُن سے بحث بھی کی۔ مگر اس بحث و مباحثے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

تمھارا سیلون کا سفر بڑا شاندار ثابت ہوا۔ مجھ کو اس کی فکر نہیں ہے کہ اس کا فوری نتیجہ کیا نکلا۔ صالح طیّب جی مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تمھیں برما بھیجوں اور انڈریوز جنوبی افریقہ کے سلسلے میں تمھارے متعلق سوچ رہے ہیں۔ جہاں تک سیلون کا تعلق ہے کانگریس کا ایک وفد بھیجنے کا خیال مجھے خود بخود آیا گر مؤخرالذکر دونوں جگہوں کا خیال مجھے ترغیب کے بعد بھی نہیں آیا۔ مگر یہ باتیں ملاقات پر اٹھا رکھی جائیں۔ مجھے امید ہے کہ تم تازہ دم ہوگے اور کرشنا مزے میں ہوگی۔

محبت

باپو

۲۷۰۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۱۱؍اگست ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل
میں مجلسِ عاملہ کے ارکان کی موجودگی ہی میں تم سے منصوبہ بندی کمیٹی کے سلسلے میں باتیں کرنے پر کسی قدر مائل تھا (کوئی دوسرا وقت نہ مل سکنے کے سبب سے) شنکرلال تم سے بات چیت کے بعد آج صبح میرے پاس آئے اور اپنے ساتھ اُس خط کی نقل بھی لائے، جو اُنھوں نے اس معاملے میں کرپلانی کو لکھا تھا۔ اُن کے اعتراض پر میں نے اُن سے ہمدردی ظاہر کی۔ میں اِس کمیٹی کی کاوشوں کو نہ کبھی سمجھ سکا اور نہ اُن کی قدر کر سکا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کمیٹی اُس قرارداد کے حدود کے اندر کام کر رہی ہے جس کی رُو سے وہ قائم ہوئی ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے کاموں سے مجلسِ عاملہ کو بھی مطلع رکھا جا رہا ہے یا نہیں۔ میں اِن متعدد ضمنی کمیٹیوں کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ مجھے ایسا نظر آرہا ہے کہ بہت سا روپیہ اور بہت سی محنت ایک ایسی کوشش پر صرف کی جارہی ہے جو کوئی پھل نہ دے گی اور اگر دے گی بھی تو برائے نام۔ یہ میرے شکوک ہیں۔ میں روشنی چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارا دماغ چین کی طرف لگا ہوا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ شاہ تمھارا مافی الضمیر مجھے سمجھا سکیں گے تو میں اُن سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا، یا میں تمھارے اس عظیم الشّان سفر سے واپس آنے تک انتظار کروں گا۔ خدا تمھارا نگران و محافظ رہے اور مادرِ وطن کو تمھیں بہ خیر واپس لائے۔

محبّت
باپو

۲۷۱۔ از ابوالکلام آزاد

کلکتہ ۱۷؍اگست ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل
تمھارے خط کا شکریہ۔ میں پہلے ہی تمھارے الٰہ آباد کے پتے پر یکے بعد

دیگرے ڈو خط تمھیں بھیج چکا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ یہ دونوں خط تمھیں مل گئے ہوں گے ۔

میں نہیں جانتا کہ راجندر بابو نے میرا خط کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا تھا یا نہیں ۔ وہ خود اور ولبھ بھائی اس پر مصر تھے کہ اگر میں کمیٹی کی نشست میں شرکت نہ کر سکوں تو اپنی رائے لکھ کر بھیج دوں ، اسی لئے میں نے اپنی رائے مفصل لکھ کر بھیج دی تھی ۔ میرے خیال میں سبھاش بابو کا انداز غلط تھا اور مجلسِ عاملہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی رائے ظاہر کر دے ۔ مگر میں نے یہ رائے دی تھی کہ اس موقع پر بہت زیادہ سختی نہ دکھائی جائے ۔ میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مجلسِ عاملہ ایک قرارداد ان ہی خطوط پر منظور کرے جن پر تم نے یو۔پی میں ایک قرارداد منظور کی تھی اور باقی امور کو صدر پر چھوڑ دے ۔ صدر اس قرارداد کے بعد ارکانِ مجلس سے خط و کتابت کرے ۔ اگر وہ لوگ مجلس کی قرارداد سے اتفاق کریں تو پھر صدر کوئی مزید کارروائی نہ کرے ۔ لیکن اگر یہ لوگ اس پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر اُن کو اُن کے عہدوں سے صرف علیحدہ کر دیا جائے ، دوسرے سال یہ لوگ اگر انتخاب میں آنا چاہیں تو اُن کی راہ میں کوئی روک نہ لگائی جائے ۔

میں نے تمھیں ٹیلیفون پر باتیں کر لینے کی زحمت اس لئے دی کہ میرا خیال تھا کہ اس معاملے پر جب غور کیا جائے گا تو اس میں تم بھی حصّہ لو گے ۔ مگر اب یہ معلوم ہوا کہ تم بالکل علیحدہ رہے اور تمھاری رائے کے بغیر ہی فیصلہ کر دیا گیا ۔

تمھارا مخلص

اے ۔ کے ۔ آزاد

۲۷۲ ۔ از مادام سن یات سن

انجمن دفاع چین مرکزی کمیٹی ، ہانگ کانگ

۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء

عزیز دوست

یہ چند سطریں آپ کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنے کی غرض سے لکھ رہی

ہوں کہ آپ کے چین تشریف لانے کے موقع پر آپ کو خوش آمدید نہ کہہ سکنے سے مجھے کس قدر گہری مایوسی ہوئی۔ ڈاکٹر مکرجی کی زبانی مجھے ابھی معلوم ہوا کہ چنگ کنگ میں میرا پیغام آپ تک نہیں پہنچ سکا۔ میں بذریعے ہوائی جہاز ایک مختصر سا سفر کر کے آپ سے ملاقات کرنے کا منصوبہ بنا ہی رہی تھی کہ اخبارات میں یہ خبر افسوس کے ساتھ پڑھی کہ آپ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ مستقبل قریب ہی میں ہم پھر ملیں گے اور میں بڑی گرم جوشی اور شوق کے ساتھ اُس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب ہم ایک آزاد اور خود مختار چین میں آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔

میں نے طبی امداد کے کاموں پر نیز اس مسئلے پر کہ آپ کا ملک ہماری مدد کیوں کر کر سکتا ہے ڈاکٹر مکرجی سے ایک طویل گفتگو کی تھی اس لئے کہ جو سامان ہم نے یورپ سے حاصل کیا تھا اُس میں سے بہت سی چیزیں اب حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری یہ گفتگو آپ سے بیان کر دیں گے، نیز میری وہ تجویزیں بھی آپ کے سامنے پیش کر دیں گے جو میں نے انجمنِ دفاعِ چین کی ایک شاخ ہندوستان میں بھی قائم کر دینے کے بارے میں اُن کے سامنے رکھی تھیں۔ موجودہ پیچیدہ صورتِ حال کے سبب ممکن ہے کہ ہمیں اپنا ادارہ کُومین یا کوآئی لن کو منتقل کر دینا پڑے۔ اگر کوئی تبدیلی عمل میں آئی تو میں آپ کو اُس کی اطلاع دے دوں گی۔

میں کوشاں رہا کرتی ہوں کہ جس کام کی سر براہی آپ کر رہے ہیں اُس سے میں اپنے آپ کو باخبر رکھوں، اور انتہائی ہمدردی کے ساتھ آپ کے اُس مقصد کی ترقی کا مطالعہ کرتی رہتی ہوں جو چین کا بھی ہے۔

گرم جوش دُعاؤں کے ساتھ

میں ہوں

آپ کی انتہائی مخلص

سونگ چنگ لِنگ

۲۷۳- از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۱۸ستمبر ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل
یہ ہے میرا وہ خط جو میں نے چیانگ کائی شیک کو لکھا ہے۔ جتنا بڑا خط میں نے اُن کو لکھنا چاہا تھا یہ خط اُس سے زیادہ طویل ہوگیا۔ اصل خط کے ساتھ اُس کی ایک ٹائپ کی ہوئی نقل بھی بھیج دینا اچھا ہوگا۔
مہادیو کل مدراس چلے گئے۔

محبت
باپو

۲۷۴- بنام کرشنا کرپلانی

آنند بھون
الہ آباد، ۲۹ستمبر ۱۹۳۹ء

عزیزی کرشنا
تمھارا خط مورخہ ۲۵ستمبر مجھے ابھی ملا ہے۔ تم اُس شخص کا کچھ زیادہ لحاظ نہیں رکھتے جو بہت ہی مصروف رہتا ہے۔ عام حالات میں، موضوع کی اہمیت کے باوجود، میں تم سے درخواست کرتا کہ اس وقت تم مجھے اس موضوع پر کچھ لکھنے سے معاف کردو۔ مگر جب میں نے وہ خط پڑھا جو پروفیسر ساہا نے تمھیں لکھا ہے تو میں نے اُس میں بہت سی باتیں اتنی غلط پائیں کہ اب میں بالکل خاموش بھی نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ انھوں نے بار بار میرا نام لیا ہے اور میرے بارے میں بہت سے ایسے مختلف بیانات دیئے ہیں کہ جو کچھ میں نے منصوبہ بندی کمیٹی میں کہا تھا اُس سے متعلق لازمی طور پر ایک بالکل غلط اثر پیدا کردیں گے۔
مجھے اندیشہ ہے کہ اس وقت میں اس موضوع پر پوری تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ میں صرف اس امر کی کوشش کروں گا کہ پروفیسر ساہا نیز دوسرے

لوگوں کے دماغ میں اگر کوئی غلط فہمی ہو تو وہ دُور ہو جائے۔

منصوبہ بندی کمیٹی کی نشستوں کے کسی بھی مرحلے پر گاندھی جی کے اصولوں پر اُن کے اصول ہونے کی حیثیت سے کوئی بحث نہیں ہوئی۔ ہم نے کانگریس کے اصولوں پر، جیسے کہ وہ کانگریس کی قراردادوں میں رکھے گئے ہیں، ضرور گفتگو کی تھی اور اس طرح بالواسطہ ہم نے گاندھی جی کے اُن اصولوں کی طرف اشارہ کیا تھا جو گزشتہ بیس برسوں میں کانگریس پر بہت بڑی حد تک اثر انداز ہوئے ہیں۔ میں نے بحث کے کسی مرحلے پر یہ نہیں کہا کہ مجھ کو شری کمار اَپّا یا کسی اور صاحب کے مقابلے میں گاندھی جی کے افکار و آراء کو زیادہ بہتر طور پر جاننے کا دعویٰ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس خاص معاملے میں شری کمار اَپّا کو گاندھی جی کی ترجمانی کرنے کا یقیناً مجھ سے زیادہ حق حاصل ہے۔ دیہی صنعتوں کے کام میں کئی سال تک گاندھی جی سے ان کا بہت قریب کا تعلق رہا ہے اور اس لئے اُن کو دیہی صنعتوں پر نیز چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں سے متعلق گاندھی جی کے افکار پر بولنے کا پورا حق حاصل ہے۔

منصوبہ بندی کمیٹی میں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ یہ ہے کہ کانگریس نے بڑے پیمانے کی صنعتوں کی مخالفت کا اعلان کبھی نہیں کیا اُس نے چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں پر بہت سے مختلف اسباب کی بنا پر بہت زور دیا ہے جن کی کم از کم میں قدر کرتا ہوں۔ شخصی طور پر میں بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی پر ایمان رکھنے والوں میں ہوں۔ پھر بھی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اسباب کی بنا پر میں نے کھادی کی تحریک، نیز وسیع تر دیہی صنعتوں کی تحریک کی تائید کی ہے۔ میرے نزدیک ان دونوں تحریکوں کے درمیان کوئی لازمی تضاد نہیں ہے اگرچہ بعض بعض موقعوں پر دونوں کے بعض بعض پہلوؤں یا ترقیوں کے درمیان ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں میں کسی بڑی حد تک گاندھی جی کے زاویۂ نظر کی نمائندگی نہیں کرتا مگر اب تک عملاً ان دونوں زاویہ ہائے نظر میں کوئی نمایاں ٹکراؤ نہیں رہا ہے۔

مجھ کو یہ بات صریحی اور صاف معلوم ہوتی ہے کہ بعض کلیدی اور اہم

صنعتوں، دفاعی صنعتوں اور عام فائدے کی چیزوں کا بڑے پیمانے پر ہونا ازبس ضروری ہے۔ کچھ دوسری ایسی صنعتیں بھی ہیں جو بڑے پیمانے پر بھی ہو سکتی ہیں۔ مؤخر الذکر صنعتوں کی نسبت اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ اس اختلاف رائے کے پسِ پُشت نظریے اور فلسفے کا اختلاف ہے اور مسٹر کمار آپا نے جیسا کہ میں نے اُن کو سمجھا ہے، اسی نظریے کے اختلاف پر زور دیا ہے۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ عہدِ حاضر کے بڑے پیمانے کے سرمایہ دارانہ نظام نے تقسیم کے مسئلے کو نظر انداز کر دیا ہے اور وہ تشدّد پر مبنی ہے۔ اس سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ اُن کا پیش کردہ حل یہ تھا کہ گھریلو صنعتوں کے ارتقا کے ساتھ تقسیم نسبتاً بہت معقول اور منصفانہ ہو جاتی ہے اور تشدّد کا عنصر بہت کم ہو جاتا ہے۔ مجھے اس سے بھی اتفاق ہے مگر وہ کچھ بہت دُور رَس بات نہیں۔ تشدّد اور محدودِ اجارہ داری اور دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانا نتیجہ ہے موجودہ اقتصادی نظام کا۔ بڑے پیمانے کی صنعت کسی بے انصافی اور تشدّد کا سبب نہیں ہوا کرتی بلکہ پرائیویٹ سرمایہ داروں اور پونجی لگانے والوں کے ہاتھوں بڑے پیمانے کی صنعت کے غلط استعمال سے یہ بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بڑی بڑی مشینیں انسانی قوت میں تعمیر و تخریب، اور نیکی و بدی دونوں کے لئے قیامت کا اضافہ کر دیا کرتی ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کو بدل کر بڑی مشینوں کے بُرے استعمال اور اس کے تشدّد کو ختم کر دینا ممکن ہے۔ مقابلے سے پیدا ہونے والے تشدّد کی ہمت افزائی کرنے والی لازمی طور پر نجی یا پرائیویٹ ملکیت اور معاشرے کی اکتسابی شکل ہے۔ ایک اشتراکی معاشرے میں یہ بُرائی تو ختم ہو جانی چاہیئے مگر اس کے ساتھ وہ بھلائی ہمارے لئے باقی رہ جانی چاہیئے جو بڑی مشینیں اپنے ساتھ لاتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ صحیح ہے کہ بڑی صنعت اور بڑی مشین اپنے اندر کچھ ایسے خطرے رکھتی ہے جو اس کی سرشت و طبیعت میں داخل ہیں۔ قوتِ اقتدار کے کسی ایک جگہ مرتکز کر دینے کا ایک رجحان پایا جاتا ہے اور میں

قطعی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس کو کلیتہً ختم کر دیا جا سکتا ہے۔ مگر میں تصوّر نہیں کر سکتا کہ دُنیا یا کوئی بھی ترقی پسند مُلک بڑی مشینوں سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ اگر یہ ممکن بھی ہو تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ پیداوار بہت کم ہو جائے گی اور اس کمی سے معیارِ زندگی بھی بہت گھٹ جائے گا۔ کوئی مُلک اگر صنعتی ہونے سے گریز کرے گا تو اُس کا یہ گریز، اقتصادی پہلو نیز دوسرے پہلوؤں سے اُس کو بالآخر شکار اُن مُلکوں کا بن جانے پر مجبور کر دے گا جو زیادہ صنعتی ہیں اور پھر یہ صنعتی ملک اُس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ظاہر ہے کہ گھریلو صنعتوں کو بڑے اور وسیع پیمانے پر ترقی دینے کے لئے سیاسی اور اقتصادی قوت واقتدار لازمی ہے۔ یہ امر قرینِ قیاس نہیں کہ ایک ایسا ملک جو کُلیتہً گھریلو صنعتوں سے وابستہ رہے گا وہ یہ سیاسی یا اقتصادی قوت واقتدار کبھی بہم پہنچا سکے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ گھریلو صنعتوں کو بھی وہ جیسی ترقی دینا چاہتا ہے نہ دے پائے گا۔

اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ بڑی مشینوں کے استعمال اور ان کی ترقّی کی ہمّت افزائی کر کے ہندوستان کو ایک صنعتی ملک بنا دینا ناگزیر بھی ہے اور مرغوب و پسندیدہ بھی۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ اس طریقے پر مُلک کو خواہ کتنا ہی بڑا صنعتی ملک بنا دیا جائے، گھریلو صنعتوں کو ایک بڑے پیمانے پر ترقی دینے کی ضرورت ہندوستان میں پھر بھی باقی رہے گی اور یہ بھی بہ طور معاون صنعتوں کے نہیں بلکہ مستقل اور آزاد صنعتوں کی حیثیت سے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اگلی ایک یا دو نسلوں میں سائنس کیا کچھ کر دکھائے گی مگر جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے ہندوستان میں گھریلو صنعتوں کی ضرورت بھی بڑے پیمانے کی صنعتوں کے ساتھ ساتھ باقی رہے گی جن کی ہر طریقے پر ہمّت افزائی کی جانی چاہیئے۔ اس لئے ان دونوں قسم کی صنعتوں کے درمیان ربط و ترتیب کا مسئلہ آجاتا ہے۔ یہ حکومت کی طرف سے منصوبہ بندی کا سوال ہے۔ اس سوال کو کامیابی کے ساتھ اور اطمینان بخش طور پر موجودہ نراجی سرمایہ دارانہ نظام کے ماتحت

حل نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ اس موضوع پر اختصار کے ساتھ اپنے افکار بیان کر دوں۔ میں کسی دوسرے کے افکار کی شرح کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ میں گھریلو صنعتوں کے حامیوں کے ساتھ پورے طور پر تعاون کر سکتا ہوں خواہ میں اُن کا اساسی نظریہ قبول نہ کر سکوں۔

بدقسمتی سے اس وقت ہم کسی اشتراکی ریاست یا حکومت سے بحث نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک عبوری مرحلے سے گزر رہے ہیں جب کہ سرمایہ دارانہ نظام ٹوٹ رہا ہے۔ یہ حالت بے شمار دُشواریاں پیدا کر رہی ہے۔ بہر صورت اتنی بات صاف ہے کہ جن اصولوں پر ہمیں آج بھی کاربند رہنا چاہیئے وہ وہی ہیں جو کانگریس نے مقرر کیئے ہیں یعنی تمام کلیدی صنعتیں، فوج، رسل و رسائل اور نقل و حمل وغیرہ کے تمام شعبے حکومت کے تحت ہونے چاہئیں۔ اگر لفظ "کلیدی صنعتوں" میں تمام اہم اور ضروری صنعتیں شامل سمجھ لی جائیں تو پھر ہم اپنے ملک کو ایک اشتراکی ملک بنا دینے کے بہت سے مرحلے طے کر لیتے ہیں۔ میں اپنی پالیسی پر ایک ضمنی منطقی نتیجے کا اضافہ اور کروں گا اور وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں پرائیویٹ اور نجی ملکیت کی کسی بڑے پیمانے کی صنعت اور گھریلو صنعت کے درمیان کوئی کشاکش یا نزاع پیدا ہو جائے وہاں اس بڑے پیمانے کی صنعت کو حکومت اپنی مِلک یا اپنے انتظام میں لے لے۔ حکومت کو اُس وقت یہ اختیار اور یہ آزادی حاصل ہوگی کہ جو پالیسی وہ طے کرے اُسے اختیار کرے اور اس طرح وہ دونوں صنعتوں کے درمیان ربط و ترتیب قائم کر سکتی ہے۔

گزشتہ بیس برسوں میں کانگریس کی پالیسیوں کے ایک خاصے معقول تجربے کی بِنا پر میں یقین و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ پالیسیاں اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے ہندوستان کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ کانگریس یہ فرض کر کے آگے بڑھتی رہی کہ بڑے پیمانے کی صنعتیں خود ہی اتنی مستحکم اور قوی ہیں کہ وہ اپنی دیکھ بھال

آپ کر سکتی ہیں، لہٰذا زیادہ توجہ گھریلو صنعتوں پر دی جانی چاہیئے۔ ضروری ہے کہ اس بات پر مناسب سیاق وسباق میں غور کیا جائے۔ ہماری تنظیم ایک غیر سرکاری تنظیم تھی اور حکومت کا اقتصادی ڈھانچہ کُلیتہً ہمارے اختیار و اقتدار سے باہر تھا۔ ان حالات میں بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ہمّت افزائی کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ پرائیویٹ یا نجی مستقل مفادات کی، جن میں سے اکثر غیر ملکی مفاد ہیں، ہمّت افزائی کی جارہی ہے۔ ہمارا مُدّعا صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ ہندوستان کی ضائع جانے والی انسانی قوت اور ہندوستانیوں کی ایک بڑی تعداد کے رائگاں جانے والے وقت کو کام میں لاکر پیداوار بڑھادی جائے بلکہ ہم ہندوستان کے عوام میں خود اعتمادی کا جذبہ بھی پیدا کردینا چاہتے تھے۔ اس مقصد میں کانگریس نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔

اس موضوع پر ایک خالص نظری معاملے کی حیثیت سے غور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کو اُن حالات اور واقعات سے ربط دے کر غور کرنا پڑے گا جو ملک میں واقعی پائے جاتے ہیں۔ ہم انسانی عناصر کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس وقت چین میں گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے کی طرف کوئی خاص میلان نہیں پایا جاتا۔ مگر حالات نے چینیوں کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اپنے یہاں کی دیہی صنعتوں اور انجمن ہائے امداد باہمی کو غیر معمولی تیزی کے ساتھ فروغ دیں۔ ہماری دیہی صنعتوں کی تحریک سے چین میں بہت ہی گہری دل چسپی کی جارہی تھی اور مجھ سے چین کے لئے دیہی صنعتوں کے کچھ ماہرین مانگے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ چین کے ماہرین ہمارے دیہی صنعتوں کے طریقوں کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ہندوستان آئیں۔

پروفیسر ساہا کہتے ہیں کہ گھریلو صنعتوں کا انحصار قدیم فنّی طریقوں پر نہ رہنا چاہیئے۔ یہ تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ تازہ ترین سائنسی طریقوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے مگر ان طریقوں سے فائدہ اُٹھانے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارے دیہی باشندوں کے لئے ممکن العمل اور سہل الحصول کون سے

طریقے ہیں۔ اگر کوئی چیز ہمارے دیہی باشندوں کی دسترس سے باہر ہے تو پھر یہ کوئی علمی تجویز نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر ہمارے دیہاتوں میں (بجلی کی) قوت بہت ارزاں اور آسانی کے ساتھ دستیاب ہو سکے تو اُس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر جدید ترین طرز کی دیہی مشینیں بہت گراں ہوئیں یا آسانی کے ساتھ دیہاتوں میں اُن کی مرمّت نہ ہو سکی تو پھر موجودہ حالات میں ایسی مشینیں ہمارے دیہی باشندوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہ ہوں گی۔ ایک سادہ سی مشین بھی جو قدیم طریقوں پر بنی ہو، جیسے ایک معمولی چرخہ، کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہ اُس سے دیہات والوں کے فاضل یا رائےگاں جانے والے وقت میں کام لیا جاتا ہے۔ ان دیہات والوں کو اگر آپ اس سے بہتر مشینیں دے سکتے ہوں تو ضرور دیں۔

جاپان کی جو مثال پروفیسر ساہا دیتے ہیں وہ کوئی بہت اچھی اور برمحل مثال نہیں ہے۔ وہاں لامرکزی صنعتوں کے مقابلے میں یہ حالت کہاں تک قابلِ ترجیح ہے یہ ایک مشکوک سی بات ہے۔

غالباً پروفیسر ساہا کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان میں کچھ لوگ اس امر کا احساس نہیں رکھتے کہ کلیدی صنعتوں پر قبضہ و اقتدار غیر مُلکی فائدہ اُٹھانے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ ہمارے راہ نماؤں کو اس طرح موردِ الزام ٹھیراتے ہیں جیسے یہ حالت اِن لوگوں کی رضامندی سے ظہور میں آئی ہے۔ یہ واقعی ایک غیر معمولی بات ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر ساہا اُن حوادث سے آشنا نہیں ہیں جو ہندوستان میں ہوتے رہے ہیں۔ سوال چھوٹی صنعت یا بڑی صنعت کا نہیں ہے۔ ہماری صنعت میں غیر مُلکیوں کے مستقل مفادات کے فروغ و استحکام پر ہر ہندوستانی کو افسوس ہے اور ان مفادات کی روک تھام کے لئے برابر کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ پروفیسر ساہا کا یہ الزام بھی سرتاسر بے خبری پر مبنی ہے کہ کانگریسی وزراء بڑے بڑے صنعت کاروں کے ہاتھوں میں جن میں اکثر غیر ملکی ہیں، صرف کھلونے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے وزراء بہت سے مختلف طریقوں پر

حالات کے ہاتھوں کے کھلونے ہیں اور جس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں نہیں کرسکتے۔ کوئی سی حکومت بھی ہو اس زمانے میں وہ سرمایہ دارانہ اقتصادی ڈھانچے میں جکڑی ہوئی ہے۔ مگر یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ ہمارے راہ نما اُسی جُرم کا ارتکاب کر رہے ہیں جو مغل شاہنشاہوں کا تھا اور بیرونی تجارت کو یورپی قسمت آزماؤں کے ہاتھوں میں چلی جانے دے رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کہنے والا ہندوستان کے عہدِ حاضر کی تاریخ کے تمام سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حوادث کی قدر شناسی سے بے بہرہ ہے۔

یہ بڑا وسیع موضوع ہے اور میں نے اُس کے دو ایک پہلوؤں پر، جیسے کہ وہ میری نظر میں تھے، صرف ایک سرسری سی بحث کردی ہے۔ یہ موضوع بحث و نظر اور پورے غور و خوض کے لائق ہے مگر یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ پروفیسر ساہا کا خط ایک ایسی اسپرٹ میں لکھا گیا ہے جو بے لاگ منصفانہ اور سائنٹیفک ہونے سے بہت دور ہے۔

تمہارا مخلص

جواہر لعل نہرو

شری کرشنا کرپلانی

شانتی نکیتن، بنگال

۲۷۵۔ از سر اسٹفرڈ کرپس

دارالعوام

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز نہرو

میں آپ کو خط لکھنے کے لئے اُس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب آپ کی طرف سے معاملات کچھ زیادہ قطعی صورت اختیار کرلیں۔ میں یہاں جو کچھ کرسکتا تھا اُس کی انجام دہی میں مصروف رہا۔ میں نے زِٹ لینڈ سے ملاقات کی اور کوشش کی کہ صورتِ حال کی اہمیت اُن کو اچھی طرح سمجھا دوں۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ تجویزیں بھی اُن خطوط پر اُن کے سامنے رکھیں جن کے متعلق

مجھے کرشنا سے اب معلوم ہوا کہ آپ نے اُن کو پسند کیا ہے۔ اِن تجویزوں کو انھوں نے بحری تار کے ذریعے وائسرائے کے پاس بھیج دینے پر آمادگی ظاہر کی اور مجھے امید ہے کہ انھوں نے یہ تجویزیں بھیج دیں۔ مگر یہ واقعہ وائسرائے سے آپ کی پہلی ملاقات سے ایک دن پہلے کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کانگریس کے اس اقدام کی نشر و اشاعت میں ہم لوگ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ دوسرے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ اقدام حیرت انگیز طور پر اچھا رہا۔ مگر فطری طور پر کوئی یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ رائے عامہ پر کوئی بڑا شدید دباؤ ڈال دے گا۔ میں نے اپنی متعدد یادداشتوں میں جو میں نے عام بین الاقوامی اور جنگ کی صورتِ حال پر وزرائے کابینہ کے سامنے پیش کی ہیں اُن میں میں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر، جمہوریت اور آزادی، کے دلائل بھی داخل کر دیئے ہیں جن کی توضیح ہندوستان سے متعلق ہمارے اندازِ فکر سے ہوتی ہے، اس بنا پر مجھے یقین ہے کہ کابینہ نتائج سے پورے طور پر باخبر ہے اگرچہ مجھے اس امر کا کچھ زیادہ یقین نہیں ہے کہ یہ لوگ اس حقیقی صورتِ حال سے جو پیدا ہو رہی ہے اب چوکنے اور ہوشیار ہیں۔ مزدور پارٹی —— جس کا آپ جانتے ہیں کہ میں اب ممبر نہیں رہا —— ایک بہت عمدہ اور سازگار انداز اختیار کر رہی ہے اور حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ چند ہی روز میں ہم معاملے کو بحث کے لئے دارالعوام میں لے آئیں گے اس لئے کہ یہ اس معاملے کی مزید اشاعت کا ذریعہ ہوگا۔

بہرحال، ان تمام باتوں کے باوجود میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اس موجودہ حکومت سے، ایک بے معنی سا اشارہ کر دینے سے زیادہ کی توقع رکھنا ایک ایسے امر کی توقع رکھنا ہے جو غالباً اس کی بساط سے بہت زیادہ ہے۔ ونسٹن چرچل کے اضافے سے آزادیٔ ہند سے ہمدردی رکھنے والوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے اگرچہ اتنا ضرور ہے کہ جس واقعیت پسندانہ نظر سے وہ معاملات کو دیکھا کرتے ہیں وہ سودمند ہوگی۔ اس واقعیت پسندانہ اندازِ فکر نے روسی معاملات پر رائے قائم کرنے میں اُن کو دوسرے لوگوں سے ممتاز

کر دیا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کو اور کانگریس کو متنبّہ کرنا غیر ضروری ہے کہ آپ لوگ کسی ایسے عملی اقدام سے کم کوئی چیز قبول نہ کریں جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت کر دے کہ لفظوں کے پیچھے یقین و اعتماد بھی ہے۔ میں بالکل مطمئن ہوں کہ برطانویوں اور ہندوستانیوں دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ اب کانگریس اپنے مطالبات پر ایک چٹان کے استحکام کے ساتھ اڑی رہے۔ فطری طور پر میں اُن جزوی تفصیلات کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں جن پر، میں جانتا ہوں، آپ سمجھوتا کر لینے پر قطعاً آمادہ ہیں بشرطیکہ آزادی اور جمہوریت کا حق عملاً تسلیم کر لیا اور دے دیا جائے۔ جب تک کہ اس وقت کوئی ایسا اٹل موقف اختیار نہ کر لیا جائے گا کسی ایسے تصفیے کی کوئی امید نہ رہے گی جو ہم دونوں قوموں کو متحد کر دے اور میں ڈرتا ہوں ——— یقیناً اُتنا ہی جتنا آپ ڈرتے ہیں ——— کہ ہندوستان میں کہیں از سرِ نو جبر و تشدد کا کوئی طوفان برپا نہ ہو جائے۔

چند کلمے مجھ کو اُس صورتِ حال پر بھی عرض کرنے دیجئے، جو یورپ میں دکھائی دے رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ٹری بیون میں میرے مقالے آپ نے ضرور دیکھے ہوں گے۔ ان مقالوں سے آپ پر یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ میرا دماغ کس انداز پر کام کر رہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ آپ کو یہ بھی یاد رکھنا پڑے گا کہ پس منظر میں محکمۂ احتساب (سنسر شپ) بھی منڈلاتا رہتا ہے۔ اب تک جو کچھ میں نے لکھا ہے اس میں اس محکمے نے کچھ زیادہ کاٹ چھانٹ نہیں کی ہے اور اگر کہیں کی بھی ہے تو کسی اہم سمت میں نہیں کی ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ بعض معاملات پر اظہارِ فکر و رائے میں آج کوئی اُتنا آزاد نہیں ہے جتنا کہ وہ ہو سکتا تھا۔ فی الحقیقت جب تک کہ میں جنگ کا حامی و مؤیّد ہوں مجھے ایسی باتیں کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے، جن کو جرمن لاسلکی اس ملک کے خلاف نقل کر سکے!!

یہ بالکل روشن اور صاف ہے کہ جرمنی اور روس میں سیاست کو جو

نیا رُخ دیا گیا ہے اُس کے ساتھ صورتِ حال میں ایک تبدیلی آگئی ہے۔ فرانسیسی حکومت کا اپنے یہاں کی ایک سب سے بڑی سیاسی جماعت کو بہ جبر دبا دینا، اٹلی سے از سرِ نو دوستانہ تعلقات کا آغاز کرنا اور ہندوستان اور نوآبادیاتی مسائل سے متعلق ہماری حکومت کا اندازِ فکر، یہ تمام باتیں، جیساکہ دالادیر نے کل کہا، ظاہر کرتی ہیں کہ یہ جنگ آئیڈیالوجی یا افکار و تصوّرات کی کوئی جنگ نہیں ہے۔ یہ اعتراف مجھے ایک غم ناک اور مہلک اعتراف نظر آیا۔ کچھ لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جمہوریت اور آزادی کے مطامحِ نظر کے لئے لڑ رہے ہیں، مگر اب یہ بات صاف ہوکر سامنے آگئی ہے کہ یہ سمجھنا یا کہنا ـــــ جیساکہ پچھلے موقعوں پر ہو چکا ہے ـــــ شہنشاہیت کا صرف ایک بہانہ ہے، جو اپنی بقا کے لئے برسرِ پیکار ہے۔ یہ زندگی اور موت کی لڑائی ہے اور بڑی ہیبت ناک ہو گی خصوصاً اگر جرمنی کے ساتھ روس کو بھی ہم نے اپنے خلاف صف آرا پایا ـــــ جو کسی طرح ناممکن نہیں ہے۔ یہ حالت اس امر کو یقیناً اور بھی زیادہ اہم بنا دیتی ہے کہ ہم اپنے تعلقات ہندوستان کے ساتھ درست کر لینے کی غرض سے جو کچھ بھی ہمارے امکان میں ہو کر گزریں۔ برطانوی حکومت جنگ کے مقاصد سے متعلق اب تک جس قسم کے بیانات دیتی رہی ہے اگر اُن کے مقابلے میں بہت زیادہ صریح، متعین اور صاف اعلانات نہیں کر دیتی اور اگر یہ مُبیّنہ مقاصد خالی خولی فقروں کو جواب تک دُہرائے جاتے رہے ہیں حقیقت اور واقعیت کا لباس نہیں دے دیتے تو اس ملک میں ایک بہت وسیع اور گہرا اختلافِ رائے رُونما ہو جائے گا۔ اس کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں اور اگر اس اختلافِ رائے کو دبانے کی کوشش کی گئی تو وہ اس اختلاف کو مٹا دینے یا ہلکا کر دینے کے بجائے شدید تر کر دینے کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ نہ پیدا کرے گی۔

بدقسمتی سے گزشتہ چند برسوں میں سیاست کی جو رفتار رہی ہے اُس نے بہ طورِ نتیجہ اس حکومت کو استحکام اور پائیداری دے دی ہے اور اس وقت کسی تبدیلی کی کوئی امید نہیں ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ اس قسم کی کوئی تبدیلی

ہی مقاصدِ مطلوبہ کی تکمیل کر سکتی ہے۔

موجودہ، حد سے زیادہ تیرہ و تار، فضا کی تنہا مگر روشن خصوصیت یہ ہے کہ عوامی طبقے جن میں بعض نہایت ہی سخت اور کٹر قسم کے ٹوری یا قدامت پسند بھی پائے جاتے ہیں محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہمارا قدیم تمدّن اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا ہے اور یہ لوگ اب آمادہ ہیں کہ ایک جدید تمدّن کی تعمیر میں حصّہ لیں جس میں مستقل مفادات کو یہ اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ ترقّی یا تعمیر کی راہ میں حائل ہوں —— خواہ وہ خود اُن کے ہی مفادات کیوں نہ ہوں۔ یہ ایک بہت ہی نمایاں اور قطعی ارتقاء ہے اور ایسے لوگ یہ جاننے کے لئے سخت بے چین ہیں کہ ہم کس مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اگر جنگ موجودہ مُبہَّمہ مقاصد ہی کی بنیاد پر جاری رہتی ہے تو یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ فساد یہاں بھی رونما ہو جائے گا اور ہندوستان میں بھی۔ میں حکومت کو اس امر کا اطمینان دلانے کی انتہائی کوشش کرتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایک حد تک کابینہ کے حلقوں میں بے داری بھی پیدا ہو گئی ہے۔ مصیبت یہ ہے، جیسا کہ ہمیشہ ہی ہوا کرتا ہے، کہ یہ بے داری غالباً اتنی دیر میں پیدا ہو گی کہ صورتِ حال کا سدھارنا خارج از امکان ہو گا۔ اسی سبب سے منجملہ دوسرے اسباب کے مجھے امید ہے کہ کانگریس اپنے اعلانات پر ایک چٹان کی طرح اڑی رہے گی۔ اس سے بھی ہم لوگوں کو حکومت کو یہ محسوس کرا دینے میں مدد ملے گی کہ وہ اب عام اور مبہم اعلانات پر اعتماد نہیں کر سکتی، اُسے کوئی عملی قدم ضرور اٹھانا پڑے گا۔

میری تمام بہترین تمنائیں آپ کے لئے اور کانگریس کے لئے۔ کاش ہم کوئی مفصّل اور طویل گفتگو کر سکتے!

آپ کا

اسٹفرڈ کرپس

۲۷۶۔ از راجر بالڈوِن

نیویارک سٹی
۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

عزیز جواہر لعل

آپ کی کتاب تاریخِ عالم کی جھلکیوں کے انگریزی ایڈیشن کا ایک نسخہ پاکر میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ جس طرح تصنیفی نقطۂ نظر سے یہ کتاب ایک شاہکار ہے اُسی طرح فاضلانہ بحث وتحیص اور طرزِ ادا کی دل آویزی کے اعتبار سے بھی یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔

مجھے تو یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ جیل خانے کی تنہائیوں میں آپ مواد کا اتنا بڑا ذخیرہ کیوں کر جمع کر پائے اور پھر اُس کی اس کامیابی کے ساتھ کیوں کر چھان بین کر سکے۔ مجھے تو کسی اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈالتے ڈر لگے گا۔ ـــــ مجھے تو یہ عمر بھر کے لئے ایک مہم سی نظر آئے گی! ممالک متحدہ امریکہ پر جو تبصرے آپ نے کئے ہیں وہ میں نے بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھے، اور میں اُن سب سے متفق ہوں، اسی دل چسپی کے ساتھ میں نے آپ کی تالیف کا وہ نفیس باب بھی پڑھا جو ایک سال بیشتر آپ نے "کراڑے پر کھڑی لرزتی دنیا" پر سپردِ قلم فرمایا ہے۔

اب کہ دنیا اس کراڑے پر آگئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب تاریخ کے سب سے زیادہ برباد کر دینے والے تغیّرات کی لپیٹ میں آگئے ہیں ـــــ ان تمام خطروں کے ساتھ کہ ہم کوئی عالمی وفاق بناکر اور تخفیفِ اسلحہ کو پائدار صلح وامن کی شرطیں مان کر اس نازک حالت سے باہر نہ آئیں بلکہ نئی مستبد اور مطلق العنان حکومتیں اپنے آپ پر مسلّط کرالیں۔ طبعاً میں رجائی اور امید پرست واقع ہوا ہوں مگر اس وقت دن بڑے کٹھن گزر رہے ہیں۔ اخبارات سے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں بھی ایسے ہی سخت دن گزر رہے ہیں۔ آپ کی کانگریس کی مباحثے اور مختلف اختلافات کی روداد نیز آپ کی اپنی ممتاز سرگرمیوں کی خبریں بھی خاصی تفصیل کے ساتھ اخباروں

میں آرہی ہیں۔

گرم جوشں احترامات اور قدر شناسیوں کے ساتھ

ہمیشہ آپ کا دوست

روجر بالڈون

۲۷۷۔ از رگھونندن سرن

دہلی

۱۴ اکتوبر ۱۹۳۹ء

پرائیویٹ اور بصیغۂ راز

میرے عزیز پنڈت جی

دہلی سے آپ کے تشریف لے جانے کے چند دنوں بعد نواب زادہ نے مجھے ٹیلیفون کیا اور بلایا۔ چنانچہ میں اُن سے ملا۔ اگرچہ ہم دونوں نے کسی خاص مسئلے پر گفتگو نہیں کی تاہم اُن کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مسٹر جناح سے آپ کی گفت و شنید آگے بڑھے گی یا نہیں۔ اسی طرح اُن کی باتوں سے یہ بھی روشن تھا کہ وہ ہندو مسلم سوال کے تصفیے کے مخلصانہ آرزو مند ہیں۔

کچھ ہی دنوں بعد سبھاشں دہلی آئے۔ دہلی پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے مجھے ٹیلیفون پر بلایا اور مجھ سے فوراً ہی ملنے کی خواہش کی۔ میں اُسی وقت اُن کے پاس پہنچا اور آپ کی ملاقات کا حال اُن سے مختصر سے مختصر طریقے پر بیان کر دیا۔ وہ ان غلط تاثرات کا شکار نظر آئے کہ روزنامۂ اسٹیٹسمین میں خبروں کے ضمن میں جو روداد شائع ہوئی ہے وہ کسی کے ایما یا اشارے پر شائع ہوئی ہے۔ میں نے اُن کو بتایا کہ ایسا نہیں ہوا۔ وائسرائے سے ملنے سے پہلے وہ جناح سے نہیں مل سکے۔ جناح سے ملنے کا اُن کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ یہاں میں اتنا اور عرض کر دوں کہ جناح یہ چاہتے تھے کہ سبھاشں وائسرائے کی کوٹھی پر جانے سے پہلے، اُن سے مل لیں۔ اس لئے یہ دونوں آدمی سہ پہر میں ملے۔ شب میں لالہ

شنکر لعل نے مجھ سے کہا کہ ہائی کمان پر مکمل اعتماد کی کمی تصفیے کی راہ میں حائل رہی۔ اگر معاملات کلیتہً سبھاش کے حوالے کر دیئے جا سکتے تو کسی معاہدے تک پہنچ جانے میں مطلقاً کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ اس بات کا باور کر لینا میں نے کسی قدر دشوار پایا۔ اس لئے میں دوسرے ہی دن صبح کو سبھاش سے ملا۔ انھوں نے مجھ سے کم و بیش وہی باتیں دُہرا دیں جو شبِ گزشتہ لالہ شنکر لعل نے مجھ سے کہی تھیں۔ اس پر میں نے سبھاش سے پوچھا کہ کیا جناح تم پر بھی اتنی ہی کمال بے اعتمادی رکھتے ہیں جتنی تمہارے رفقائے کار پر رکھتے ہیں؟ اس سوال سے کسی قدر پریشان ہو کر سبھاش نے کہا کہ اگر تم اپنے رفقائے کار کو پہلے صرف اس بات پر آمادہ کر سکو کہ مسٹر جناح سے شخصی گفت و شنید کے بعد جس تصفیے تک میں پہنچوں گا اُسے تمہارے رفقاء مان لیں گے تب البتہ مسٹر جناح سے مزید گفت و شنید میں مفید طریقے پر جاری رکھ سکتا ہوں۔ اُنھوں نے مسٹر جناح کو غرورِ بے جا کا پُتلا بتایا اور کہا کہ اُن سے کامیابی کے ساتھ نمٹنا تنہا وہی جانتے ہیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ اگر پنڈت جی معاملات پر مزید گفت و شنید کے لئے مسٹر جناح سے ملیں تو کیا آپ کی خدمات اُن کو حاصل ہوں گی؟ سبھاش نے کہا کہ کانگریس میں کوئی خاص حیثیت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اس گفت و شنید میں بہتر طریقے پر حصہ نہیں لے سکتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ فی الحقیقت یہ کوئی رُکاوٹ ہے ہی نہیں۔ بہر حال انھوں نے شام کو مجھے پھر اس وقت آنے کو کہا جب کہ وہ مسٹر جناح سے مل کر واپس آ چکے ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن کے حکم کی تعمیل کی۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ مسٹر جناح یقیناً خوشی کے ساتھ آپ سے ملیں گے اور معاملۂ زیرِ غور پر آپ سے مزید گفتگو بھی کریں گے بشرطیکہ مجلسِ عاملہ باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر یہ خدمت آپ کے سپرد کرے کہ آپ اُس کی طرف سے مسٹر جناح سے مل کر باتیں کریں۔

صاف صاف عرض کروں تو سبھاش نے جو کچھ بھی مجھ سے کہا میں نے باور نہیں کیا۔ اور میرے پاس اس کی ایک بہت معقول وجہ ہے۔ ہمارے بعض

مشترک دوستوں نے مجھ سے کہا کہ مسٹر جناح نے آپ کی ملاقات سے اچھا اثر لیا اور اُن کو توقع تھی کہ گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس بات کی توثیق کی غرض سے میں نواب زادہ سے ایک بار پھر ملا۔ انھوں نے بڑی دل سوزی کے ساتھ گفتگو شروع کی اور کہا کہ اگر ہمارے راہ نما اس عظیم الشان موقع کے شایانِ شان بلند ہمتی سے کام لے گئے تو ہم اس سے کامیابی کے ساتھ فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی حاصل کرلیں گے۔ فرقہ وارانہ اختلافات بہر صورت ناقابلِ تسخیر نہیں ہیں۔ میں نے اُن کو یقین دلایا کہ اُن کے احساسات میں میں بالکل اُن کا شریک اور ہم نوا ہوں اور ایک مجھی پر موقوف نہیں، تمام صحیح الخیال اشخاص اُن کے ساتھ ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہوئی کہ جو گفت وشنید آپ کے اور مسٹر جناح کے درمیان اتنی خوش گوار فضا میں شروع ہوئی تھی وہ اپنی منطقی انتہا تک جاری نہ رکھی جا سکی؟ نواب زادہ نے کسی قدر حیرت ظاہر کی اور کہا کہ جب مسٹر جناح نے اُن تمام بنیادی مسائل پر جو دائرۂ بحث میں آتے ہیں اپنے افکار و آراء سے آپ کو پورے طور پر آگاہ کر دیا تھا تو اب دوسرا قدم آپ کی طرف سے اٹھنا چاہیئے تھا۔ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آیا اُن کی (مسٹر جناح کی) قرار دادہ بنیاد آپ کے لیئے قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ نواب زادہ نے اتنا اور کہا کہ جہاں تک مسٹر جناح کا تعلق ہے اُن کے مزاج کی کیفیت اس وقت بہت سنجیدہ، متین اور دوستانہ ہے اور جہاں تک ان کے امکان میں ہوگا وہ بحث و نزاع سے بچیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس گفت وشنید کے لیئے مسٹر جناح کے نزدیک آپ اور لوگوں کے مقابلے میں زیادہ اہل اور اُن کے لیئے یقیناً نہایت خوش آیند ہیں۔ نواب زادہ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس وقت جو پروگرام ہے اُس کے مطابق مسٹر جناح دہلی میں ابھی کچھ دن اور قیام کریں گے۔ اگر اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے تو اُسے حکومت کے کسی اعلان سے پہلے کر ڈالنا چاہیئے۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ مسٹر جناح سے آپ کی گفت وشنید کوئی مفید نتیجہ پیدا کرے گی تو ازراہِ کرم آپ مجھے مطلع فرمائیں۔ میں آپ کی ہدایت کے

مطابق عمل کروں گا۔

شاید یہ خبر آپ دل چسپی کے ساتھ سُنیں کہ سبھاش بابو مفتی کفایت اللہ اور جمعیۃ العلماء کے دوسرے رہنماؤں سے ملے تھے۔ وہ ان لوگوں سے اس امر کی یقین دہانی چاہتے تھے کہ یہ لوگ فارورڈ بلاک کی تائید کریں گے۔ انھوں نے اس امر کا بڑی صفائی کے ساتھ اعلان کیا کہ کانگریس آگے چل کر خواہ کچھ ہی فیصلہ کرے فارورڈ بلاک عزمِ مصمم کر چکا ہے کہ وہ حکومت سے نبرد آزما ہوگا۔ وہ برطانوی حکومت کے ساتھ کسی مفاہمت میں شریک نہ ہوگا۔ مفتی صاحب نے اُن کو اُس وقت تک صبر و سکون کے ساتھ انتظار کرنے کا مشورہ دیا جب تک کہ کانگریس کوئی فیصلہ نہ کرلے، عجلت میں کچھ کرنا بے سود ہوگا۔ تمام قومی تنظیموں کا متحد و متفق ہوکر کوئی اقدام کرنا پسندیدہ ہوگا۔ سبھاش بابو کسی قدر مایوس واپس آئے۔

یقین ہے یہ خط آپ کو بہتر ین صحت سے لطف اندوز پائے گا۔

پُر محبّت احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص

نندن

۲۷۸۔ از رگھو نندن سرن

دہلی

۱۷؍اکتوبر ۱۹۳۹ء

میرے محترم پنڈت جی

آپ کا محبّت نامہ پاتے ہی میں نے فوراً نواب زادہ سے ربط پیدا کیا۔ انھوں نے مجھے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ مسٹر جناح مسئلۂ زیر بحث پر مجھ سے گفتگو کرنی پسند کریں گے۔ چناں چہ میں گیا اور اُن سے باتیں کیں۔ اُن کے پاس سے میں ابھی ابھی اُٹھ کر آیا ہوں اور آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

انھوں نے نہایت اخلاق اور گرم جوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ اُنھوں نے گفتگو کا آغاز ۱۹۲۲ء تک کی اُن پُرانی باتوں کے ذکر سے

کیا جب میں اُن سے اور اُن کی بیوی سے اکثر ملا کرتا تھا۔ انھوں نے دل سوزی اور صفائی کے ساتھ بات چیت کی۔ اس وقت وہ خصوصیت کے ساتھ آغازِ گفتگو میں پُر مذاق اور اچھے موڈ میں معلوم ہو رہے تھے۔ انھوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں آپ کو جھوٹی اور بے بنیاد باتوں سے ہوشیار کر دوں۔ اُنھوں نے بہ صراحت کہا کہ سبھاش اور سبھاش کی طرح کے دوسرے لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس کا ایک لفظ بھی باور کیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ بات تصوّر بھی نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے کسی سے یہ کہا ہو کہ وہ مجلسِ عاملہ کے ممبروں پر اعتماد نہیں رکھتے، اس کے بالکل برعکس اِن ممبروں میں سے اکثر ممبروں کو وہ بڑی عزّت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جب آپ کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہندو مسلم سوال سے متعلق اُنھیں اپنے زاویۂ نگاہ سے جو کچھ بھی کہنا تھا وہ تمام و کمال آپ سے کہہ چکے ہیں، اب دوسرا قدم آپ کو اٹھانا ہے۔ حقیقت میں اُن کا خیال یہ ہے کہ وہ آپ سے یقینی طور پر درخواست کر چکے ہیں کہ مزید گفت و شنید سے پہلے آپ اپنے رفقاء سے مشورہ کر لیں۔ والسرائے سے آپ کی بات چیت ہی کے سلسلے میں انھوں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر ضرورت ہو گی تو ملاقات کے بعد وہ آپ سے رابطہ پیدا کر لیں گے۔ اُن کو پوری امید تھی کہ جب آپ اپنے رفقاء سے مشورہ کر لیں گے تو وہ ہندو مسلم سوال پر گفت و شنید کے لیے ایک بار پھر آپ سے ملیں گے۔ اُنھوں نے فرمایا "یہ ایک المیہ ہے کہ یہ معاملہ دوستانہ طریقے پر طے نہ ہو پایا"۔ آگے چل کر اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے درمیان بعدُ المشرقین نہیں تھا، بلکہ ہم ایک دوسرے سے اُس سے زیادہ قریب تھے جتنا کہ ہم سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ وہ آپ سے مزید گفت و شنید کو فی الحقیقت خوش آمدید کہیں گے۔ وہ یہاں کم از کم ۲۲ تک قیام کریں گے۔ انھوں نے مجلسِ عاملہ کا جلسہ ماہِ رواں کی بائیس تاریخ کو دہلی میں بُلایا ہے۔ اس کے بعد وہ ٹھیک نہیں بتا سکتے کہ اُن کا کیا پروگرام ہو گا۔

کسی اخبار کا کوئی نمائندہ اُن کو وائسرائے کے اعلان کی پیشگی اطلاع

دینے آیا تھا ــــــ وائسرائے کا اعلان کہوں یا اُن کا فیصلہ کہوں ــــــ جو دوسرے دن صبح کو شائع ہونے والا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ مسٹر جناح یہ خبر سُن کر جھلّا اُٹھے اور اس تمام قصّہ سے وہ سخت مایوس ہوئے۔ اس خبر نے بہ ظاہر اُن کو دھیما کر دیا۔ میں نے یہ خبر شام کو پہلے ہی پڑھ لی تھی اور میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس خبر کو پڑھ کر میں قطعاً مایوس ہو گیا تھا۔ یہ اقدام ہماری توقع سے بھی بدتر ثابت ہوا۔ اس سے بڑھ کر رجعت پسندانہ اور کمینہ کوئی اقدام نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے جیل جانے کے لئے اپنا بستر لپیٹ رہا ہوں۔

میں یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اب وقت ہے کہ سمجھوتے کی کوئی راہ نکالی جائے۔ اس وقت مسٹر جناح ٹھیک اور اچھے موڈ میں ہیں۔ اُنھیں خط لکھ کر ملاقات کا انتظام کیوں نہ کر لیا جائے۔ یقیناً آپ دونوں جو تصفیہ کر لیں گے وہ دونوں تنظیموں کے لئے قابلِ قبول ہو گا!

امید ہے کہ آپ بخیر اور تندرست ہوں۔

بہترین احترامات کے ساتھ

نندن

ضمیمہ :

میں یہ عرض کر دینا بھول گیا تھا کہ مسٹر جناح سے میں نے دو اہم باتوں کا بہ صراحت ذکر کر دیا تھا۔ اوّل یہ کہ مسلم لیگ کانگریس کے مطالبۂ آزادی کی تائید کرے، دوسرے یہ کہ وہ یہ دعویٰ کرنا چھوڑ دیں کہ یہاں دو قومیں بستی ہیں، ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ میرے اس مطالبے کا اُنھوں نے کوئی خاص جواب نہیں دیا۔ مگر جیسی کہ اُن کی عادت ہے انھوں نے نہ تو اس سے کوئی خاص اختلاف ظاہر کیا اور نہ رد کیا۔ اس کے برعکس گفتگو جاری رہی اور مطالب اور طرزِ ادا دونوں کے لحاظ سے دوستانہ اور خوش گوار ہوتی گئی۔ کاش کوئی اس بات کو باور کر سکتا کہ انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے معاملے کو اس طریقے پر میرے سامنے رکھا اس کے پیشِ نظر اُن کے ساتھ کسی فیصلے تک پہنچ جانے میں قطعاً کوئی دشواری پیش نہ آئی

چاہیئے۔ لیگ کے دوسرے سر برآوردہ ممبروں کے مقابلے میں مسٹر جناح کو ہر اعتبار سے فوقیت دینے میں مجھے قطعاً کوئی پس و پیش نہیں۔ اُن سے باتیں کرتے وقت میں نے محسوس کیا کہ میں کسی ٹھوس قابلیت کے آدمی سے باتیں کر رہا ہوں۔ اُن کے متعلق جو قطعی اور یقینی رائے میں نے قائم کی وہ یہ ہے کہ اگر اُن کو کسی طرح اپنا ہم نوا بنا لیا جائے تو وہ ایک ایسے شخص ہیں کہ اُن پر اعتماد اور بھروسا کیا جا سکتا ہے۔

جو شخص یہ خط لے جا رہا ہے وہ آپ کے جواب کا انتظار کرے گا۔ اگر آپ مسٹر جناح کو کوئی اطلاع بھیجنی چاہیں تو اسی شخص کے ہاتھوں مجھے بھیج دیں، میں اس کا انتظام کر دوں گا کہ وہ فوراً اُن کو مل جائے۔

احترامات کے ساتھ

نندن

۷۹۔ بنام ایم۔ اے۔ جناح

لکھنؤ

۱۸ ر اکتوبر ۱۹۳۹ء

نجی

میرے عزیز جناح

نندن نے مجھے آپ سے اپنی کل کی ملاقات اور گفتگو کا حال لکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک غلط فہمی ہو گئی، جس کے سبب آپ نے یہ سمجھا کہ میں دہلی میں مکرر آپ سے اتصال پیدا کروں گا اور ادھر میں یہ سمجھا کہ آپ مجھے ٹیلیفون کریں گے۔ حقیقت میں میں آپ سے دوبارہ ملنے کا منتظر رہا اور آپ کے پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ یہ صحیح ہے کہ میری یہ ملنے کی خواہش اور انتظار وائسرائے سے گفت و شنید کے سلسلے میں تھی۔ ہماری پچھلی گفتگو اگرچہ خاصی طویل تھی مگر وہ عام قسم کی تھی، میں ایک اور موقع چاہتا تھا کہ موضوعِ بحث پر کچھ اور قریب سے ایک غایر نظر ڈالی جائے۔

میں خوشی کے ساتھ آپ سے دوبارہ ملوں گا۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا

تو میں اسی وقت اس غرض سے دہلی چلا آتا، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے دشوار ہوگا اس لئے کہ کل مجھے دہلی جانا ہے اور چند گھنٹے وہاں ٹھیر کر کانگریس کی مجلسِ عاملہ کی نشست میں شرکت کے لئے واردھا جانا ہے۔ آپ بھی غالباً اگلے چند دنوں میں نہایت مصروف رہیں گے۔ وائسرائے کے بیان کے بعد غالباً صورتِ حال بڑی تیزی کے ساتھ بدلے گی، اس حالت میں مستقبل کے لئے منصوبے بنانا آسان نہیں ہے۔ مگر واردھا کی نشست کے بعد میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ آپ سے دہلی یا بمبئی میں، جہاں آپ کو سہولت ہو ملاقات کروں۔ اگر آپ جلد ہی بمبئی جانے والے ہوں تو واردھا سے میں بھی وہیں آجاؤں، یا پھر میں دہلی ہی آسکتا ہوں۔

مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کہ یہ ایک المیہ ہے کہ ہندو مسلم سوال اب تک دوستانہ طریقے پر طے نہیں پا سکا۔ اس بات کو سوچ کر میں سخت اذیت محسوس کر رہا ہوں اور خود اپنے آپ سے یہ محسوس کر کے شرمندہ بھی ہوں کہ اس مسئلے کے حل کرنے کے سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر خدمت مجھ سے بن نہیں آئی۔ مجھے آپ سے اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ اگرچہ معمولی حالات میں میری یہ حالت نہیں ہو جایا کرتی مگر اس معاملے میں مجھے خود اپنے اوپر اعتماد باقی نہیں رہ گیا ہے۔ لیکن گزشتہ دو تین سالوں نے مجھ پر ایک قوی اثر ڈالا ہے۔ میرا اپنا دماغ ایک دوسری سطح پر حرکت کر رہا ہے، اور میری دلچسپیاں بیشتر دوسری سمتوں میں ہیں، اور اس لئے اگرچہ میں نے اس مسئلے پر بہت غور و فکر کیا ہے اور اس کی بیشتر پیچیدگیوں اور الجھاؤ کو سمجھتا ہوں، پھر بھی کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے میں ان مسائل سے معنوی طور پر اجنبی اور بیگانہ ہوں۔ میرے پس و پیش کی وجہ یہی ہے۔

مگر یہ باتیں مجھے اس امر کی انتہائی سعی و کوشش کرنے سے نہیں روک سکتیں کہ اس مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈھ نکالنے میں ہاتھ بٹاؤں اور میں یقیناً ایسا کروں گا۔ آپ کی نیک نیتی اور لیگ میں آپ کی بلند حیثیت کے ساتھ کوئی حل ڈھونڈھ نکالنا اتنا دشوار نہ ہونا چاہیئے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ میں پوری

سنجیدگی کے ساتھ آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ مجلسِ عاملہ کے تمام ممبر کوئی حل ڈھونڈھ نکالنے کے سخت آرزومند ہیں۔ میرے لئے یہ امر سخت حیرت و افسوس کا موجب ہے کہ ہم لوگ اس کوشش میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ اس لئے کہ جو معاملات واقع میں متنازع فیہ ہیں وہ بہر صورت بہ آسانی قابلِ تصفیہ ہونے چاہئیں اور حقیقت میں ہیں بھی ایسے ہی۔

اس لئے میں واردھا کی نشست کے بعد آپ سے جہاں تک جلد ممکن ہوگا ملنے کی کوشش کروں گا۔ کیا آپ ازراہِ کرم مجھے اپنے پروگرام سے مطلع کریں گے؟ جب ہم مل پائیں گے تب میں خوشی کے ساتھ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کروں گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ آگے چل کر لیگ کے کچھ نمائندوں کا کانگریس کے نمائندوں سے ملنا بہتر ہوگا۔

اس وقت جیسا کہ آپ خود بھی یقیناً محسوس کرتے ہوں گے میرے دماغ میں وہ تغیّرات گونج رہے ہیں جو تیزی کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چند ہفتوں میں یہ تقلبات ہمیں کہاں سے کہاں پہنچادیں گے۔ وائسرائے کا بیان ہم سب کے لئے ایک شہنشاہانہ چیلنج یا دعوتِ مبارزت ہونے کے اعتبار سے حیرت انگیز نکلا۔ جہاں تک میں دیکھ پا رہا ہوں کانگریس کے لئے اس کے سوا اور کوئی راہ کھلی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ وائسرائے کی تمام تجویزیں مسترد کردے اور اس کے نتائج و عواقب ہمارے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی لازمی طور پر دُور رَس ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا اور آپ کے دوسرے رفقائے مسلم لیگ کا فیصلہ کیا ہوگا مگر میں اخلاص کے ساتھ یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی وائسرائے کے بیان سے اپنی شدید بے زاری کا اعلان کردیں گے اور جو خطوطِ عمل انھوں نے تجویز کئے ہیں اُن پر اُن کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیں گے۔

میرا یہ شدید احساس ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہم سب کے وقار اور خودداری کی اہانت کی ہے۔ اس حکومت نے فرض کرلیا ہے کہ ہم سب اُس کے نظامِ حکم کے طفیلی ہیں اور وہ جب چاہے

اور جہاں چاہے احکامات صادر فرما سکتی ہے۔

میں نہیں جانتا کہ آپ لکھنؤ کا روزنامہ نیشنل ہیرالڈ بھی دیکھا کرتے ہیں یا نہیں۔ میرا لکھا ہوا ایک مضمون اس میں آج صبح شائع ہوا ہے اور دوسرا کل صبح شائع ہوگا۔ ان دونوں مضامین میں وائسرائے کے بیان پر میرے تاثرات محتاط الفاظ میں ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔ میں یہ دونوں مضمون آپ کو بھیج رہا ہوں۔

میں کل یعنی جمعرات، ۱۹ر اکتوبر کو آپ کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرا آئندہ کا پروگرام یہ ہے: ۲۰ر اکتوبر کو الٰہ آباد اور ۲۱ر اکتوبر کے بعد واردھا میں رہوں گا۔

کیا میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ دہلی میں آپ سے مل کر مجھے کس قدر مسرت ہوئی۔

آپ کا بہت ہی مخلص
جواہر لعل نہرو

ایم۔ اے۔ جناح اسکوائر
نئی دہلی

۲۸۰۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل

میں دیکھ رہا ہوں کہ اگرچہ میرے لئے تمھاری محبت و احترام میں تو کوئی فرق نہیں آیا ہے، مگر میرے تمھارے زاویہ ہائے نظر کے اختلافات بہت ہی شدید اور نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ شاید ہماری تاریخ کا یہ نازک ترین دور ہے۔ میں اُن نہایت ہی اہم مسائل کے بارے میں جو تمھاری توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں بالکل اٹل اور قطعی رائیں رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھاری رائیں بھی ان مسائل سے متعلق اٹل اور قطعی ہیں مگر میری رایوں سے مختلف ہیں۔

تمھارا اسلوبِ اظہار میرے اسلوب سے مختلف ہے۔ مجھ کو اس امر کا یقین نہیں ہے
کہ آیا دوسرے ممبران بھی میری ان اٹل رایوں کی تائید کرتے ہیں یا نہیں۔ میں
چل پھر نہیں سکتا ہوں۔ میں عوام سے براہِ راست نہیں مل سکتا ہوں یہاں تک
کہ کانگریس کے کارکنوں سے بھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں تم سب کو اپنے
ساتھ نہیں لے چل سکتا تو مجھے قیادت سے یقیناً دست کش ہو جانا چاہیئے۔
مجلسِ عاملہ کے ممبروں میں مختلف رائیں نہ ہونی چاہئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پوری
ذمہ داری تم ہی کو سنبھال لینی چاہیئے اور ملک کی قیادت کرنی چاہیئے، اور
مجھے اپنی رائے کے اظہار کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے لیکن اگر تم سب کی
یہ رائے ہو کہ مجھے یک لخت خاموشی ہی اختیار کر لینی چاہیئے تو مجھے امید ہے
کہ اس رائے کی تعمیل میں بھی میں کوئی دشواری نہ پاؤں گا۔ اگر تم اس کو محض
تضییعِ اوقات نہ سمجھو تو چلے آؤ اور پورے معاملے پر غور کر لو۔

محبت

باپو

۲۸۱۔ از مہاتما گاندھی

ریلوے اسٹیشن، دہلی
۴ر نومبر ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل

تمھارے واپس جانے کے فوراً ہی بعد کرپلانی نے مجھے بتایا کہ یو۔ پی
میں بڑا جوش و خروش ہے اور سول نافرمانی کے لئے بڑی تیاریاں ہو رہی
ہیں۔ انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ لوگوں میں گمنام اشتہارات تقسیم ہو رہے
ہیں جن میں لوگوں کو تار کاٹ دینے اور ریل کی پٹریاں اکھاڑ کر پھینک دینے
پر اُبھارا جاتا ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس وقت فضا سول نافرمانی
کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اگر لوگ قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لینے
پر آمادہ ہیں تو مجھ کو یقیناً سول نافرمانی کی قیادت ترک کر دینی پڑے گی۔
میں چاہتا ہوں کہ تم اس ہفتے کا ہریجن پڑھ لو۔ اس شمارے میں اس

سلسلے میں میری حیثیت اور مقام پر بحث کی گئی ہے۔ یہی وہ مسئلہ تھا جس پر میں تم سے گفتگو کرنی چاہتا تھا۔ مگر نہیں کر سکا۔ ہماری تاریخ کے اس نازک دور میں ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی باقی نہ رہ جانی چاہیے، اور اگر ممکن ہو تو سب کی ایک ہی رائے ہونی چاہیے۔

محبت

باپو

۲۸۲۔ از چو چیا ہوا

کومنٹانگ کی مرکزی مجلسِ منتظمہ

چنگ کنگ

۱۱ر نومبر ۱۹۳۹ء

بہ نام مسٹر جواہر لعل نہرو

سوراج بھون، الہ آباد

پیارے مسٹر نہرو

کچھ دن ہوئے آپ کے بخیر ہندوستان پہنچ جانے کی اطلاع تار سے پاکر مجھے مسرّت ہوئی۔ جنگی حالات کے اندر اس ملک میں آپ کی یادگار آمد نے چین کے باشندوں پر ایک گہرا اور اہم اثر چھوڑا ہے۔

چینی ہندی تعلقات کی تقویت کے بارے میں آپ نے اپنے جو خیالات مجھ سے اپنی اس سیاحت کے دوران میں ظاہر فرمائے وہ جامع بھی ہیں اور مکمّل و مفصّل بھی۔ میں دل سے اُن کی قدر و تحسین کرتا ہوں۔ آپ کے یہ خیالات ہمارے تونگ "تائی" جنرل چیانگ کائی شیک کی ہدایتوں کے ساتھ ہندی چینی تعاون کے اُس لائحۂ عمل میں داخل کر دیئے گئے جس کا مسودہ میں نے تیار کیا تھا۔ اس لائحۂ عمل کے مجوّزہ اقدامات اب منظور کر لیے گئے ہیں اور اُن پر الگ الگ عمل ہوگا۔ ذیل میں ان اقدامات کے اہم اور ضروری نکات درج کیے جاتے ہیں:

(۱) دونوں مُلکوں کے درمیان پروفیسروں کا تبادلہ جو مختلف

یونیورسٹیوں میں مختلف علوم کے شعبوں کے صدر ہوں۔

(۲) ہر ملک اپنے یہاں کے کچھ منتخب طلبا دوسرے ملک میں درس و مطالعہ کے لئے بھیجے۔

(۳) دونوں ملکوں کی مطبوعات کا تبادلہ اور اُن کا چینی یا ہندوستانی زبان میں ترجمہ۔

(۴) اطلاعات و اخبارات کا تبادلہ جس کے لئے خبروں کی مرکزی ایجنسی کا ایک شعبہ کلکتے میں اور ایک ضمنی شعبہ بمبئی میں قائم کیا جائے۔

(۵) دونوں ملکوں کا اپنی اپنی تحقیق و تفتیش ایک دوسرے کو جلد جلد بھیجتے رہنا، ملاقاتیوں اور سیاحوں کے گروہ کا ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے رہنا اور ماہرینِ فنون کا تحقیق و تفتیش کی غرض سے یا دوستانہ ارتباط پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے ملک کو بھیجنا ابتداءً اس مد میں چین کی طرف سے ذیل کی سرگرمیوں کا منصوبہ بنایا گیا ہے:

(الف) بُدھ مذہب کے زائرین کے ایک گروہ کی تنظیم جو ہندوستان جائے۔

(ب) ماہرین کے ایک گروہ کا اس غرض سے ہندوستان بھیجنا کہ وہ وہاں جاکر پارچہ بافی کی صنعت، کپاس کی امداد باہمی کی انجمنوں اور ملک کے دوسرے صنعتی حالات کا مطالعہ کرے نیز ہندوستان کے صنعت کاروں اور زراعت پیشہ لوگوں سے تبادلۂ خیال کرے۔

(ج) ایک ایسی جماعت کی تنظیم کرنا جو ہندوستان میں دَورے کرکے سائنٹیفک مشاہدات اور تحقیقات کرے۔

نیز اس سال جب آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجتماع ہوگا تو ہم اس عظیم الشان اجتماع میں شرکت کے لئے کسی کو یہاں سے بھیجیں گے۔

میرے بلند ترین احترامات اور بہترین خصوصی اکرامات کے ساتھ

مجھے آپ کا مخلص ہونے کا اعزاز حاصل ہے

چو چیا ہوا

۲۸۳ - از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۱۴ر نومبر ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل
تمھارے خطوط باقاعدگی سے پہنچتے رہے۔ جو خط تم نے راجن بابو کو لکھا ہے وہ بھی میری نظر سے گزرا۔ اس خط کے دیکھنے سے پہلے میں نے اُس پر ہری جن کے لیے ایک نوٹ لکھا تھا۔ میں اس پرچے کی ایک کاپی اُس کی اشاعت سے پہلے تمھیں بھیجنے کی ضرور کوشش کروں گا۔
اگر تم الٰہ آباد میں مجھے کچھ زیادہ روکنے کی ضرورت محسوس کرو تو مجھے روک سکتے ہو۔
یہاں ہم جو بیانات دے رہے ہیں اُن کی لندن کے اخبارات میں غرض مندانہ اشاعتوں سے میں پریشان نہیں ہوں۔ اگر مجھے وقت ملا تو نیوز کرانیکل کے لیے ایک مختصر سا بیان ضرور لکھوں گا۔ اس پرچے کی طرف سے مجھے پیشگی اجازت حاصل ہے۔
باقی بہ وقتِ ملاقات۔

محبّت
باپو

مہادیو نے مجھے ابھی ابھی یاد دلایا کہ آج تم اپنی عمر کی نصف صدی پوری کر رہے ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم دوسرا نصف حصہ بھی اس طرح پورا کرو گے کہ تمھاری یہ قوت و طاقت، صاف گوئی اور دیانت داری بے کم و کاست برقرار رہے گی۔

۲۸۴ - از مہادیو ڈیسائی

سیگاؤں، براہ واردھا
۱۴ر نومبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جواہر بھائی
سترہ برس پہلے ہم نے آپ کا یومِ پیدائش لکھنؤ کے ڈسٹرکٹ جیل کی

ایک بارک میں منایا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس دن خود آپ کے ذہن میں بھی اُس بلندی کا کوئی تصوّر تھا یا نہیں جو آپ کے لئے مقدّر تھی۔ اگر ریاضی میں روحانی اور فکری ترقّی کی پیمائش کا کوئی طریقہ ہے تو آپ نے حسابی قاعدے سے ترقی نہیں کی ہے بلکہ اقلیدسی قاعدے سے کی ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ ترقّی آپ کی زندگی کی دوسری نصف صدی میں بھی جو کل شروع ہوتی ہے اسی رفتار سے جاری رہے ـــــ اُن "انسانی" اوصاف کو بے کم وکاست باقی رکھتی ہوئی جو ہمارے جیسے عام لوگوں کو بھی، اُن بلندیوں کے باوجود جن میں آپ پرواز کیا کرتے ہیں، یہ محسوس کرادیا کرتی ہے کہ ہم بھی آپ ہی کی سطح کے ہیں۔

آپ میری یہ باتیں سُن کر چلّا اٹھیں گے کہ: یہ کیا مہمل و بے معنی بکواس ہے۔ تاہم یہ ایک کوشش ہے اُن حقیقی جذبات کے اظہار کی جو اس مبارک قومی دن کے موقع پر دلوں میں موجزن ہیں۔

آپ کا پُرمحبت

مہادیو

۲۸۵۔ از سروجنی نائیڈو

حیدرآباد (دکن)

دیوالی ۱۹۳۹ء

میرے محبوب جواہر

تمھاری زندگی کی پہلی نصف صدی تاریخ، گیت اور داستان بن چکی۔ خدا کرے کہ دوسری نصف صدی کے ابتدائی سال تمھارے عظیم الشّان خوابوں اور خیالی منصوبوں کی تعبیریں تمھارے سامنے لے آئیں، اور ارتقائے انسانی کی تاریخ میں تم کو ایک بلندترین نجات دہندہ کی حیثیت سے غیرفانی بنادیں۔

میں تمھارے لئے رواجی "اچھّے عطیے" کی تمنّا نہیں کرسکتی۔ میں نہیں سمجھتی کہ شخصی مسرّت، راحت و آسائش، فرصت، دولت و ثروت، جیسی چیزیں جو ایک معمولی مرد و عورت کی زندگی کے قدرتی اثاثے ہوا کرتے ہیں

تمھاری زندگی میں کچھ زیادہ قدر و قیمت رکھ سکیں گے۔ رنج و غم، مصیبت، قربانی، اذیت، کشاکش .... ہاں، یہی وہ چیزیں ہیں جو تمھارے لئے پہلے سے زندگی کے عطیوں کے طور پر مقدر ہیں۔ تم انہی چیزوں کو کسی نہ کسی طرح وجد و انبساط، فتح و کامرانی۔ اور آزادی کی حقیقت میں تبدیل کر لوگے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے تمھیں کسی بڑے کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ تم اس لئے پیدا ہوئے ہو کہ مجمعوں کے بیچ میں بھی اکیلے رہو، تم سے گہری محبت کی جائے مگر کوئی تمھیں سمجھ نہ پائے۔

خدا کرے کہ تمھاری جویندہ روح اپنی منزل تک پہنچ جائے اور اپنی حقیقت عظمت و رفعت اور حسن و زیبائی کے ساتھ پالے۔

یہی آشیرباد ہے تمھاری شاعرہ بہن اور جستجوئے منزل میں تمھاری ایک رفیق کی۔

سروجینی نائڈو

میں ۱۷ر کو آگرے میں ہوں گی، اور ۱۹ر کی صبح کو دو بج کر ۳۲ منٹ پر مقدس پریاگ میں۔

۲۸۶۔ بنام آصف علی

الہ آباد

۱۶ر نومبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز آصف علی

تمھارا چودھویں تاریخ کا خط ملا۔ جنگ میں آیندہ پیش آنے والے حوادث کے بارے میں قیاس آرائی کرنا دشوار ہے۔ مگر ایک چیز مجھے یقینی نظر آتی ہے۔ کوئی جیتا ـــــ خواہ وہ سویٹ دشمن ہو خواہ سویٹ دوست ـــــ زیادہ دنوں تک باقی نہ رہے گا۔ ان لوگوں نے یورپ میں تمام منصوبوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے، ان کو ازسرِ نو ترتیب دینا اب نہایت دشوار ثابت ہوگا۔ ہندوستان میں قبل از جنگ کے حالات کو واپس نہیں لایا جا سکتا اور کانگریس بھی پرانی شرطوں پر صوبوں میں ازسرِ نو اپنی حکومتیں نہیں بنانے کی۔

میں نہیں جانتا کہ فرقہ وارانہ مسائل پر مسٹر جناح سے گفت و شنید کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔ جیسا کہ میں نے جناح سے بھی کہہ دیا ہے میں بالکل تیار اور اُن کے پیغام کا منتظر ہوں۔ مگر ہمارے اور جناح کے درمیان لازمی طور پر کوئی فرقہ وارانہ دشواری حائل نہیں ہے۔ اگر کوئی دشواری ہے بھی تو وہ سیاسی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس قسم کے کسی اقدام پر رضامند نہیں کر سکتے جس قسم کے اقدامات کانگریس کیا کرتی ہے۔ اس لئے فرقہ وارانہ مسئلہ کے تصفیہ کی بنیاد پر کسی متحدہ سیاسی اقدام پر گفتگو کرنا اس بنیادی حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے۔ میرا یہ منشاء نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمان کوئی متحدہ سیاسی اقدام کر ہی نہیں سکتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور ایک بڑی حد تک کریں گے بھی۔ مگر اس بات کا انحصار اس وقت کسی فرقہ وارانہ مسئلے پر نہیں ہے۔

تمھارا مخلص

جواہر لعل نہرو

آصف علی اسکوایر ایم۔ ایل۔ اے

کوچۂ چیلاں، دہلی

۲۸۷۔ از ایڈورڈ تھامپسن

آئلسبری، بکس

۳؍ دسمبر ۱۹۳۹ء

پیارے جواہر لعل

آپ مجھ کو کسی قدر غلط سمجھے۔ میرا یہ منشاء ہرگز نہیں تھا کہ کاؤنسل میں کسی کام یا خدمت کے مل جانے کو کوئی "بڑا موقع" سمجھتا ہوں۔ آپ کو اتنا ضرور جان لینا چاہیئے کہ میں کسی جگہ یا خطاب کو کوئی اہم چیز نہیں سمجھتا۔ میرا منشاء یہ تھا کہ کوئی ایسا موقع ہاتھ آجائے جس کے ذریعے فوج کی موجودہ بے تکی اور غیر متوازن حالت پر اثر انداز ہونا یا اس کا سدھار کرنا ممکن ہو۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ ہندوستان کو ایک آزاد و خودمختار حکومت

قرار دیئے جانے کا مطالبہ کرنا ممکن ہے جب تک کہ فوج کی اس غیر متوازن حالت کی اصلاح نہ ہو جائے۔ اس سے قطعِ نظر، میں اب تک اپنے اُسی قدیم اور احمقانہ خواب سے چمٹا ہوا ہوں کہ ہم اس برطانوی شہنشاہیّت کو ہم زتبہ و ہم پلّہ قوموں کی ایک وسیع تر تنظیم، یعنی ایک عالمی ریاستہائے متحدّہ کی شکل اختیار کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ خواب آپ کو احمقانہ نظر آئے گا۔ مگر میری خواہش ہے کہ آپ کا تصوّر اپنے ایک ہم وطن و ہم شہر کی حیثیت سے کرسکوں۔ بہ ہر صورت، میرے خیال میں آپ پنجاب کو مشکل ہی سے فوج کے زیر نگرانی چھوڑ سکتے ہیں۔ اس بے تُکے پن اور عدمِ توازن کو کسی نہ کسی حد تک دور کرنا ہی پڑے گا۔

مگر ہمارے لئے یہ چھوٹے چھوٹے معاملات ہیں۔ آیئے اب اہم معاملات کی طرف رُخ کریں:۔

اندو کو میں نے دیکھا ہے، وہ اب بہتر نظر آتی ہے۔ واقعی وہ اب اچھی ہے۔ وہ نحیف ضرور ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا کہ ابھی اُس کی حالت وہی ہے جس کو لفظِ "نازک" سے ظاہر کیا جاتا تھا، اور اُس کو ابھی پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے گا۔ مگر اندر سے وہ مضبوط ہے اور جب وہ یہ مشکل دن جو بلوغ کی تکمیل کر دیتے ہیں گزار لے گی تو وہ پورے طور پر تن درست اور توانا ہو جائے گی۔ بہ ہر صورت، وہ یقینی طور پر بہتر ہے۔ ہم نے چاہا تھا کہ وہ ہمارے پاس چلی آئے مگر وہ کہتی ہے کہ پندرہویں دسمبر کو میں سوئٹستان جا رہی ہوں۔ اگر کوئی نئی بات ہوگئی ــــ مثلاً جرمنوں کا سوئٹستان پر حملہ آور ہو جانا ــــ تو ہم اس کی دیکھ بھال کرلیں گے۔ آپ کو اُس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب سے میں واپس آیا ہوں میرے روز و شب بے چینی کے ساتھ گزر رہے ہیں اور نہایت ہی طویل معلوم ہو رہے ہیں۔ جب میں واپس آیا تو اپنے ایک بھائی کو میں نے موت کے پنجے میں پایا، میں دو بار اُسے دیکھنے کو بلایا جاچکا ہوں اور میں نے اُس کے پاس کئی کئی دن صرف کئے۔ ڈاکٹر نے

کہا کہ "بھئی صاف بات تو یہ ہے کہ میں اُسے زندہ رکھنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا ہوں۔ یہ انتہائی سنگ دلی کی بات ہوگی"۔ کئی ڈاکٹر یہی بات کہہ چکے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اُس کی شفایابی کی کوئی امید نہیں ہے۔ مگر اُس کی قوتِ ارادی غیر معمولی طور پر شدید اور طاقت ور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں مرنے والا نہیں ہوں اور وہ مرنے سے انکار کرتا ہے۔ میں ڈاکٹروں پر بہت کم اعتماد رکھتا ہوں اور اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں اِن باتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا پھر بھی یہ محسوس کرنے پر اپنے آپ کو مجبور سا پا رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ وہ بچ بچا کر خطرے سے نکل آئے۔ وہ مجھ سے چھوٹا ہے اور بہت ہی دلکش اور دیدہ زیب شخص ہے۔

میرے لئے کوئی کام کرنا کس قدر ناممکن سا ہو رہا ہے اور اب تو جب سے میری بیوی تین دن ہوتے ہیں کہ میرے وطن چلی گئی ہیں، میرے کاموں کی کوئی انتہا ہی نہیں رہ گئی ہے۔ وہ آج رات کو واپس آنے والی ہیں۔

سنئے! آپ کی عادت نہیں ہے کہ آپ اپنے سے مُعمّر اور دانا لوگوں کی باتیں سُن لیا کریں، کیوں، ہے نا یہی عادت آپ کی ؟ مجھے سروجینی کے بیان کئے ہوئے وہ قصے یاد ہیں کہ کُرسیٔ صدارت پر آپ کے آداب و اطوار کیا ہوا کرتے تھے "اُف وہ تو کود کر مجمع میں گھُس جایا کرتے اور جس غریب نے اُن کی تردید کردی ہوتی اُسے پکڑ کر لاتیں اور گھونسے مارنے شروع کر دیتے، وہ پنڈال میں چاروں طرف بھاگتا پھرتا مگر یہ اُس کا پیچھا نہ چھوڑتے یہاں تک کہ تمام حاضرین اس بے چارے پر ترس کھانے لگتے"۔ کیا یہ عادتیں آپ نے ہارو میں سیکھیں ؟ بہ ہر حال، میں آپ سے اتنی دور ہوں کہ میری تواضع آپ لات گھونسوں سے نہیں کر سکتے، (دیکھئے آپ مجھے غصّہ دلا رہے ہیں!!) اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ میری باتیں سنیں۔ بس صرف چند لمحوں کے لئے۔

میں اپنی "روڈز رپورٹ"، کے تیّار کرنے میں رات دن جُتا رہا ہوں۔ اس کے کچھ حصے جو آپ سے متعلق تھے میں نے اندرا کو بھی دکھائے۔ کل مجھے آکسفورڈ میں اس غرض سے جانا پڑا کہ آئی۔سی۔ایس۔ کے امیدوار طلبا کے سامنے

تقریر کروں اور آج صبح روڈز ٹرسٹ کے سکریٹری لارڈ ایلٹن کے پاس جانا پڑا۔ کل ایک تقریر کے موقع پر لیونل کرٹس بھی موجود تھے۔ اس وقت دو معاملے ہیں: (۱) روڈز ٹرسٹ کچھ روپیہ ہندوستان پر خرچ کرنا چاہتا ہے۔ میں ہندوستان کے لئے ایک قسم کا "زائروں کا ٹرسٹ" قائم کرنے کی بابت سوچ رہا ہوں۔ آپ ہمارے اس زائرین ٹرسٹ سے واقف ہیں؟ یہ ٹرسٹ نہایت کامیابی کے ساتھ چلایا جاتا ہے۔ یہ ایسے کاموں کے لئے "عطیے" دیا کرتا ہے جو واقعی کرنے کے قابل ہوا کرتے ہیں ــــــ یہ "عطیے" محض وقتی قسم کے خیراتی "عطیے" نہیں ہوا کرتے، بلکہ کسی تخلیقی کام کی بنیاد ڈالا کرتے یا کسی پہلے سے موجود تخلیقی کام کو آگے بڑھانے میں مدد دیا کرتے ہیں۔ میں ایک ایسا فنڈ قائم کرنا چاہتا ہوں جو ایسے ہندوستانیوں کو وظیفے دیا کرے جو اقتصادی لائنوں پر کوئی واقعی قیمتی تحقیقات کر رہے ہوں۔ مثلاً پھلوں اور گنے کی قسموں پر ــــــ؛ یا پسماندہ طبقوں کے لئے کام کر رہے ہوں: یا بنیادی تعلیم والی اسکیم پر۔ (۲) روڈز ٹرسٹ والے یونیورسٹی کو اپنی ایک پرانی پیش کش منظور کر لینے پر مجبور کرنے والے ہیں، جو میری ایک رپورٹ کا نتیجہ تھی۔ اور کسی ہندوستانی فاضل سے درخواست کرنے والے ہیں کہ وہ یہاں آکر آکسفورڈ میں ہندوستان کی تاریخ یا ادب کے کسی موضوع پر کچھ لکھ دے۔ بتائیے کہ اس کام کے لئے کون شخص موزوں ہوگا؟: ایک ایسا شخص جو ہندوستان کا جھنڈا اونچا رکھ سکے، جو ہمارے طلبہ اور رفقاء سے اُن کی نشست گاہوں میں بے تکلف مل جُل سکے، جو ہمارے انڈر گریجویٹ طلبہ سے بھی میل جول رکھے اور بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے تقریریں کر سکے، یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ یہ مجمعے آکسفورڈ ہی میں ہوں۔

اب ذرا کان لگا کر سُنئے اور پھر سُنئے۔ میں بہت سنجیدہ ہوں۔ بہت سے اعتباروں سے وہ سب سے بڑا اعزاز جو یہ قدیم یونیورسٹی کسی شخص کو دے سکتی ہے یہ ہے کہ اُس کو روڈز میموریل لیکچرر کی حیثیت سے اپنے یہاں بلائے۔ یہ ایک بالکل مختلف کام ہے۔ لیکچرر ایک نشست گاہ کا رکن بنا دیئے جاتا ہے، معمولاً نشست گاہ "آل سولز" کا جو غالباً سب سے بہتر ہے (اگرچہ

میں آپ کو اپنے کالج اور یل کے لئے پسند کروں گا) اس لئے کہ اس نشست گاہ میں وہ ہمارے تمام سر برآوردہ سیاست دانوں سے ملنے کے موقعے پاتا ہے۔ وہ موسمِ گرما کے تدریسی زمانے میں یہاں آتا ہے اور اپنی پسند اور اپنے انتخاب کے تین، چار یا پانچ لکچر دیتا ہے۔ یونیورسٹی اس کی آمد پر بڑا اہتمام کرتی اور بڑا جوش و خروش دکھاتی ہے اور اُس کا پہلا یا افتتاحیہ خطبہ تو ایک معرکے کا واقعہ ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ لکچرر کوئی غیر ملکی شخص ہو یعنی وہ اس جزیرے کے باہر سے آیا ہوا ہو۔ یہ شخص ہمیشہ اپنے فن کا سر برآوردہ آدمی ہوتا ہے۔ اب تک ہم آئنسٹائن، اسمٹس، اور فلِکسنر کو بلا چکے ہیں۔ چند سال ہوئے ٹرسٹ نے اقبال اور شاستری کو بھی بُلانے کی کوشش کی تھی جو بڑی شخصیتوں کے مالک تھے۔ ایک مدبّر کے لئے یہ ایک بہت بڑا موقع ہے۔ ہم ایسا شخص پسند کرتے ہیں جو ہمارے انڈر گریجویٹ طلبہ سے بے تکلّف بات چیت کرنی پسند کرتا ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی کمرے میں کچھ لوگوں کا آپس میں گفتگو کرنا کس قسم کی چیز ہوتی ہے۔ مگر اس نامزدگی کو ہمارے ہاں کا بلند ترین اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ لکچرر کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جو موضوع وہ پسند کرے اُس پر تقریر کرے مگر ہم ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جو کسی اہم موضوع پر تقریر کرے اور پھر یونیورسٹی ان تقریروں کو چھپوانا چاہتی ہے۔ بات ہم ہی دونوں کے درمیان رہے ——— روڈز ٹرسٹ کے متوّلی جواہر لعل نہرو نامی ایک شخص کو دعوت دینے والے ہیں۔ یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے ——— (متوّلی تو میں ہوں ہی نہیں، میرے جیسا ناچیز آدمی اس رُتبۂ بلند تک پہنچ ہی کیوں کر سکتا ہے، مگر آپ میرا منشاء سمجھتے ہیں۔ متوّلی حضرات میری بات کا کسی قدر لحاظ رکھا کرتے ہیں) کہ ہم ہندوستان کو ایک آزاد و خود مختار قوم قرار دیدیں۔ مگر ہم ایک اور کام کر سکتے ہیں: ہم ایک شخص کو چُن سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہمیں اس بات کی اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم پوری انگریزی بولنے والی دنیا کے سامنے عام طور پر اس امر کا اعلان کر دیں کہ ہم آپ کو ——— ہر اعتبار اور ہر معیار سے جانچ کر ——— اوّلین صف کا آدمی تسلیم کرتے ہیں اور

ہم لوگ بہ حیثیت ایک یونیورسٹی کے آپ کو شخصی طور پر جاننے کا امتیاز اور فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اتنا قریب سے جاننا چاہتے ہیں جتنا قریب سے جاننے کی آپ ہمیں اجازت دیں گے۔ اقبال اور شاستری اس کام سے جی چُرا گئے۔ (یہ میرا تاثر تھا، اس کو آپ ازراہِ کرم کہیں دُہرائیں نہیں ؛ خط و کتابت ان لوگوں سے میں ہی نے کی تھی) آپ ہرگز ایسا نہ کریں...... ازراہِ کرم آپ اس پر غور کریں۔ ہندوستان کے مرتبے کا یہ سوال اس پاگل اور دیوانی دُنیا کو پوری اُلجھنوں میں ڈال دینے والے سوال سے بندھا ہوا ہے، یہ دنیا ٹکڑے ٹکڑے کی جا رہی ہے اور جلد ہی کسی وقت اُسے پھر سے بنانا ضروری ہوگا۔ یہ تقرر آپ کو ایک بڑے پیمانے پر کچھ مدبّرانہ کام کرنے کا موقع دے گا۔ آپ ہمارے سامنے کوئی تخلیقی تصور یا تصویر اپنے دماغ اور اپنے تجربے سے رکھ سکیں گے، آپ اپنے بہت ہی غیر معمولی بین الاقوامی تجربے سے تقریریں کر سکیں گے (اگر آپ نے چاہا)، آپ ہماری علیحدگی اور تنگ نظری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں گے، آپ اپنی قوم کی اہمیت اور اس کے مقام کو دنیا پر واضح کر سکیں گے (ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ایک اچھے سفیر ہیں، اور واقعی آپ ایک اچھے سفیر ہیں) اور انگلستان کے پُرلطف موسمِ گرما میں آپ ہمارے نوجوانوں سے مل سکیں گے (دنیا کے نفیس ترین نوجوانوں سے)، آپ بہت سے معلمین اور اور رفقائے کالج کو جنھوں نے کبھی کسی ہندوستانی یا کسی دوسرے غیر ملکی کو، بجز ایک طالب علم کی حیثیت سے، نہیں دیکھا ہے ہندوستان کا ایک بالکل ہی نیا تصوّر دے سکیں گے، آپ ہمارے تمام سیاسی راہنماؤں سے مل سکیں گے۔ (اور آپ ایسا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اِس لئے کہ وہ سب ہی آکسفورڈ آیا کرتے ہیں) آپ وہ کام انجام دے سکتے ہیں جس کی ابتدا ٹیگور نے کی تھی مگر بہت سی پھیکی اور غیر دلچسپ چیزیں شائع کرنے کی وجہ سے وہ اس کی تکمیل سے قاصر رہ گئے۔ یہ کام قطعاً غیر سیاسی ہے ؛ دفتر وزارت ہند اس میں کسی بھی قسم کی کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا ہے۔ یہ کام اگر آپ کے سامنے پیش کیا جائے تو آپ اسے قبول کر لیں، اس لئے کہ یہ آپ کو اتفاقاً مل رہا ہے جس کے معنی

یہ ہیں کہ یہ ایک حکم ہے آپ کی تقدیر کا۔ آپ مطمئن رہیں کہ کوئی غلط یا بیجا بات نہ ہوگی۔ میں خود یونیورسٹی کے سامعین کو پہلے ہی سے آگاہ کردوں گا کہ اُن کو بہت ہی مؤدّب رہنا اور توجّہ کے ساتھ سننا پڑے گا ورنہ مقرّر کرسی چھوڑ کر ان کے درمیان نظر آئے گا اور انھیں اس طرح بے تحاشا چپتیا نا شروع کردے گا جیسے وہ کانگریس کے جلسے کے حاضرین ہوں۔ اگر آپ اس کام کو قبول نہیں کرتے تو پھر (یہ بات بھی صیغۂ راز میں رہے) سپرو بُلائے جائیں گے جو اس کام کو، جہاں تک تقریریں کرنے اور نشست گاہوں میں طلبہ سے ملنے جُلنے کا تعلق ہے، بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیں گے مگر وہ ہمارے سیاست والوں کو اُن کی موجودہ قدامت پرستی اور کٹّر پن سے بدتر قسم کی قدامت پرستی اور کٹّر پن میں مضبوط اور محکم کردیں گے۔ آپ کی خاطر میں نے سپرو کو اس وقت نظر انداز کردیا ہے (وہ پھر کبھی آجائیں گے) ہاں، برسبیل تذکرہ، آپ اندرا سے بھی مل لیں گے۔ آپ ہندوستان سے صرف چھے ہفتوں کے قریب غیر حاضر رہیں گے۔

روڈز ٹرسٹ والے مجھ سے یہ خواہش کرنے پر مائل نظر آرہے ہیں کہ میں جنوبی افریقہ جاؤں اور وہاں یونیورسٹیوں اور دوسرے مجمعوں میں ہندوستان کی تاریخ، سیاست اور تہذیب و تمدّن پر تقریریں کروں۔ اور اُن کے اس میلان کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اُن کو یہ بتایا تھا کہ جنوبی افریقہ کی روش سے ہندوستانی رائے عامّہ کو اذیّت پہنچی ہے۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، خستہ جان و خستہ تن، قویٰ تقریباً مضمحل ہوچکے ہیں اور دماغ جواب دے رہا ہے۔ لیکن اگر میں ہندوستان کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو ضرور جاؤں گا، اگرچہ میں جنوبی افریقہ سے، جو دنیا کے بدترین محکوم ملکوں میں سے ہے، ڈرتا ہوں۔ مگر میں صرف ایک خادم ہوں، اور اس درجہ بوڑھا ہوچکا ہوں کہ اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔ اگر آپ آکسفورڈ آجائیں تو میں ایک اور خدمت بجالانے کی کوشش کرسکتا ہوں، اور ان وحشیوں اور جاہلوں کے سامنے ہندوستان کے حق میں تقریریں کرسکتا ہوں۔ میں بھی کوئی بُرا سفیر نہیں ہوں۔

میں سُن رہا ہوں کہ گیٹے وِنٹ آپ کے پاس ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُن کے بارے میں آپ سے کسی قدر غصّہ میں کچھ کہا تھا، یہ میری بہت بڑی غلطی تھی۔ وہ اچھا آدمی ہے۔ اُس میں عیب اگر کچھ ہے تو صرف یہ کہ وہ بڑا پیچیدہ اور بڑا پُر اسرار سا آدمی ہے، اور مجھے اُس کی آواز پسند نہیں ہے! وہ "مجھے برافروختہ کر دیا کرتا ہے۔" تو اب آپ میری غلطی کا کفارہ ادا کیجئے اور اُس سے اچھا سلوک کیجئے۔

میں نے دو مقالے ایم۔جی کے لئے اور ایک ٹی اینڈ ٹی کے لئے لکھا ہے۔ میں نے بہت سے سیاست والوں سے باتیں کیں اور دارالعوام میں ایک مجمع سے بھی گفتگو کی۔ میں جب سے واپس آیا ہوں بھوت کی طرح کام میں جُٹا رہا ہوں۔ اس لئے اپنے دل میں انتہائی ہمدردی کا جذبہ رکھو۔ میری نیت نیک ہے اور ایک انگریز کے لئے تو احمق ہونا ناگزیر سا ہے۔ اور کوئی کام کرا ڈالنا تو غیر معمولی طور پر دُشوار ثابت ہوا۔

میں آپ کو اپنی دو کتابیں بھیج رہا ہوں۔ یہ آپ کو برافروختہ کر دیں گی مگر آپ ہی نے یہ دونوں کتابیں مانگی تھیں۔..... ازراہِ کرم آپ میرے ملک سے مایوس نہ ہوں۔ ہم میں سے کچھ لوگ ہندوستان کے لئے اپنے مقدور بھر سعی و کوشش کر رہے ہیں اور ہم لوگ اپنی خامیوں کے باوجود بعض دوسری قوموں سے بہتر ہیں۔ اس وقت انگلستان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو یقیناً عمدہ اور نفیس ہیں۔

آپ کا

اِی۔ٹی

ہر شخص ہندوستان سے متعلق حقیقت جاننی چاہتا ہے۔ میرا ٹیلیفون اور میری ڈاک مانچسٹر چیمبر آف کامرس اور کیمبرج یونیورسٹی سے لے کر دارالعوام اور کٹر قسم کی قدامت پسند عالمانہ انجمنوں تک کے دعوت کے پیام لایا کرتی ہے۔ اس وقت میرا ہندوستان جانا ـــــ کیسی حماقت مجھ سے ہو گئی ہے! اگلے بُدھ کو ممبرانِ پارلیمنٹ کے سامنے میں پھر ایک تقریر کر رہا ہوں۔

ایم۔جی کے لئے میں نے تین مقالے لکھے تھے جو اس وقت مجھے مل نہیں رہے ہیں۔ مگر یقین ہے کہ اگا تھا ہیری سن یا مینن نے آپ کو یا گاندھی کو یہ مقالے ضرور بھیجے ہوں گے۔

ای۔ٹی

۲۸۸۔ بنام مہادیو ڈیسائی

۹ر دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز مہادیو

تمھارا خط مورخہ ۵ر دسمبر ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ ذاکر حسین نے جو تجویز باپو کے سامنے رکھی ہے اُس سے مجھے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔ یہ ہماری طرف سے مسلم لیگ کو کسی خاص طریقے پر تسلیم کر لینے کا سوال نہیں ہے۔ اس میں بڑے دور رس اُلجھاؤ، اور کانگریس کے تمام بنیادی اصولوں سے دست برداری مضمر ہے۔ یہ کانگریس کو پورے طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے مترادف ہے۔

تم نے جناح کا نیا بیان ضرور دیکھا ہوگا۔ سیاسی جھوٹ اور ناشائستگی کی بھی ایک حد ہے، مگر اس بیان میں تو کسی حد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے میری تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں اب جناح سے ملوں بھی تو کیوں کر۔ دو ہی دن ہوئے کہ میں نے اُن کو لکھا کہ میں جلد ہی بمبئی جانے والا ہوں اور امید ہے کہ میں اُن سے ملوں گا۔ کل سے میں نے معاملے پر بہت غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ میں اُن کو ایک اور خط بھیجوں گا جس کی ایک نقل میں باپو کی اطلاع کے لئے ملفوف کر رہا ہوں۔

اسٹیفرڈ کرپس یہاں تھے اور اب کل وہ دہلی اور لاہور کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وہ بمبئی اور واردھا جائیں گے۔ اس وقت کا عارضی پروگرام یہ ہے کہ وہ ۱۷ر کی صبح کو واردھا میں ہوں گے جو اتوار کا دن ہے اور دو دن وہاں قیام کریں گے۔ میں اِن تاریخوں کو پسند نہیں کرتا اس لئے کہ یہی تاریخیں باپو کے مون برت اور مجلس عاملہ کی ہوں گی۔ اگر وہ ۱۸ر اور ۱۹ر کو وہاں ہوتے تو بہت بہتر ہوتا۔ یہ پروگرام کرپس کے لئے زیادہ موزوں ہوتا۔

کرپس ہیلی، شوستر، فنڈلے ٹر، اسٹیورٹ اور زٹلینڈ سے بڑی طویل باتیں کرتے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہیلی فاکس سے بھی ملے ہیں۔ انھوں نے ان لوگوں کے سامنے ایک خاص تجویز رکھی تھی جس کا ان لوگوں نے، بہ قول کرپس، امید افزا جواب دیا، اگرچہ کسی نے خود کو اس کا پابند نہیں بنایا۔ میں نے یہ تجویز دیکھی ہے۔ اس تجویز میں کچھ باتیں اچھی ہیں۔ مگر میرے خیال کے مطابق اس میں دو یا تین نقصان دہ خرابیاں بھی ہیں۔ اس تجویز کی ایک نقل میں باپو کے لیے تمھیں کچھ دنوں بعد بھیج سکتا ہوں، مگر میں تم سے یہ چاہوں گا کہ تم اُسے قطعاً بصیغہ راز رکھو۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یوں تو کرپس ایک بڑا راست باز شخص ہے اور اُس کی قابلیتوں میں کوئی شک و شبہہ نہیں کیا جا سکتا مگر اُس کے فیصلوں پر ہمیشہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

میں غالباً تیرھویں کے قریب بمبئی جاؤں گا۔

تمھارا پُر محبت

جواہر لعل

شری مہادیو ڈیسائی

سیگاؤں

۲۸۹۔ بنام ایم۔ اے۔ جناح

الٰہ آباد

۹ر دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے پیارے جناح

دو دن ہوئے میں نے آپ کو ایک خط بھیجا تھا اور اطلاع دی تھی کہ میں جلد ہی بمبئی جانے والا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہاں آپ سے ملوں گا۔ کل صبح میں نے اخباروں میں آپ کا وہ بیان پڑھا جس میں آپ نے بائیس دسمبر کو اس بنا پر یوم نجات و شکر منانا طے کیا ہے کہ بالآخر کانگریسی حکومتیں ختم ہوگئیں اور انھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ میں نے اس بیان کو بہت غور سے پڑھا اور

کئی بار پڑھا، اور پورے چوبیس گھنٹے اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ اس خط میں واقعات، تاثرات یا نتائج کے بارے میں بحث میں پڑنا میرا کام نہیں ہے۔ ان چیزوں سے متعلق میرے آراء و افکار، جو مجھے امید ہے کہ پوری سنجیدگی، متانت اور حق و صداقت کی ایک طلب کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں، آپ پر روشن ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں؛ میں نے مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ روشنی مجھے نہیں ملی۔

کل سے جس چیز نے میرے قلب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے وہ یہ احساس ہے کہ زندگی نیز سیاست کے اقدار و مقاصد کے شعور میں میرے آپ کے درمیان بڑا شدید اختلاف ہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد میں نے امید کی تھی کہ یہ اختلاف اتنا شدید نہ ہوگا مگر اب تو یہ خلیج جو میرے آپ کے درمیان حائل ہے ہمیشہ سے زیادہ وسیع تر معلوم ہوتی ہے۔ ان حالات میں میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ جو مسائل ہمارے سامنے ہیں اُن پر میرا آپ کا باہم غور و فکر کرنا کیا مفید نتیجہ پیدا کرسکتا ہے۔ ایسی گفت و شنید کے بارآور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ گفت و شنید کرنے والوں کے درمیان بات چیت کرنے کے لیے کوئی مشترک بنیاد اور کوئی مشترک مطمحِ نظر اور مقصد موجود ہو۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی طرف سے نیز خود میری طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہے کہ یہ دشواری میں آپ کے سامنے رکھ دوں۔

آپ نے دہلی میں مجھے ایک خط دکھایا تھا جو آپ کو کسی نے بجنور سے لکھا تھا۔ میں نے جب اس معاملے کی چھان بین کی تو مجھے بتایا گیا کہ واقعات، جس طرح آپ سے بیان کیے گئے ہیں، صحیح نہیں ہیں اور سرتاسر گمراہ کن ہیں۔ اگر آپ ان واقعات کی تفصیل جاننا چاہیں تو میں وہ بجنور سے آپ کے لیے منگا سکتا ہوں۔ اس غرض کے لیے میں چاہوں گا کہ آپ اُس خط کی ایک نقل مجھے بھیج دیں جو آپ نے دہلی میں مجھے دکھایا تھا۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

ایم۔ اے۔ جناح اسکوائر

۲۹۰۔ از ایم۔ اے۔ جناح

بمبئی،

۱۳ر دسمبر ۱۹۳۹ء

پیارے جواہر لعل

مجھے آپ کا خط مورخہ ۹ر دسمبر ملا۔ چوں کہ اخباروں میں آپ کی پیہم نقل و حرکت کی خبریں چھپ رہی تھیں میں یہ نہیں طے کر پا رہا تھا کہ میں آپ کے خط کا جواب کس پتے پر بھیجوں۔ سب سے آخر میں یہ اعلان نظر سے گزرا کہ آپ چودہ کو بمبئی پہنچ رہے ہیں اس لئے یہ خط میں آپ کے بمبئی کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ میں اس بات میں آپ سے بالکل متفق ہوں کہ "کسی گفت و شنید کے بار آور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گفت و شنید کرنے والوں کے درمیان گفت و شنید کے لئے کوئی مشترک بنیاد اور کوئی مشترک مطمحِ نظر اور مقصد موجود ہو"۔ ٹھیک اسی خیال سے میں نے گزشتہ اکتوبر میں اپنی دہلی کی گفتگو میں مسٹر گاندھی پر نیز آپ پر واضح کر دیا تھا کہ "اولاً جب تک کہ کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہندوستان کی مستند، با اختیار اور نمائندہ جماعت تسلیم نہیں کر لیتی ہندو مسلم تصفیہ سے متعلق گفت گو کا جاری رکھنا ممکن نہ ہوگا اس لئے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے اسی بات کو بنیادِ گفتگو قرار دیا ہے، دوسرے یہ کہ جب تک کہ مسئلۂ اقلیت سے متعلق ہم باہم کسی سمجھوتے تک نہیں پہنچ جاتے تب تک ہم کانگریس کی طرف سے اُس اعلان کے مطالبے کی تائید نہیں کر سکتے جس کا خاکہ مجلسِ عاملہ کی اُس قرارداد میں دیا گیا ہے جس کی توثیق ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے کی، قطع نظر اس سے کہ مطلوبہ اعلان اپنی نوعیت میں مبہم، غیر واضح اور ناقابلِ عمل ہے۔ مسلم لیگ بھی وائسرائے کے اعلان سے مطمئن نہیں ہوئی۔ اگر خوش قسمتی سے ہم لوگ ہندو مسلم سوال کا کوئی تصفیہ باہم کر لیں تو اُس وقت ہم اس پوزیشن میں ہوں گے کہ ایک ایسا متفقہ ضابطہ ترتیب دیں جس کی بنیاد پر ہم شاہِ برطانیہ کی حکومت سے ایک ایسے اعلان کا مطالبہ کریں جو ہم سب کو مطمئن کر دے۔ دہلی والی ملاقات میں نہ تو میری پہلی تجویز مسٹر گاندھی یا آپ کے نزدیک قابلِ قبول ٹھیری اور نہ

دوسری مگر آپ نے ازراہِ کرم یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھ سے دوبارہ ملنا پسند کریں گے جس کے جواب میں میں نے کہا کہ مجھے ہمیشہ آپ سے ملنے میں مسرت ہوگی۔ میں نے آپ کے خط مورخہ یکم دسمبر کے جواب میں جس میں آپ نے مجھ سے بمبئی میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی آپ کو مطلع کیا تھا کہ میں دسمبر کے تیسرے ہفتے تک بمبئی میں رہوں گا اور مجھے آپ سے مل کر مسرت ہوگی۔ اب میں صرف اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ اگر آپ معاملے پر مزید غور و فکر کرنا پسند کریں تو میں حاضر ہوں۔

آپ نے حادثۂ بجنور کا جو ذکر کیا ہے سو اُس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے اس بارے میں اتفاق کریں گے کہ اس سے پیشتر کہ کسی نتیجے تک پہنچا جا سکے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حادثے کی پوری پوری عدالتی تحقیق و تفتیش ہو جائے، مگر کسی ایک منفرد حادثے پر غور و فکر کرنا مشکل ہی سے ہمارے اوقات کا کوئی معقول مصرف ہوگا، اس لئے کہ میری رائے میں دستور پر جس طریقے سے عمل کیا جا رہا ہے اس پورے طریقۂ عمل کی اور کانگریسی حکومت کے خلاف ہمارے الزامات کی ایک شاہی کمیشن کے ذریعے پوری پوری جانچ ہو جانی ضروری ہے۔

آپ کا مخلص

ایم۔ اے۔ جناح

پنڈت جواہر لعل نہرو

بمبئی

۲۹۱۔ بنام ایم۔ اے۔ جناح،

بمبئی

۱۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جناح،

آپ کے خط مورخہ ۱۳ر دسمبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میرے یہاں پہنچنے پر آج دوپہر سے پہلے میرے حوالے کیا گیا۔ میں نے اپنا آخری خط آپ کو الہ آباد سے آپ کا وہ بیان پڑھ لینے اور اُس پر پوری طرح غور و فکر کر لینے کے بعد بھیجا تھا

جس میں آپ نے مسلمانوں کی طرف سے یوم نجات و شکر منائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے مجھے سخت اذیت پہنچی تھی اس لیئے کہ اس نے مجھے محسوس کرا دیا کہ پبلک مسائل پر غور و فکر کرنے کے انداز میں جو خلیج میرے آپ کے درمیان حائل ہے وہ بہت وسیع ہے۔ اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آپ سے گفت و شنید کے لیئے اب میرے آپ کے درمیان مشترک زمین کون سی باقی رہ گئی ہے اور میں نے اپنی دشواری آپ کے سامنے رکھ دی تھی۔ یہ دشواری اب بھی باقی ہے۔

اپنے خط میں آپ نے دو اور ایسی ابتدائی شرطوں پر زور دیا ہے جن کے بغیر گفت و شنید یا غور و فکر کے لیئے کوئی مشترک زمین پیدا نہیں ہو سکتی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ کانگریس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہندوستان کی مستند، با اختیار اور نمایندہ تنظیم تسلیم کرے اور اُس سے ایسا ہی برتاؤ کرے۔ کانگریس نے مسلم لیگ کو ہمیشہ مسلمانوں کی ایک بہت اہم اور با اثر تنظیم سمجھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس بات کے آرزومند رہے ہیں کہ اگر ہمارے درمیان کچھ اختلافات پائے جاتے ہوں تو انھیں طے کر ڈالیں۔ مگر جو کچھ آپ تجویز فرما رہے ہیں وہ غالباً اس سے کچھ زیادہ ہے اور اس کا اقتضا یہ ہے کہ دوسرے مسلمان جو مسلم لیگ میں نہیں ہیں ہم انھیں ٹھکرا دیں یا ان سے قطع تعلق کر لیں۔ جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کانگریس میں بھی ہے جو ہمارے قریب تر رفقاء کار رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ کچھ اور مسلم تنظیمیں بھی ہیں، جیسے جمعیت علماء، آل انڈیا شیعہ کانفرنس، مجلسِ احرار، اور آل انڈیا مومن کانفرنس وغیرہ، یہ تنظیمیں اُن تجارتی انجمنوں اور کسانوں کی انجمنوں کے علاوہ ہیں جن میں بہت سے مسلمان بھی شامل ہیں۔ ان میں بہت سی تنظیموں اور بہت سے اشخاص نے عموماً وہی سیاسی پلیٹ فارم اختیار کر رکھا ہے جو کانگریس کے اندر ہمارا ہے۔ ان انجمنوں، تنظیموں اور اشخاص سے نہ تو ہمارا قطعِ تعلق کر لینا ممکن ہے اور نہ ہم ان کو کسی طریقے پر ٹھکرا سکتے ہیں۔

آپ نے بہت سے موقعوں پر یہ صحیح فرمایا کہ کانگریس ہندوستان میں

ہر شخص کی نمایندگی نہیں کرتی۔ یقیناً وہ ہر شخص کی نمایندگی نہیں کرتی۔ یہ اُن لوگوں کی نمایندگی نہیں کرتی جو اُس سے اختلاف رکھتے ہیں، خواہ وہ ہندو ہوں خواہ مسلمان۔ آخری تجزیے کی رو سے کانگریس اپنے ممبروں اور اپنے ہمدردوں کی نمایندگی کرتی ہے۔ یہی حال مسلم لیگ اور دوسری تنظیموں کا ہے۔ یہ بھی اپنے ممبروں اور اپنے ہمدردوں کی نمایندگی کرتی ہیں۔ مگر یہاں ایک اہم فرق بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کانگریس کی رکنیت تو اُس کے دستورِ اساسی کی رو سے ہر اُس شخص کے لئے کھلی ہوئی ہے جو اُس کے مقصد اور طریقِ کار کو تسلیم کرتا ہے مگر مسلم لیگ کی رکنیت کا دروازہ صرف مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے دستوری طور پر کانگریس ایک قومی بنیاد رکھتی ہے اور وہ اس بنیاد سے اسی وقت دست بردار ہو سکتی ہے جب وہ اپنا وجود ہی ختم کر دے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہندو مہاسبھا میں بہت سے ہندو ہیں جو اس خیال کے مخالف ہیں کہ کانگریس ہندوؤں کی نمایندگی بہ حیثیت اُن کے ہندو ہونے کے کر سکتی ہے۔ پھر سکھ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کا مطالبہ یہ ہے کہ جب فرقہ وارانہ معاملات پر غور و فکر کیا جائے تب اُن کی باتیں بھی سُنی جانی چاہئیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم تمام دوسرے مسلم اداروں یا اشخاص کو علیحدہ کر کے تنہا مسلم لیگ ہی کو مسلمانوں کا واحد نمائندہ ادارہ تسلیم کر لیں تو ہمیں خدشہ ہے کہ ہم آپ کا یہ مطالبہ قطعاً تسلیم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر ہم کانگریس کے لئے کوئی ایسا دعویٰ کریں تو، باوجود اس ادارے کی انتہائی وسعت کے، واقعات ہمارے اس دعوے کی تائید نہ کریں گے۔ مگر میں یہ عرض کرنے کی جسارت ضرور کروں گا کہ جب دو ادارے باہم گفت و شنید اور ایسے مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں جن سے دونوں دل چسپی رکھتے ہیں تب اس قسم کے سوالات پیدا نہیں ہوتے۔

آپ کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کانگریس نے برطانوی حکومت سے کسی اعلان کا مطالبہ کیا تو مسلم لیگ اس مطالبے کی تائید نہیں کر سکتی۔ یہ جان کر مجھے افسوس ہوا، اس لئے کہ اِس کے معنی یہ ہوئے کہ فرقہ وارانہ سوالات سے قطعِ نظر،

ہم خالص سیاسی بنیادوں پر باہم کُلّیتہً مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ بنیادی اور لازمی طور پر اعلانِ مقاصدِ جنگ کا مطالبہ ہے اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانیوں کے اس حق کے اعلان کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنا دستورِ اساسی بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود ترتیب دے سکتے ہیں۔ اگر مسلم لیگ اس سے اتفاق نہیں کرتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سیاسی مقاصد سرتاسر مختلف ہیں۔ کانگریس کا یہ مطالبہ کوئی نیا مطالبہ نہیں ہے۔ یہ کانگریس کی پہلی دفعہ میں داخل ہے اور ہماری تمام پالیسی، گزشتہ کئی سالوں سے اسی پر مبنی رہی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کانگریس اس کو ترک کیوں کر کر سکتی ہے یا اُس میں کوئی تبدیلی بھی کیوں کر کر سکتی ہے۔ ذاتی طور پر میں کسی تبدیلی کی کوشش کا کلّیتہً مخالف ہوں گا۔ مگر یہ کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک قرارداد ہے جس کی تائید ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں جلسوں میں کی گئی اور مجھے اس قرارداد کے نظر انداز کر دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں بالکل بے بس ہوں۔

اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے ہمارے درمیان کوئی مشترک زمینِ بحث و فکر نہیں ہے اور ہمارے مقاصد مختلف ہیں۔ یہ اختلاف بجائے خود باہم گفت و شنید اور غور و فکر کو دشوار اور بے نتیجہ بنا دیتا ہے۔ اور جس چیز نے مجھے آپ کو اپنا پچھلا خط لکھنے پر آمادہ کیا وہ بھی باقی ہے —— یعنی آپ کی تجویز کے مطابق مسلمانوں کا ایک یومِ نجات منانا۔ یہ بات بڑے اہم اور دُور رس مسائل پیدا کرتی ہے جن کی تفصیل میں مجھے اس وقت پڑنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جو ہم سب کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گی۔ فرقہ وارانہ مسئلے کو اس انداز سے چھیڑنا اور اُسے حل کرنے کی کوشش کرنا، ان دونوں باتوں میں تطبیق نہیں کی جا سکتی۔

اس لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس مرحلے پر اور ان حالات کے ماتحت اس پسِ منظر کے ساتھ ہمارا ایک دوسرے سے ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہ کرے گا۔ بہر حال میں آپ کو یہ یقین دلا دینا چاہتا ہوں، کہ ہم فرقہ وارانہ یا

دوسرے مسائل پر کانگریس اور لیگ کے درمیان آزادی اور صفائی کے ساتھ بحث اور غور و فکر کے لئے ہمیشہ تیار ہیں۔

آپ نے حادثۂ بجنور سے متعلق جو کچھ کہا ہے اُس کو میں نے بہ غور پڑھا۔ یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ الزامات یک طرفہ طریقے پر لگائے جاتے ہیں، مگر نہ تو کبھی ان کی جانچ ہوتی ہے اور نہ اُن کو تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ آپ اس بات کو مانیں گے کہ شکایتیں کرنا بہت آسان ہے اور بغیر واجبی تحقیق کے ان پر اعتماد کر لینا بہت نقصان دِہ ہوا کرتا ہے۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

ایم۔ اے۔ جناح اسکوائر،

بمبئی

۲۹۲۔ از ایم۔ اے۔ جناح

بمبئی،

۱۵ر دسمبر ۱۹۳۹ء

پیارے جواہر

آپ کا چودھویں دسمبر کا خط ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے دوسرے مسئلے سے متعلق میری پوزیشن صحیح طور پر نہیں سمجھی۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر کانگریس برطانوی حکومت سے کسی اعلان کا مطالبہ کرے گی تو مسلم لیگ اس کے مطالبے کی تائید نہ کر سکے گی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کانگریس نے اُس قسم کے کسی اعلان کا مطالبہ کیا جس کا چربہ مجلسِ عاملہ کی اُس قرارداد میں دیدیا گیا ہے جس کی توثیق دسویں اکتوبر ۱۹۳۹ء کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے کر دی ہے تو اس صورت میں اُن اسباب کی بنا پر جو میں اپنے خط میں بیان کر چکا ہوں، ہم اس مطالبے کی تائید نہیں کر سکتے۔

اب اگر کانگریس کی اس قرارداد کی کسی طریقے پر ترمیم نہیں کی جا سکتی اور، جیسا کہ آپ کہتے ہیں، ذاتی طور پر آپ ہر اُس کوشش کے قطعاً مخالف ہوں گے

جو اس میں ترمیم و تغیر کے لئے کی جائے گی، اور پھر جیسا کہ آپ نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ مسلم لیگ کو آپ مسلمانانِ ہندوستان کا مستند، بااختیار اور نمایندہ ادارہ تسلیم کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں ہیں تو پھر اِن حالات میں کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ آپ مجھ سے کیا کرنے کی توقع یا خواہش رکھتے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم۔اے۔جناح

۲۹۳۔ بنام ایم۔اے۔جناح

بمبئی،

۱۶ر دسمبر ۱۹۳۹ء

میرے عزیز جناح

آپ کے مورخہ ۱۵ر دسمبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جس فرق کی طرف آپ نے توجّہ دلائی ہے میں اُسے محسوس کرتا ہوں۔ یقیناً مسلم لیگ برطانوی حکومت کی طرف سے کئے جانے والے کسی اعلان کے خیال کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ سوال صرف اُس اعلان کی نوعیّت اور مضمون کا ہو سکتا ہے۔ کانگریس نے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ جنگ کے مقاصد کا اعلان کر دیا جائے اور ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانیوں کا یہ حق کہ وہ اپنا دستور اساسی خود ترتیب دے سکتے ہیں، تسلیم کر لیا جائے، یہ ایک ایسا حق ہے جو لازماً آزادی کی حقیقت سے جُدا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سب وہ بنیادی اصول ہیں جو ہمارے مقصد آزادی کے منطقی نتائج ہیں۔ اور چوں کہ مسلم لیگ بھی اسی مقصد کا اعلان کر چکی ہے اس لئے ان اصولوں کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہ ہونا چاہیے۔ ان اصولوں پر عمل کرنے میں بلا شبہہ بہت سے اہم معاملات پر غور کرنا پڑے گا۔ مگر جہاں تک بنیادی مطالبات کا تعلق ہے وہ ہندوستانی قومیت کی حقیقت اور روح ہیں۔ ان مطالبات سے دست بردار ہو جانا یا اُن میں اہم تبدیلیاں کر دینا خود اپنے مطالبۂ آزادی کے مقدمے کو بگاڑ لینا یا کمزور کر دینا ہے۔

جنگ کے بارے میں بھی کانگریس گزشتہ گیارہ سالوں میں اپنی پالیسی کا کئی بار اعلان کر چکی ہے۔ موجودہ اعلان اُس پالیسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ اس پالیسی کی تشکیل میں شخصی طور پر میں نے بھی تھوڑا بہت حصّہ لیا ہے اور میں نے اس کو اہمیت دی ہے۔ آپ اس بات کو پورے طور پر محسوس کریں گے کہ اس کے پسندیدہ ہونے کا سوال تو ایک طرف رہا، ایسی قدیم اور بنیادی پالیسیوں کا بدلنا ہی بہت دشوار ہے۔ یہ پالیسیاں اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے سیاسی ہیں اور میں تو یہاں تک عرض کرنے کی جُرات کروں گا کہ ہندوستان کی آزادی کے مطالبے پر یہی اور صرف یہی پالیسیاں مرتّب ہو سکتی ہیں۔ تفصیلات پر غور و فکر اور بحث کی جا سکتی ہے، اُن پر عمل کرنے کی صورت میں باہم تعاون سے متعیّن کی جانی چاہئیں، اور، خصوصیت کے ساتھ، مختلف جماعتوں اور اقلیتوں کے مفادات پر احتیاط کے ساتھ غور کرنا اور انھیں محفوظ کر دینا چاہیئے۔ مگر اس اعلان کی بنیاد ہی کو معرضِ بحث میں لے آنا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ سیاسی نظریوں اور پالیسیوں میں بڑا شدید اختلاف ہے۔ اس بات کا بجائے خود ہندو مسلم مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے سیاسی مقاصد میں قدرِ مشترک برائے نام ہی رہ گئی ہے۔

کیا میں اس بات کو مکرر کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میں جانتا ہوں ہماری طرف سے کوئی شخص بھی مسلم لیگ کے مستند ہونے، اُس کے اثر اور اُس کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا اور نہ اُسے گھٹا کر دکھاتا ہے۔ اسی سبب سے ہم مسلم لیگ کے ساتھ معاملات پر غور و فکر کرنے اور اُن مسائل کے ایک اطمینان بخش حل تک پہنچنے کے آرزومند رہے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ان مسائل پر غور و فکر کے مناسب طریقے تک کبھی پہنچ بھی نہیں پاتے اس لئے کہ بہت سے مختلف قسم کے عوائق اور رکاوٹیں شرائطِ ماقبل کی شکل میں ہماری راہ میں حائل ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ شرائطِ ماقبل، جیسا کہ میں نے آپ کو بتانے کی جرأت کی ہے، بڑی دُور رس اہمیت رکھتی ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اِن شرطوں کو ہر ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت کیوں دی جائے، یا وہ

ہمیں اِن مسائل پر غور و فکر کرنے سے کیوں روکیں۔ اِن عوائق کو راہ سے دُور کرکے خود موضوعِ بحث سے براہِ راست تعلق پیدا کر لینا دشوار نہ ہونا چاہئے۔ مگر چوں کہ یہ رکاوٹیں موجود اور جاری و ساری ہیں اور ان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے میں خود کو یہ سمجھنے پر مجبور پا رہا ہوں کہ اصل دشواری سیاسی نظریوں اور مقاصد کا اختلاف ہے۔

اس زمانے میں ۲۲ ر دسمبر کو ایک کُل ہند مظاہرہ کرنے کے فیصلے نے ایک ایسی نفسیاتی رکاوٹ کا اضافہ اور کر دیا جو مسائل زیرِ بحث پر باہم مل جل کر بحث کرنے سے اور ان کو طے کرنے سے ہمیں روک دیتی ہے۔ مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے اور میں نے یہ خواہش کی ہے کہ آپ اس رکاوٹ کو جو بغض و عداوت کی طرف لے جا رہی ہے اور جو صرف اسی طرف لے جا سکتی ہے۔ دور کرنے کی کوئی راہ پیدا کریں۔ میں اب بھی امید رکھتا ہوں کہ شاید آپ ایسا کر سکیں۔

میں اس بات کا آپ کو ضرور یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ ایسا اٹھا رکھنا نہیں چاہتا جو باہم مفاہمت اور تصفیے کی جانب رہبری کر سکتا ہو۔ مگر جس طرح میں آپ سے یہ نہیں چاہتا اُسی طرح آپ مجھ سے بھی یہ نہ چاہیں گے کہ کسی چیز کی طلب و جستجو میں میں فکر و نیت کی دیانت و راست بازی ترک کروں۔ اس طریقے سے کوئی کار آمد چیز ہاتھ نہیں آسکتی۔ میں گہرے سیاسی عقیدے رکھتا ہوں اور سالہا سال سے میں انہی عقیدوں کے مطابق محنت و مشقت کرتا رہا ہوں میں یہ عقیدے کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور اس وقت تو اور بھی یہ خیال دل میں نہیں لا سکتا جب کہ دنیا ایک ہیبت ناک بحران کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

۲۹۴- از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا

۲۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء

عزیزی جواہر لعل

تمھارا خط مجھے ملا۔ چین والا خط میں محفوظ رکھوں گا۔ یومِ نجات کے اشتہار کے لئے ٹی آف آئی (ٹائمز آف انڈیا) کا ایک پورا صفحہ دیا گیا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ہر جگہ ناکام اور بے اثر سا دکھائی دیا۔

تم نے فضل الحق کی فردِ قرار دادِ جرم پڑھی؟ کیا اس سلسلے میں کچھ کرنا یا کہنا نہ چاہیے؟

تم نے مجھے کمارآپا کے وہ خطوط نہیں بھیجے جن پر تم نے سخت اعتراضات کیے تھے۔ وہ یہیں ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ آج کل انھوں نے کوئی چیز نہیں بھیجی ہے۔ تمھارے پاس جو کچھ ہو براہِ کرم مجھے ضرور بھیج دو۔

محبت

باپو

۲۹۵- بنام ایڈورڈ تھامپسن

الہ آباد

۵ر جنوری ۱۹۴۰ء

پیارے ایڈورڈ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ دن ہوئے تمھارا چھوٹا بھائی چل بسا۔ یہ خبر سُن کر مجھے قلق ہوا۔ خصوصاً اُس صدمے کے خیال سے جو تمھیں یقیناً پہنچا ہوگا۔ تم نے اپنے آخری خط میں اُس کی علالت کا ذِکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ اُس کے جاں بر ہونے کی امید کم ہی رہ گئی ہے۔ اس خبرِ بد کے سبب میں تمھارے خط کا جواب لکھنے میں پس و پیش کرتا رہا ہوں۔

کل کی ڈاک سے مجھے تمھاری دو کتابیں موصول ہوئیں، جان آرنی سن اور

تمھاری نظموں کا مجموعہ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم نے یہ کتابیں خصوصاً اپنی نظموں کا مجموعہ مجھے بھیجا۔ تم دوسرے میدانوں میں بھی اپنی آوارہ گردی کے باوجود واضح طور پر ایک شاعر بھی ہو۔

میں اخبارات میں تمھارے کچھ خطوط اور مضامین بھی پڑھتا رہا ہوں اور اُن کو میں نے پسند کیا۔ یہاں کی صورتِ حال اُس وقت کے مقابلے میں جب تم آئے تھے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اگرچہ اس اثنا میں یقیناً بہت سی عجیب و غریب چیزیں وقوع میں آئی ہیں۔ تم نے جناح کے "یومِ نجات" کا ذکر ضرور سنا ہوگا۔ انھوں نے اس بات کو ناممکن بنا دیا ہے کہ اُن سے معقول قسم کی گفت و شنید کا کوئی راستہ پیدا کیا جا سکے۔ مگر اب کے اُن کا نشانہ کچھ ٹھیک نہیں بیٹھا اور مسلم حلقوں میں خاصی ناراضگی پھیل گئی۔

لے سن سے اندرا کا خط آیا ہے۔ وہ وہاں خوش نظر آتی ہے اور اس جگہ کو پسند کرتی ہے۔ ڈاکٹر نے اُس سے کہہ دیا ہے کہ وہ اُسے تین ماہ کے اندر ایک "ڈایانا" بنا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فطرتاً ڈاکٹر کی اس بات نے اُسے نہایت خوش کر دیا ہے۔

فوج کی جس دشواری کا تم نے ذکر کیا ہے وہ بے شک موجود ہے اگرچہ اس کی اہمیت میں اتنی نہیں سمجھتا جتنی تم ظاہر کرتے ہو۔ فوج کا تقریباً ۵۲ فی صد پنجاب فراہم کرتا ہے اور مسلمانوں کا تناسب پورے ملک میں ۳۲ فی صد مجھے بتایا گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا برطانوی قلمرو ہم رُتبہ قوموں کی ایک وسیع تر تنظیم میں، دنیا کی ایک ممالک متحدہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن اگر تمھارا پُرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے تو مجھے نہایت مسرت ہوگی۔ تمھاری تجویز کے مطابق اگر زائرین کے ٹرسٹ کی قسم کی کوئی چیز ہندوستان میں دل چسپی لینے لگے تو یہ ایک بڑی عمدہ بات ہوگی۔ تمھاری دوسری تجویز کے بارے میں کہ میں کسی ایسے ہندوستانی فاضل کا نام تجویز کر دوں جو کسی ہندوستانی تاریخی یا ادبی موضوع پر ایک سلسلہ خطبات دے سکے، بے سوچے سمجھے فوراً کوئی نام تجویز کرنا مشکل ہے۔ سرِ دست ایک نام میرے ذہن میں آرہا ہے اور وہ ڈاکٹر تارا چند کا نام ہے۔

میں نہیں جانتا کہ تم بھی اُن سے واقف ہو یا نہیں۔ چند سال پیشتر وہ آکسفورڈ میں تھے اور وہیں سے کسی تاریخی موضوع پر انھوں نے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ وہ اس وقت یہاں الٰہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں مغلوں کے عہد کی تاریخ میں خصوصی مہارت پیدا کی ہے اور خصوصاً اس عہد کی تاریخ کے اس پہلو پر کہ اسلام اور ہندوئیت نے ایک دوسرے پر کیوں کر اثر ڈالا، ایک دوسرے سے کیوں کر متاثّر ہوئے اور ایک قسم کا امتزاج سا برروئے کار لانے پر مائل ہوئے۔ چند روز ہوتے ہیں۔ انھوں نے ہسٹاریکل سوسائٹی کے سامنے اس موضوع پر ایک بڑا مقالہ پڑھا تھا۔

پروفیسروں اور پروفیسر طرز کے لوگوں سے میری اپنی شناسائی کسی قدر محدود سی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ڈاکٹر تارا چند سے بہتر لوگ موجود ہوں۔

روڈز میموریل لیکچر سے متعلق تمھاری تجویز میں نے کان کھول کر اور بغور سنی۔ میں تمھاری صلاح پر عمل کروں گا اور دفعتہً نہیں نہ کردوں گا۔ عزّت اور امتیاز کی نسبت تم نے جو کچھ کہا ہے اُسے میں پورے طور پر سمجھتا ہوں۔ ہم سب ہی ان دونوں چیزوں کے حریص ہیں۔ لیکن، اگرچہ تم شاید مجھے باور نہ کرو، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں کسی قدر شرمیلا واقع ہوا ہوں اور نئے میدانوں میں قدم رکھنے کی جرأت کرتے ہوئے مجھے پس و پیش ہوا کرتا ہے۔ بہ ہر صورت میں اپنا دماغ کھلا رکھوں گا اور دیکھوں گا کہ معاملات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی چند مہینوں بعد کیا کرنے والا ہے۔ بہت سے مختلف اسباب کی بنا پر میں انگلستان جانا بہت پسند کروں گا، اور شاید امریکا جانا بھی۔ میں ہمیشہ محسوس کیا کرتا ہوں کہ میں ہندوستان سے باہر رہ کر ہندوستان کے لئے زیادہ مفید ہو سکتا ہوں۔ یہ احساس کہ میں یہاں کے چوکھٹے میں ٹھیک نہیں بیٹھتا میرا پیچھا نہیں چھوڑتا اور مجھے دل گرفتہ اور اُداس سا رکھا کرتا ہے۔

میں اس خط کے ساتھ دو تصویریں بھیج رہا ہوں جو تمھیں الٰہ آباد کی یاد دلادیں گی۔

آلن لین چاہتے ہیں کہ میں ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال پر ایک

مختصر سا کتابچہ "پینگوئن سیریز" کے لئے لکھ دوں۔ اس قسم کی کوئی چیز لکھنا میرا کام نہیں ہے، حقیقت میں یہ تمھارا کام ہے۔ واقعی میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس کے متعلق میں کیا کروں گا۔ لکھنے کے لئے وقت نکالنا بڑا مشکل کام ہے۔

تمھارا

جواہر لعل نہرو

ڈاکٹر ایڈورڈ تھامپسن

سانڈرز کلوز بلڈلو

آیلسبری، انگلستان

۲۹۶۔ بنام جے۔ ہومز اسمتھ

میرٹھ

۱۰ر جنوری ۱۹۴۰ء

پیارے مسٹر ہومز اسمتھ

آپ کا خط مورخہ یکم جنوری میرے الہ آباد سے روانہ ہونے سے کچھ ہی پہلے مجھے ملا۔ میں یہ خط آپ کے خط کے جواب میں بھیج رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس خط کے توسط سے آپ کو کچھ امریکی دوست مل جائیں گے۔ نیز یہ خط آپ کے رفقائے کار کے لئے ایک پیغام بھی فراہم کردے گا۔

ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کے لئے آپ کے جوش وخروش اور ممالک متحدۂ امریکا میں اس مطالبے کی تائید حاصل کرنے اور اُسے آگے بڑھانے کے شوق کو میں نے بہ نظرِ تحسین دیکھا اور خوش آمدید کہا۔ آپ نے اپنے اسی جذبے کے سبب لال باغ آشرم سے اپنا تعلق قطع کر لینے میں پس وپیش نہیں کیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے ساتھ ہم سب کا سلام ہمارے امریکی دوستوں اور ہمدردوں کے لئے لے جائیں گے۔ ہم اس بات کو پورے طور پر سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد ہندوستان ہی میں جاری رکھنی ہوگی اور اس میں فتح بھی یہیں حاصل کرنی ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود ہم باشندگانِ امریکا کی اچھی رائے اور ہمدردی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ آج

دنیا میں امریکا کے لوگ ایک طاقت ور مستحکم جمہوریت کی نمایندگی کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا کے معاملات کو نئی شکل دینے میں وہ بڑا زبردست پارٹ ادا کرنے والے ہیں۔ چوں کہ ہم لوگ خود ہندوستان میں ایک آزاد جمہوری حکومت کے تخیّل کے لئے ہمہ تن وقف اور پابند ہیں اس لئے فطری طور پر بہت سے طریقوں سے ہماری نگاہیں امریکا کی طرف اٹھا کرتی ہیں۔ یہ بات مجھے بدیہی سی معلوم ہوتی ہے کہ دُنیا کے مسائل کا کوئی معقول اور مناسب تصفیہ اُس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہندوستان اور چین کو بھی اس تصفیہ میں شامل نہیں کر لیا جاتا اور اُن سے آزاد قوموں جیسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ فطری طور پر ہم اپنے لئے آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر ہم نے یہ بات واضح کردی ہے کہ ہم ایک نئے عالمی نظام کے حامی ہیں اور ہندوستان معاملاتِ عالم کو اس طرز پر ڈھالنے میں خوشی کے ساتھ تعاون کرے گا۔ یہ کام اطمینان بخش طریقے پر صرف صلح و امن، آزادی اور جمہوریت کی بنیاد پر انجام پا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری اور لازمی ہو جاتا ہے کہ ہندوستان اور چین دونوں آزادی اور جمہوریت سے بہرہ ور ہوں۔ ورنہ کوئی اطمینان بخش سیاسی یا اقتصادی تصفیہ نہ ہو پائے گا اور موجودہ فقدانِ توازن اور کشاکش جاری رہے گی۔ یہ اک کھلی ہوئی اور صاف سی بات ہے کہ چین اور ہندوستان کے موجودہ اور امکانی دونوں طرح کے غیر محدود وسائل، عالمی معاملات میں یقیناً ایک اہم پارٹ ادا کرنے والے ہیں۔

اس وقت تو ہمیں اپنی تمام توجہ ہندوستان کی آزادی پر مرکوز کرنی ہے مگر ہم کوشش کرتے ہیں کہ ایسا کرتے وقت دنیا کا وسیع تر ظاہری تناسب ہماری نظر میں رہے اور جب ہم اس بات کی کوشش کرتے ہیں تب ہمیں ناگزیر طور پر امریکا کا دھیان آتا ہے۔

یورپ کی جنگ سے متعلق ہم نے جو روش اختیار کی ہے اُس سے آپ واقف ہیں۔ ہم فاشستی اور نازیسی اصول اور نظریوں کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں اور ہر قسم کی جارحیت پر ہم نے ہمیشہ لعنت بھیجی ہے۔ اگر ہم لوگوں کو اس

امر کا یقین ہوتا کہ موجودہ جنگ میں ایک طرف آزادی کے حامی صف آرا ہیں اور دوسری طرف ناتسی اصول کے پرستار تو ہم خوشی کے ساتھ اپنا بوجھ آزادی کے حامیوں کی طرف ڈال دیتے۔ مگر جب ہم نے برطانوی حکومت کو دعوت دی کہ وہ مقاصدِ جنگ سے متعلق ایک بیان جاری کر دے اور ہندوستان کے ساتھ ایک آزاد ملک کا سا برتاؤ کرے تو ہماری یہ دعوت ٹھکرا دی گئی اور ہم پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جنگ اصل میں برطانوی شہنشاہیت کے تحفظ و بقا کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہم اپنے آدمیوں اور وسائل کے استعمال کئے جانے پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم ناتسی اصول و عقائد کے مخالف ہیں تو ہم شہنشاہیت کے بھی مخالف ہیں۔ یہ جنگ، جس طریقے پر کہ وہ اس وقت لڑی جا رہی ہے، ہمیں دو حریف شہنشاہیتوں کی کشمکش نظر آ رہی ہے اور ہم کسی ایسی کشمکش میں اُس وقت تک شریک نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ بات واضح نہ کر دی جائے کہ مقصدِ جنگ آزادی و جمہوریت ہے۔ اور یہ بات صرف اُس برتاؤ اور سلوک سے واضح کی جا سکتی ہے جو ہندوستان کے ساتھ روا رکھا جائے۔ ہمارا مطالبہ ایک سادہ سا مطالبہ ہے اگرچہ اُس سے بنیادی مسائل اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم ہندوستان کی آزادی کا اعلان چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کے اس حق کا استقرار کہ وہ اپنا دستورِ اساسی ایک نمائندہ اسمبلی کے ذریعے بغیر کسی خارجی و بیرونی مداخلت کے خود مرتب کر سکتے ہیں۔ اگر یہ کر دیا گیا تو ہمارا خیال ہے کہ برطانوی شہنشاہیت، نیز دوسری شہنشاہیتوں کے پورے ڈھانچے میں ایک اہم تبدیلی ہو جائے گی اور خود شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ باشندگانِ امریکا ہماری اختیار کردہ پوزیشن کو سمجھ لیں اس لئے کہ ہم کو یقین ہے کہ ایسا کرنے کے بعد اُن کے اندر اُس مقصد کے لئے جس پر وہ بھی یقین رکھتے ہوں گے، ہمدردی بھی پیدا ہو جائے گی اور خیر سگالی کے جذبات بھی۔

یہی وہ پیغام ہے جو میں چاہتا ہوں کہ آپ ہماری طرف سے ہمارے امریکی دوستوں کے لئے لے جائیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہندوستان کی موجودہ

صورتِ حال بہت ناپائدار اور متزلزل ہے اور ہر لمحہ سنگین حالات کے پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔ یہ حالات خواہ کیسے ہی اور کچھ ہی کیوں نہ ہوں ہم اِن مقاصد کو نہ چھوڑیں گے اور اُن کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔

اقلیتوں کے مسئلے کو ہماری آزادی کے راستے میں ایک روک بناکر دکھایا گیا ہے۔ مگر حقیقت میں مسئلے کی یہ صورت نہیں ہے، اس لئے کہ ہم ہندوستان کی اقلیتوں کو جمہوریت، آزادی اور ہندوستانی اتحاد کی حدود کے اندر ہر ممکن التصوّر ضمانت دینے کو تیار ہیں۔

آپ کے لئے اور آپ کے رفقائے کار کے لئے تمام اچھی آرزوؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

مسٹر جے۔ ہیلنز اسمتھ

آشرم، لال باغ

لکھنؤ

۲۹۷۔ بنام مہاتما گاندھی

۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

میرے پیارے باپو،

سیگاؤں میں آپ نے جنگ سے متعلق مولوٹاف کی تقریر کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھا تھا اور میں نے جواب میں کچھ عرض کر دیا تھا جو کسی قدر مبہم تھا۔ مولوٹاف کی اس تقریر کے بعد سے اب تک بہت سی باتیں ہو چکی ہیں اور پوزیشن بہت دشوار اور پیچیدہ ہو گئی ہے۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کہ فن لینڈ سے متعلق روس نے غلط روش اختیار کی اور اُس کو اپنی اس غلط روش کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ مگر جو چیز ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ پریشان کن ہے وہ یہ واقعہ ہے کہ اس انگریزی فرانسیسی جرمن لڑائی کے پردے میں حقیقت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ روس سے نبرد آزما ہونے کے لئے شہنشاہیت دوست اور فاشستی قوتیں ایک، اور متحد ہو رہی ہیں۔ یہ بات

تواب پہلے سے بھی واضح تر ہو کر سامنے آگئی ہے کہ یہ جنگ دونوں جانب سے شہنشاہیت پرستی ہی کی ایک خطرناک مہم ہے۔ سیاست داں حضرات اُسی طرح حسین فقرے استعمال کر رہے ہیں جس طرح وہ ۱۹۱۴ء میں استعمال کیے گئے تھے۔ میرے خیال میں یہ نہایت اہم اور ضروری ہے کہ ہم اِن فقروں اور پرہیزگارانہ اعلانات اور احتجاجات میں پھنس نہ جائیں۔ یہ تمام باتیں ہندوستان میں ہماری پوزیشن اور برطانوی حکومت کے ساتھ ہماری کسی گفت و شنید کے ساتھ بڑا قریبی تعلق رکھتی ہیں۔ حکومت کا مقصد یہ ہے کہ اپنی جنگ کے لئے وہ ہماری خیرسگالی اور خیر اندیشی حاصل کرے۔ ہندوستان کے سوال سے کُلّیتہً قطع نظر بھی کر لیجیے، تب بھی موجودہ حالات میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شہنشاہیت کے تحفظ و بقا کے لئے جو لڑائی لڑی جا رہی ہو اُسے ہم اپنی اخلاقی مدد کا سہارا کیوں دیں؟ ہاں، اگر برطانیہ ہندوستان کے ساتھ اپنا طرزِ عمل بنیادی طور پر بدل ڈالے اور ہماری آزادی کا اعتراف کر لے تو اس کے معنی بجائے خود یہ ہوں گے کہ اُس کی شہنشاہیت نے ایک اہم تبدیلی قبول کر لی ہے۔ مگر جس بات کا ظہور پذیر ہونا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ شہنشاہیت یونہی باقی رہے گی اور اُس کے تحفظ و بقا کے لئے جنگ بھی جاری رہے گی، خواہ حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر ہندوستان سے متعلق بعض مبہم سے اعلانات بھی کر دیئے جائیں۔ اِن اعلانات کے متعلق بھی یہ کہہ دیا جائے گا کہ ان کی تعمیل جنگ کے ختم ہو جانے پر کی جائے گی۔ یہ پوزیشن ہمارے حق میں مجھے ایک بہت خطرناک پوزیشن دکھائی دیتی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہر قسم کی بے ایمانی کی ذمے داریوں اور معاہدوں میں ہمیں برطانوی شہنشاہیت پرست پالیسی میں اُلجھ جانا پڑے گا۔ اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں بہت محتاط اور ہوشیار رہنا چاہیئے اور اس بات کو پورے طور پر واضح کر دینا چاہیئے کہ ہم جنگ کے اِن شہنشاہیت پرستانہ مقاصد کی تائید نہ کریں گے۔

جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں، قرینِ قیاس ہے کہ پوزیشن جلد ہی بہت زیادہ

پیچیدہ ہو جائے گی اگر مغربی طاقتیں روس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور اٹلی کے ساتھ اُن کی ساز باز کامیاب ہوگئی۔ یہ مغربی طاقتیں اس جنگ کو اشتراکیت کے خلاف ایک مقدس جنگ کا نام دیں گی اور اس کے پردے میں نہ صرف اپنی شہنشاہیت کو مستحکم کرنے کی سعی کریں گی بلکہ سوویت روس کی اشتراکی حکومت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی کوشش کریں گی۔ اس سے قطعِ نظر کہ ہم روس کی پالیسی سے اتفاق کرتے ہیں یا نہیں، یہ صورت ہر نقطۂ نظر سے ایک مصیبت ہوگی۔ میں آپ سے التجا کروں گا کہ آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں اور ہندوستانی گفت و شنید کو اِن تمام حالات کو سامنے رکھ کر دیکھیں۔

آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ آپ کے مقالات کے دو ایک امید پرور فقروں نے نیز بعض چھوٹے چھوٹے واقعات نے مثلاً گورنر یو پی کا آنند بھون آنا، اِن باتوں نے ہر جگہ یہ غیر معمولی اثر پیدا کر دیا ہے کہ برطانیہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تصفیہ عنقریب ہونے والا ہے اور کانگریسی وزارتیں جلد ہی پھر کام شروع کر دینے والی ہیں۔ جناح اس سے ہماری آزادی کا مذاق اُڑا کر فائدہ اُٹھا رہے ہیں، مسلم لیگ کو کچھ سر اُٹھانے کا موقع مل گیا ہے، اور جہاں تک ہمارے اخباروں کے ایڈیٹروں کا تعلق ہے، انھوں نے حسبِ معمول بدتمیزیاں کرنے کی راہیں نکال لی ہیں۔ یہ تمام باتیں ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں بھی اور انگلستان میں بھی ایک غلط اثر پیدا کرتی ہیں۔ یہ بات ایک ممکن تصفیے کے امکانات کو بھی ایک حد تک گھٹا دیتی ہے۔ جو بات دوبارہ وقوع میں آنے والی ہے وہ یہ ہے کہ وائسرائے شکایت کریں گے کہ اُن کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا۔ روزنامۂ پایونیر اس سُرخی کے ساتھ شائع ہوا ہے: "وائسرائے نے کانگریسی وزارتوں کے استعفے کو گیدڑ بھبکی سے تعبیر دی ہے"۔ ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے کہ پسِ پردہ کیا ہو رہا ہے؟ ہر جگہ کسی بڑے اور ناگہانی انقلاب کی توقع کی جا رہی ہے۔

یہ تمام باتیں نہ صرف واقعات اور موجودہ صورتِ حال کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتیں بلکہ کسی قسم کی ذہنی یا اور کسی قسم کی تیاریوں کے لئے ایک

غلط فضا پیدا کرتی ہیں۔
شخصی طور پر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ کسی تصفیہ کا کوئی واقعی امکان نہیں پایا جاتا حالانکہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ برطانوی حکومت اس کو پسند کرے گی۔ مگر یہ لوگ ہمارا کم از کم مطالبہ تسلیم کر لینے سے بھی بہت دور ہیں۔ برطانوی حکومت آج جیسی رجعت پسند اور شہنشاہیت پرست ہے ویسی وہ کبھی نہیں تھی اور اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ ہمارے سامنے جھک جائے گی اک ایسی توقع ہے جو اس مرحلے میں پوری نہیں ہو سکتی۔ جھوٹی امیدیں دلانی نہ کوئی معقول بات ہے اور نہ قرینِ مصلحت۔ بلکہ ایسا کرنا ہماری پوزیشن کو کمزور بھی کر سکتا ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اس وقت دوسرے پہلو پر زور دینا زیادہ بہتر ہوگا تاکہ دوسرا فریق ٹھیک ٹھیک جان لے کہ معاملات کی کیا نوعیت ہے اور وہ اپنے آپ کو اُس کے مطابق بنا لے۔

آپ کا پُر محبت
جواہر لعل

مہاتما گاندھی

۲۹۸۔ بنام مہاتما گاندھی

الٰہ آباد

نجی ۴ر فروری ۱۹۴۰ء

میرے پیارے باپو
آپ کل دہلی پہنچیں گے اور کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ وہاں ایک ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ ٹھیرنے والے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہاں کیا نئے حالات رونما ہو جائیں گے اور آپ کا ہم میں سے کسی کو دہلی بُلا لینا ضروری ہو جائے گا یا نہیں۔ ذاتی طور پر مجھے اس بات کا کوئی بھی امکان نظر نہیں آتا، اس لئے کہ حکومت کے انداز و روش میں کوئی خفیف سا تغیر بھی میں نہیں پا رہا ہوں۔ بہ ہر صورت میں نے آپ کو مطلع کر دینا چاہا کہ اگلے دو ہفتوں کے اندر میرے لئے دہلی جانے کا خیال بھی کرنا نہایت ہی دشوار ہوگا۔ میں ان دو ہفتوں میں بالکل مصروف

رہوں گا۔ آج رات میں دو دن کے لئے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ سات کو میں ایک دن کے لئے الٰہ آباد آؤں گا اور آٹھ کو بمبئی چلا جاؤں گا جہاں مجھے پلاننگ کمیٹی کی اہم نشستوں میں شرکت کرنی ہے جس کو میں نے خاص طور پر بعض معاملات پر غور کرنے کی غرض سے طلب کیا ہے۔ اگر میں وہاں نہیں جاؤں گا تو یہ نشستیں درہم برہم اور بے نتیجہ ہو جائیں گی۔ میں نو کی صبح سے لے کر بارہ کی شب تک بمبئی میں رہوں گا، اور پھر لکھنؤ چلا جاؤں گا۔ چودہ، پندرہ اور سولہ کو میں صوبائی کانگریس اور مندوبین کی نشستوں میں شرکت کے لئے لکھنؤ میں رہوں گا۔ توقع ہے کہ اگلے دو دنوں میں بڑے بڑے عام اجتماعوں کے لئے میں گورکھپور میں ہوں گا۔ اگلے دو ہفتوں کے لئے اس وقت میرا یہ پروگرام ہے۔

گزشتہ کم و بیش ایک ماہ کے اندر جو کچھ ظہور میں آیا ہے اُس نے میرے اس یقین کو پختہ تر بنا دیا ہے کہ اس بات کی امید باندھنے کی کوئی ادنیٰ ترین وجہ بھی نہیں پائی جاتی کہ برطانوی حکومت ہماری پوزیشن تسلیم کرے گی۔ فی الحقیقت بہت سی باتیں ایسی ہوئی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ لوگ ایک بہت ہی صاف اور متعین شہنشاہیت پرست پالیسی پر چل رہے ہیں۔ آپ نے یقیناً دیکھا ہو گا کہ برطانوی پارلیمنٹ نے ابھی ابھی ایک مسودۂ قانون پاس کیا ہے جس سے حکومت ہند ایکٹ میں ترمیم کی گئی ہے اور جو ٹیکس لگانے کے بارے میں صوبائی حکومتوں کے اختیارات کو محدود کرتا ہے۔ اس ترمیم کا تعلق خصوصیت کے ساتھ یو۔ پی میں جائداد پر ٹیکس لگانے سے تھا جو اس طرح نامنظور کر دیا گیا۔ کسی ایسے فیصلے کے نقص سے قطع نظر جو صوبائی اسمبلی کے اختیارات کو گھٹا دیتا ہے، اس کے لئے جس وقت اور جس طریقے کا انتخاب کیا گیا ہے وہ برطانوی حکومت کے شہنشاہیت پرستانہ اندازِ فکر کے آئینہ دار ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اندازِ فکر کسی طرح پر نہیں بدلا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی توجہ لندن کی ایک تازہ معاشرتی تقریب کی طرف مبذول کرائی گئی ہے یا نہیں جس کی تنظیم شاہی مرکزی ایشیائی انجمن نے کی تھی۔ لارڈ زِٹلینڈ نے صدارت کی تھی اور کابینہ کے متعدد وزراء شریک

تھے۔ ظاہری مقصد تو یہ تھا کہ لندن میں مسلم ثقافت اور دین کا ایک مرکز قائم کیا جائے، مگر اصل مقصد پین اسلام ازم کی ہمت افزائی کرنا اور اس جذبے کو ہندوستان اور اسلامی ملکوں میں اتحادیوں کے مفاد میں استعمال کرنا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز بات ہے کہ یہ جنگ کس طرح پکے اور سچے "شہنشاہیت پرست خطوط پر آگے بڑھ رہی ہے اور کیونکر واقعات اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں۔

یہ تمام باتیں اس خیال سے میل نہیں کھاتیں کہ انگلستان اپنی شہنشاہی سے دست بردار ہو جانے کی تیاریاں کر رہا ہے، اور نہ یہ دیکھ کر مطلق کوئی ہمت افزائی ہوتی ہے کہ ہم پھر آپ کی سرکردگی میں لوگوں کا ایک جلوس لے کر وائسرائے سے ملنے کو جا رہے ہیں۔ وہی پرانا کھیل پھر کھیلا جا رہا ہے، وہی پس منظر ہے، وہی مختلف النوع مقاصد ہیں، وہی اداکار ہیں اور نتائج بھی یقیناً وہی سامنے آئیں گے۔

کچھ بدقسمت اور بے واسطہ نتائج بہرحال اور بھی ہیں۔ عن قریب ہونے والے سمجھوتے کی ایک فضا سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے جب کہ حقیقت میں اس امید کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ فضا کمزور بنا دینے والی اور بددل کر دینے والی ہے اس لئے کہ وہ قوت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگ ہر قیمت پر اختلافات اور تصادم سے کترا کر نکل جانے کے آرزومند ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو تھوڑے سے بہت اختیارات ہمارے پاس پہلے تھے وہ ہمیں پھر مل جائیں۔ ٹکراؤ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس سے ہر قیمت پر بچا نہیں جا سکتا اس لئے کہ بعض اوقات ٹکراؤ سے جی چرانا بجائے خود زیادہ مہنگا اور نقصان رساں ثابت ہوا کرتا ہے۔ اس وقت، بہرحال، کسی ٹکراؤ کا کوئی فوری سوال نہیں ہے۔ سوال اس وقت یہ ہے کہ اپنی پوزیشن عزت و وقار کے ساتھ باقی رکھی جائے اور اس کو کسی طرح کمزور نہ ہونے دیا جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس وقت انگلستان اور ہندوستان دونوں جگہ یہ تاثر عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ ہم اب کسی حال میں بھی کسی ٹکر کے لئے تیار نہیں ہیں اور اس لئے ہمیں جو کچھ بھی مل جائیگا ہم اسے قبول کر لیں گے۔ اس قسم کا تاثر ہمتیں پست کر دے گا۔ میں نے گذشتہ پندرہ

دنوں میں دیکھا کہ ہمارے مندوبین کانگریس کا انتخاب تک اس سے متاثر ہوا ہے بہت سے لوگ جو کسی امکانی ٹکراؤ کے خوف سے پیچھے ہی رہا کرتے تھے، اب جب کہ ان کو عہدوں اور اختیارات کے لذیذ میووں سے لطف اندوز ہونے کا امکان نظر آرہا ہے تو وہ پھر گھس بیٹھ کر پہلی صف میں آگئے ہیں۔ غیر پسندیدہ اشخاص کو کانگریس سے الگ رکھنے کی وہ کوشش جو گزشتہ کئی مہینوں تک کی گئی کسی حد تک ناکام ہوگئی۔ اس لئے کہ ہندوستان کی فضا میں ایک ایسا ناگہانی تغیر پیدا ہوگیا ہے جس نے لوگوں کو یہ یقین دلا دیا کہ عنقریب ہی کوئی سمجھوتا ہونے والا ہے۔

برطانوی حکومت کا ردِ عمل بھی ہمارے حق میں ایک طرح سے ناموافق ہی رہا ہے چاہے وہ نرم و شیریں ہی زبان کیوں نہ اختیار کرے۔ یقیناً وہ ہم سے کوئی نہ کوئی سمجھوتا کر لینا چاہتی ہے اس لئے کہ اس جنگ میں وہ ہماری مدد کی خواستگار ہے۔ مگر اس سے کہیں زیادہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ حقیقی قوت و اقتدار کے ایک ذرّے سے بھی دست بردار ہونا یا ہم سے کوئی سمجھوتا کر لینے کی غرض سے اپنی بنیادی شہنشاہیت پرست پالیسی بدل ڈالنی نہیں چاہتی۔ اگرچہ یہ کبھی کبھار مسلم لیگ کے خلاف کچھ تنقیدی کلمات کانگریس کی تسلّی و تشفّی کی غرض سے استعمال کر دیا کرتی ہے پھر بھی فرقہ وارانہ مسئلہ پر یہ اپنی پرانی ساز باز جاری رکھا کرتی ہے اور جاری رکھے گی۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ یہ کوشش کرے گی کہ اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ ہم کو بھی اپنا طرفدار بنالے۔ اگر یہ ممکن ہے تو اس کے لئے اچھا ہے۔ اگر یہ بات نہیں ہوتی، جیسا کہ خود اس کو بھی قرینِ قیاس نظر آتا ہے، تو پھر وہ یہ دکھانے کی غرض سے کہ ہم ایک سمجھوتے سے بہت قریب آگئے ہیں، مسئلے کو طول دینے کی نیت سے وقتاً فوقتاً ہندوستانی رہنماؤں سے گفت و شنید جاری رکھے گی اور اس طرح وہ ایک طرف دنیا کی رائے عامّہ کو تسکین دیتی رہے گی اور دوسری طرف ہندوستان کی رائے عامّہ کو۔ یہ دوسری پالیسی، اُن کے نقطۂ نظر سے، ایک مزید فائدہ یہ رکھتی ہے کہ وہ ہماری قوتِ عمل کو بتدریج ختم کر دے گی اور ہمارے جوش و خروش کو دھیما کر دے گی تاکہ اگر بالآخر

کوئی ٹکر آن ہی پڑے تو اس کے لئے جس قسم کی فضا کی ضرورت ہے وہ موجود نہ ہو۔ انگلستان کے سرکاری حلقوں میں عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ نتیجہ اُن کی ــــ صلح کی شرائط پر بات کرتے رہو اور ٹالتے رہو ــــ والی پالیسی کا رہینِ منت ہے۔ نیز یہ کہ ہندوستان کی صورتِ حال جو کانگریسی وزارتوں کے مستعفی ہو جانے کے وقت خطرناک نظر آرہی تھی اب بہت آسان ہے اور کسی خطرے کا اندیشہ نہیں ہے۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ہمیں عجلت سے کام لے کر قبل از وقت کسی ٹکر کو ہرگز دعوت نہ دینی چاہئے۔ اور نہ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اگرچہ ہمیں کسی ممکن اور باعزت سمجھوتے پر دروازے بند نہ کر دینے چاہئیں اس لئے کہ آپ کے کام کرنے کے طریقے کبھی بھی دروازے بند کر دینے کے موئید نہیں رہے ہیں تاہم یہ بات ہمیں قطعاً صاف اور واضح کر دینی ضروری ہے کہ اُن شرطوں کے سوا جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کسی دوسری شرط یا شرطوں پر نہ کوئی سمجھوتا ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ ہماری ان شرطوں پر بھی جنگ کے دوران میں پیش آنے والے نئے حالات کے نقطۂ نظر سے ایک ہلکی سی نظرِ ثانی ہو جانی چاہئے۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ ہم نے اُس وقت کہا تھا، کہ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ یہ جنگ شہنشاہیت کی ہے یا نہیں۔ برطانوی حکومت کی طرف سے ہمیں جو جواب ملا ہے وہ جواب اور اسی طرح اس جنگ میں نیز خارجی معاملات میں اُس کی جو پالیسی ہمیشہ رہی ہے وہ پالیسی، یہ دونوں چیزیں سرتاپا شہنشاہیت پرستی ہی کی آئینہ دار رہی ہیں۔ اس لئے اس کے خلاف خواہ کچھ ہی کہا جائے ہمیں اِسی مسلّمہ واقعہ کو بنیاد قرار دے کر آگے بڑھنا چاہئے کہ یہ ایک شہنشاہیت پرستانہ جنگ ہے۔ جنگ اور اُس کے ساتھ برطانوی پالیسی برابر شرارت آمیز اور بدخواہ ہوتی جارہی ہے اور میں ہرگز نہ چاہوں گا کہ ہندوستان کسی طریقے پر بھی اس شہنشاہیت پرستانہ جوکھم میں اُلجھے جس سے ہندوستان کو نہ صرف مادّی نقصان پہنچے گا بلکہ روحانی بھی۔ آج مجھے یہی بات سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے۔

اس بنا پر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمارے کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ہم دنیا کے سامنے، برطانوی حکومت کے سامنے اور ہندوستان کے لوگوں کے سامنے اپنی پوزیشن یا اپنا موقف بالکل واضح کر دیں۔ اس سمجھوتے کے مسئلے پر حد سے زیادہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اور یہ غلط فہمی ہمارے حق میں کلیتہً نقصان رساں اور برطانوی شہنشاہیت کے حق میں مفید ہے جو اس اثنا میں ہمارے وسائلِ جنگ کام میں لاتی رہتی اور یہ دکھانے کی کوشش بھی کرتی رہتی ہے کہ ہماری خیر خواہی اور ساکھ ایک بڑی حد تک اُس کے ساتھ ہے۔ ہمارا برطانوی حکومت یا وائسرائے کے پاس جانا ان غلط فہمیوں میں اضافہ کرتا ہے اور برطانوی حکومت کو صحیح قسم کے سمجھوتے سے اور بھی زیادہ دور کر دیتا ہے۔

راج گوپال آچاریہ کی بعض حالیہ تقریروں سے مجھے تکلیف پہنچی اس لئے کہ اُن میں نوآبادیاتی رُتبے پر مصالحت کرنے والی اور اسی قسم کی کچھ اور باتیں ملتی ہیں۔ کانگریس بے شمار آوازوں میں بولتی ہے اور اس لئے اگر ابتری، پراگندگی اور اُلجھن پیدا ہو جائے تو تعجب نہیں ہے۔ آزادی کے سوال پر تو کم از کم ایک آواز ہونی چاہیے۔

آج میں نے دو لمبے لمبے خط آپ کو لکھ ڈالے ہیں جن کے لئے میں آپ کی شفقت و محبّت اور معافی کا خواستگار ہوں۔

آپ کا پُر محبّت
جواہر لعل

مہاتما گاندھی، نئی دہلی

۲۹۹۔ بنام ابوالکلام آزاد،

الہ آباد، ۲۲ فروری، ۱۹۴۰ء

میرے محترم مولانا

کچھ باتیں ہیں جن کو میں آپ کے غور و فکر کے لئے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، کل اسٹیشن پر ہمیں کسی بھی مسئلے پر بات کرنے کا بہت ہی

تھوڑا سا وقت ملا۔

ا۔ جب سے جنگ کا آغاز ہوا ہے برطانوی حکومت کی پوری پالیسی سے یہ بات روشن رہی ہے کہ یہ لوگ عمداً اور یکساں طور پر ایک شہنشاہیت پرست خط پر چل رہے ہیں۔ جنگ سے پہلے چیمبرلین کی حکومت اپنی قطعی رجعت پسندی کے لئے مشہور رہی ہے اور بہت سے موقعوں پر تو اس حکومت نے فاشستی اور ناتسی طاقتوں کی ہمت افزائی کی اور یورپ میں جمہوریت کو کچل کر رکھ دیا۔ حبش، اسپین، آسٹریا، چیکوسلوواکیا اور البانیا کے معاملوں میں یہ بات آشکارا تھی۔ منچوریا کے معاملے میں بھی اس حکومت کی پالیسی اسی قسم کی تھی۔ مسٹر چیمبرلین کی حکومت کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ سیکڑوں سال سے انگلستان میں اتنی بڑی رجعت پسند اور شہنشاہیت پرست کوئی حکومت برسرِ اقتدار نہیں آئی۔

بہرحال جب ان لوگوں کی اپنی شہنشاہی کو خطرہ لاحق ہوا تو ان لوگوں نے جمہوریت کی آڑلی اور جنگ شروع کردی۔ لوگ یک بیک جمہوریت دوست بن گئے یہ باور کرلینا دشوار تھا۔ بعد کے واقعات نے دکھا دیا ہے کہ اُن کی پُرانی پالیسی مطلق نہیں بدلی ہے اور سچ پوچھئے تو اب اس پالیسی پر زیادہ سختی کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ لوگ ہٹلر کو جو ان کی شہنشاہی کے لئے ایک خطرہ بن گیا ہے ہٹا دینا چاہ رہے ہیں۔ یہ پرانی پالیسی یورپ میں، مشرق بعید میں اور خود امریکا میں بھی تمام رجعت پسند عناصر کی ہمت افزائی کرنے اور روس کو کمزور بنا دینے کی سعی و کوشش کی پالیسی تھی جو ان تمام رجعت پسند عناصر کے لئے نیز شہنشاہیت پرستی کے لئے ایک دعوتِ مبارزت یا چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر ایک طرف بڑھتی ہوئی ناتسی قوت کا خوف بعض اوقات ان لوگوں کو مدد کے لئے روس کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا ہے تو دوسری طرف روس اور جمہوریت کی ترقی پذیری سے ان لوگوں کی نفرت اتنی شدید ہے کہ یہ لوگ روس سے کسی طریقے پر تعاون نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر یہ لوگ آخیر لمحے تک ہٹلر اور مسولینی کے ساتھ اُن کی تسکین د

دل جوئی کی پالیسی پر گامزن رہے، اور اپنے اس طرزِ عمل سے اُن کو بہت مضبوط بنا دیا۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ ہٹلر کو سوویت روس کے ساتھ جنگ میں اُلجھا دیں اور اس ترکیب سے اپنے دونوں خاص دشمنوں کو کمزور کر دیں۔ یہ لوگ کسی حالت میں بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جرمنی یا اٹلی میں ترقی پسند حکومتیں برسرِ اقتدار آئیں۔

یہ لوگ اسی طریقے پر کھیلتے رہے، یہاں تک کہ روس محسوس کرنے لگا کہ یہ صورتِ حال اُس کے لئے بہت خطرناک ہے اور برطانوی پالیسی کے خلاف شکوک و شبہات سے تنگ آکر اُس نے اس چال کا توڑ یوں کرنے کی کوشش کی کہ نازی جرمنی کے ساتھ وہ کوئی معاہدہ کرلے۔ روس کی اس چال نے وقتی طور پر برطانوی منصوبے درہم و برہم کر دیئے۔

برطانیہ کی بنیادی سوویت دشمن پالیسی برابر جاری رہی اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج بھی جبکہ انگلستان جرمنی سے برسرِ جنگ ہے برطانوی حکومت، جرمن دشمن ہونے سے کہیں زیادہ سوویت دشمن ہے۔ یہ لوگ جرمنی میں کوئی اس طرز کا اندرونی تغیّر چاہ رہے ہیں جس سے ہٹلر کو مسندِ اقتدار جرمنی کے فوجی راہناؤں کے حق میں خالی کر دینی پڑے اور پھر یہ لوگ جرمنی کے ان فوجی راہناؤں سے صلح کرلیں۔ اس صلح کے بعد انگلستان، فرانس، جرمنی اور دوسرے ممالک روس پر ایک متحدہ حملہ کریں۔ آیا ایسا ہو بھی پائے گا یا نہیں، اس وقت کچھ کہنا دشوار ہے۔ مگر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ برطانوی پالیسی قبل از جنگ اور بعد از جنگ، برابر اور یکساں طور پر، برطانوی حکومت کے تمام اعلانات کے باوجود، رجعت پسندانہ اور شہنشاہیت پرستانہ رہی ہے۔

۲۔ روس نے بہت سی غلطیاں کی ہیں اور قابلِ ذکر طور پر، میرے خیال میں، اُس کا فن لینڈ پر حملہ آور ہونا، اصولاً اور مصلحتاً دونوں اعتبار سے، ایک بڑی سنگین غلطی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ انگلستان فن لینڈ کو روس کے خلاف بہ طور ایک سازش گاہ کے استعمال کر رہا تھا اور روس پر آگے چل کر حملہ آور ہونے کے لئے اسی کو اپنا نقطۂ آغاز بنا رہا تھا۔ اسلحہ وہاں جمع کیے جا رہے

تھے۔ روس اس نئی صورت کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا اور اُس نے سُرعت کے ساتھ فن لینڈ پر حملہ کر کے اس چال کا توڑ کرنے کی کوشش کی۔ یہ اُس سے سخت حماقت ہوگئی۔ اس حماقت نے اُس کو ایک طرف انگلستان اور فرانس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا دیا اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف دنیا کی ترقی پسند رائے عامہ کو اُس کے خلاف کر دیا۔ انگلستان کو موقع مل گیا، جس کا وہ جویا بھی تھا، کہ وہ جمہوریت کا حامی اور دوست بن کر نمودار ہو اور اپنے پچھلے چند سالوں کے گناہ لوگوں کی یاد سے محو کر دے۔ مجلسِ اقوام جس نے فاشستی اور ناتسی جارحانہ اقدامات اور حملوں پر کبھی غور و فکر بھی نہیں کیا تھا، روس کو موردِ الزام قرار دینے کے لئے یک بیک جاگ اٹھی۔ اب میرے ذہن میں اس امر سے متعلق کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ روس کی حالیہ پالیسی غلط رہی ہے اور اُسے ضرور موردِ الزام قرار دینا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ برطانوی حکومت کی طرف سے روس کو ہر سمت سے گھیر لینے کی یکساں اور متواتر کوششوں کے سبب یہ پالیسی کیوں کر بن سکی۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات اب یہ ہے کہ ہمیں یہ بات پوری طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فن لینڈ کی صورتِ حال کو انگلستان اپنے شہنشاہیت پرستانہ مفاد کے حق میں استعمال کرنا اور جنگ کے دائرے کو روس تک پھیلا دینا چاہتا ہے۔ یہ بات ہمارے لئے خطروں سے لبریز ہے، اس لئے کہ اگر انگلستان اور روس کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو ہماری سرحدیں بھی اس لپیٹ میں آجاتی ہیں اور ہمارے لئے اہم ہو جاتا ہے کہ ہمارے دماغ اپنی پالیسی کی نسبت صاف رہیں۔ اگر ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم روس کے بہت سے اقدامات پر نکتہ چینی کریں اور اُن کو مردود قرار دیں تو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی نہایت ہی خطرناک ہوگی کہ ہم برطانوی شہنشاہیت پرستی کو اس کا موقع دیں کہ وہ اس صورت حال کو اپنے مفاد میں استعمال کریں۔

میرے خیال میں اگر روس کے خلاف کوئی جنگ برپا کر کے اُسے بے دست و پا اور کمزور بنا دیا گیا تو یہ ایک المیہ ہوگا اس لئے کہ اُس صورت

میں شہنشاہیت پرستی کا تنہا مخالف میدان سے ہٹا دیا جائے گا۔ مگر اس سے قطعِ نظر بھی، ہر ایسی چیز جو برطانوی شہنشاہیت پرستی کو قوت دے ہمارے لئے خطرناک ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ روس سے متعلق برطانیہ کی موجودہ پالیسی کی نسبت ہمارا ذہن صاف رہے اور ہماری طرف سے اعلان ہو جائے کہ ہم اس پالیسی کے مخالف ہیں اور کسی حالت میں بھی ہم روس کے خلاف برطانیہ کے کسی اقدام کی نہ تائید کریں گے اور نہ اُسے پسند کریں گے میرا خیال ہے کہ ہماری طرف سے اپنی پالیسی کا صاف لفظوں میں اظہار و اعلان بے اثر نہ رہے گا۔ اگر برطانیہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرے گا ہندستان اُس کو چُپکے سے بغیر کسی شدید اظہارِ ناپسندیدگی کے قبول کرلے گا تو پھر جنگ کے پھیل جانے اور روس کے بھی اُس کے لپیٹ میں آجانے کے امکانات بہت زیادہ ہیں، جس کے نتائج و عواقب سے ہماری ہندوستانی سرحد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ اس کے برخلاف اگر انگلستان یہ دیکھتا ہے کہ روس پر اُس کے حملہ آور ہونے کو ہندستان میں سخت بیزاری اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا اور اس طرح کی پالیسی کی مزاحمت کی جائے گی تو بہت ممکن ہے کہ جنگ کو دوسرے مقامات تک پھیلا دینے سے پہلے روس پر حملہ آور ہونے میں وہ پس و پیش کرے۔ برطانوی حکومت اس وقت پس و پیش میں ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ روس پر حملہ کرنا چاہتی ہے مگر نتائج سے خوف زدہ ہے۔ اگر اُسے اطمینان ہو جائے کہ ہندستان میں امن رہے گا تو وہ بے دھڑک روس پر حملہ کر دے گی۔ ورنہ وہ اپنے ہاتھ روکے رکھے گی۔ اس لئے اس معاملے میں ہمارے انداز و روش کی ایک اہمیت ہے اور یہ اچھا ہو گا کہ ہم تا حدِّ امکان صفائی اور قوت کے ساتھ اس کا اظہار کر دیں۔

۳۔ جو کچھ انگلستان اور فرانس میں ہو رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ممالک کس درجہ رجعت پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ فرانس اس وقت ایک فوجی آمریت ہے جو شہری آزادی کو پورے طور پر کچل رہی ہے۔ وہاں بہت سے ممبرانِ پارلیمنٹ اس لئے گرفتار کر لئے گئے ہیں کہ حکومت

اُن کے آراء و افکار پسند نہیں کرتی۔ اسی جُرم میں کئی سوسیولسٹ پارٹیاں بھی دبا دی گئی ہیں۔ انگلستان میں معاملات اس حد تک نہیں پہنچے ہیں مگر رجحان وہاں بھی یہی ہے۔ عملاً اور باعتبار نتیجہ انگلستان اور فرانس دونوں مُلکوں کی حکومتیں روز بروز فاشستی نوعیت کی ہوتی جارہی ہیں، اگرچہ باتیں وہ جمہوریت کی کرتی رہتی ہیں۔ یہ دونوں حکومتیں جنگ کے مقاصد کی نسبت کچھ کہنا نہیں چاہتیں اور ۱۹۱۴ء کی طرح صاف طور پر اپنی شہنشاہیوں کو مستحکم کرنا اور اپنی حریف شہنشاہیوں کو نیز تمام ترقی دوست قوتوں کو خواہ وہ اُن کی شہنشاہیوں کی حدود کے اندر ہوں خواہ باہر، کمزور کر دینا چاہتی ہیں۔ کانگریس نے جو سوال برطانوی حکومت سے ستمبر میں کیا تھا اُس کا جواب بڑی صفائی کے ساتھ برطانوی نیز فرانسیسی پالیسیوں کی زبان سے مل گیا ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ ہم شہنشاہیت پرستی کے حامی ہیں اور ہم اُس کی بقاء و تحفظ کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اب ہم فاشستیت اور نازیت پر لعنت بھیجتے ہیں اور اگر اس جنگ میں ہٹلر کامیاب اور فتحیاب ہو گیا تو بُرا ہو گا۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔ دوسری طرف برطانوی شہنشاہیت پرستی کی فتحیابی کے معنی یہ ہوں گے کہ چیمبرلینی طرزِ حکومت پہلے سے بھی زیادہ طاقت ور ہو کر جاری رہے۔ یہ بھی اتنا ہی بُرا ہے اور پیہم جدال و قتال کا سبب بنا رہے گا۔ اس لئے قومی اور بین الاقوامی دونوں نقطہائے نظر سے کسی ایسی فتح و ظفر کی کسی طریقے پر بھی مدد کرنی ہماری حماقت ہوگی۔ اس لئے انگلستان اور ہندوستان کے درمیان کا جو مسئلہ ہے اُس کے کسی اندرونی حل سے بالکل قطعِ نظر، یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ ہم برطانوی شہنشاہی کے تحفظ و بقاء کے لئے اپنے وزن سے اِک شہنشاہیت پرستی کی جنگ کا پلّہ بھاری نہیں کرنے کے۔

۴۔ آپ نے بین اسلام ازم کے تخیّل کی نشاتِ ثانیہ دیکھی ہوگی۔ یہ صرف یہاں کی مسلم لیگ یا دوسرے اداروں کی کاوشں کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ بنیادی طور پر برطانوی حکومت کی اس خواہش کا نتیجہ ہے کہ اس تخیّل کی ہمّت افزائی کی جائے۔ ۱۹۱۴ء اور اُس کے بعد کے زمانے میں بین اسلام ازم ایک

دشمنِ شہنشاہیت پرستی قوت تھی۔ اس نے برطانوی قوم کو اُس کی جنگی تیاریوں میں کمزور کر دیا تھا اور بعد کو اس نے ہندوستان میں تحریکِ خلافت کے پس منظر کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ مگر آج یہی تخیل برطانوی شہنشاہیت پرستی کی تائید میں استعمال ہو رہا ہے۔ یہ صورت ہندوستان میں کسی حد تک قومی محاذ میں رخنہ انداز ہوتی اور مشرقِ ادنیٰ میں مسلم رائے عامّہ کو انگلستان کے حق میں متاثر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ واقعہ بھی کہ ٹرکی انگلستان سے دوستانہ تعلّقات رکھتا اور اُس کا حلیف ہے برطانوی پالیسی کو مدد دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مسلم ممالک میں برطانوی پروپاگنڈے کے کیا اثرات رہے ہیں۔ مگر میں جس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں وہ پین اسلام اِزم کی اِس نئی صورت کی شہنشاہیت پرستانہ نوعیت ہے۔

۵۔ اِن تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے لیے تمام اندرونی مسائل، خواہ وہ فرقہ وارانہ مسائل ہوں خواہ آزادی کا عظیم تر مسئلہ ہو جنگ کے اور برطانوی خارجہ پالیسی کے عظیم تر مسائل سے کس طرح قریبی تعلّق رکھتے ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کو علیحدہ تصوّر کرتے ہیں تو ہم غلطی کرتے ہیں۔ آج کے فرقہ وارانہ مسئلوں کی اصل دشواریاں برطانوی انداز و روش کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اگر مسلم لیگ یا سکندر حیات راضی بھی ہو جائیں تب بھی ان دشواریوں کو حل کرنا بہت دشوار ہے۔ بلاشبہہ برطانوی حکومت ہندوستانی مسئلے کا حل اس غرض سے چاہتی ہے کہ اپنے آپ کو جنگ میں قوی تر بنا لے اور اپنی شہنشاہیت کو مستحکم کر لے۔ سکندر حیات بھی جو کلّیتہً برطانوی پالیسی کی وکالت کر رہے ہیں، یہی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بنیادی طور پر یہ پالیسی برطانوی شہنشاہیت کے استحکام پر مبنی ہے۔ یہی وہ بنیادی اختلاف ہے جو سمجھوتے کی راہ میں حائل ہے اور جب تک کہ خود برطانوی حکومت اپنی شہنشاہیت پرستی ترک کر دینے پر آمادہ نہیں ہو جاتی، وائسرائے یا مسلم لیگ سے خواہ کتنی ہی گفت و شنید کی جائے، یہ اختلاف راہ سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۴ ستمبر کی مجلسِ عاملہ کے بیان میں اسی ترک شہنشاہیت پرستی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس مطالبے کی تکمیل یا اُس کے مطابق

کوئی اقدام کرنا تو بہت دُور رہا، برطانوی حکومت نے اُلٹے اپنے اس شہنشاہیت پرستی پر مُہرِ توثیق ثبت کر دی۔ ہندوستان کا اندازِ فکر اور اُس کی روش بڑی اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ امریکا اور دوسرے غیر جانبدار ملکوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس وقت امریکا ہٹلر کا سخت دشمن ہے اور اس اعتبار سے برطانیہ کا دوست ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ برطانوی شہنشاہیت پرستی کو بھی یقیناً پسند نہیں کرتا اور اس لئے برطانیہ کے ساتھ ہو جانے میں پس و پیش کر رہا ہے۔ اگر اہلِ برطانیہ امریکا کو یہ سمجھا سکیں کہ انھوں نے ہندوستان سے سمجھوتا کر لیا ہے تو اُنھیں ایک گرانقدر مدد مل جائے۔

۶۔ گزشتہ چند مہینوں میں برطانوی حکومت کے ساتھ سمجھوتے کے متعلق کچھ ایسی اُلجھی ہوئی پریشان کُن باتیں ہوئی ہیں کہ ہماری اپنی قوم نیز دُنیا علی العموم گمراہ ہو رہی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں یہ بات ہمیشہ کے لئے صاف کر دینی چاہیے کہ شہنشاہیت کے ڈھانچے میں ہمارے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا، اور اس قسم کی تمام کوششیں جس قدر جلد ترک کر دی جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ اس قسم کی کوشش کی بھی ایک حد یا انتہا ضروری ہے۔

۷۔ گزشتہ چند مہینوں سے ہندوستان میں برطانوی پالیسی روز بروز استبدادی طرزِ حکومت کی طرف روز افزوں طور پر واپس آ رہی ہے اور ہندوستان سے باہر کے لوگ اس بات کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم خاموشی کے ساتھ اس کو برداشت کئے جا رہے ہیں۔ نہ صرف عوامی صوبائی حکومتیں درہم و برہم کر دی گئی ہیں بلکہ حقیقت میں صوبائی خود مختاری کے اختیارات کا دائرہ بھی پارلیمنٹ میں ترمیمی قوانین منظور کر کے محدود کر دیا گیا ہے۔ اس قسم کی چیزیں وائسرائے کے دوسرے خوش آئند الفاظ کے مقابلے میں زیادہ زور کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ عام حالات میں دستور کے تعطّل کو بھی ایک سخت تصادم کا باعث بن جانا چاہیے تھا مگر ہم نے اس کو خموشی کے ساتھ برداشت کر لیا۔ قانون کے ترمیمی مسودوں کو بھی ہم نے برداشت کر لیا۔ دستور کی یہ ترمیم، جہاں تک ہمارا

تعلق ہے، کوئی اہمیت نہیں رکھتی، بجز اس کے کہ اس سے برطانوی پالیسی کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تمام اُمور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے اور برطانوی حکومت کے درمیان کوئی قدرِ مشترک باقی نہیں رہ گئی ہے، اور برطانوی شہنشاہیت اب بھی بدستور دندنا رہی ہے۔

۸۔ جیسا کہ میں نے کل شام کو آپ سے عرض کیا تھا مجھے یہ بات نہایت خطرناک نظر آتی ہے کہ ہم کوئی ایسی نمایندہ اسمبلی قبول کرلیں جو موجودہ صوبائی مجالس قانون ساز پر مشتمل ہو۔ یہ صورت تو اپنے عام بالغ حقِ رائے دہی کے بنیادی مطالبے سے جو ہم گزشتہ چار سال سے کر رہے ہیں دست بردار ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ ہماری نمایندہ اسمبلی برطانوی شہنشاہیت کے حدود کے اندر ہی ہوگی۔ موجودہ حالات میں اس سے وہی قدیم فرقہ وارانہ اور دوسری نزاعیں رونما ہو جائیں گی، ہماری کمزوری دنیا پر روشن ہو جائے گی اور دستور سے متعلق کوئی اتفاق نہ ہو پائے گا۔ عملاً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کچھ جزوی تغیرات کے ساتھ تقریباً ۱۹۳۵ء ہی کے چوکھٹے کے اندر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اگر کسی نمایندہ اسمبلی کو کامیاب ہونا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اس چوکھٹے اور برطانوی شہنشاہیت کی حدود دونوں سے قطعی طور پر باہر ہو۔ ہمارے اور برطانوی حکومت کے تعلقات کے سوال پر صرف اس وقت غور کیا جا سکتا ہے جب نمایندہ اسمبلی ہمارا دستور ترتیب دے چکے۔ بالغ حقِ رائے دہی کی جو اصطلاحی یا ٹیکنیکل دشواری ہے اُس پر بالواسطہ انتخاب کے ایک درمیانی بندوبست کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس نمایندہ اسمبلی کو ہندوستانیوں کا ایک ایسا ترجمان ضرور تسلیم کرلیا جائے جو برطانوی شہنشاہیت اور برطانوی پارلیمنٹ دونوں کے حلقۂ اثر سے باہر کام کر رہا ہے۔ ورنہ وہ برطانوی پارلیمنٹ کے کسی وضع کردہ قانون کا ٹھیک ٹھیک ایک شاخسانہ بن کر رہ جائے گی۔

۹۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات بھی صاف کردی جانی چاہیے کہ ملازمتوں اور ضبط و اقتدار وغیرہ کے موجودہ حالات میں ہماری صوبائی حکومتیں پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ پنت جی نے اس بات پر زور دیا ہے۔ حکومت کا پورا ڈھانچہ سر سے پیر تک، یقیناً بدل جانا چاہیئے۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس تفصیل کے ساتھ لکھنے پر معاف فرمادیں گے۔ میرے دماغ میں اور بہت سے خیالات ہیں مگر اب مجھے رُک ہی جانا چاہیئے۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل

مولانا ابوالکلام آزاد،

۱۹، اے۔ بالی گنج سرکار روڈ

کلکتہ

۳۰۰۔ از ابوالکلام آزاد،

کلکتہ

۲۷ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل،

جب پندرہ کی صبح کو گاڑی پر تم نے میرے خطبے کا انگریزی ترجمہ مجھے دیا تب میں نے ترجمے کے بارے میں ایک عام رائے قائم کر لینے کی غرض سے ایک سرسری سی نظر اُس پر ڈال لی تھی۔ فرصت سے اُسے پڑھنے کا وقت اب جاکر مجھے ملا ہے۔ اب کہ نسبتاً میں مصروفیتوں سے آزاد ہوں میں نے اس ترجمے کو غور سے پڑھا۔ اس ترجمے نے جو اثر مجھ پر ڈالا ہے وہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اس وقت اپنے معتاد رکھ رکھاؤ کو دور پھینک دوں اور تمھاری اوّل درجہ کی ذہانت اور تمھاری غیر معمولی دماغی صلاحیتوں کو اپنا پُرخلوص خراجِ تحسین ادا کروں۔ انگریزی زبان پر تمھارے ماہرانہ عبور کی نسبت اب تک میرا جو اندازہ تھا اُس سے وہ بہت آگے ہے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ ہمارے عہد کے بعض قابل ترین اشخاص بھی جو عظیم الشّان کام دنوں اور ہفتوں میں بھی بہ مشکل انجام دے سکتے تھے اُس نے تمھارے صرف چند گھنٹے لیئے اور وہ بھی بغیر کسی خاص سعی و محنت کے۔

ترجمہ کرنا ایک طرح سے اصل تحریر سے بھی بدرجہا زیادہ دشوار ہے۔ ترجمے میں اصل تحریر کے معانی و مطالب کو جوں کا توں باقی رکھنا اور ساتھ ہی ساتھ لکھنے والے کے ادبی اسلوب کو بھی بعینہٖ محفوظ رکھنا ہرگز ہرگز کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایسا کام انجام دینے کی کوشش وہی شخص کر سکتا ہے جو دونوں زبانوں پر یکساں قدرت و عبور رکھتا ہو۔ تمھارے ترجمے کی جس ادا نے مجھے خاص طور پر متأثّر کیا وہ یہ واقعہ ہے کہ اصل تحریر کی کوئی امتیازی خصوصیت ترجمے میں ماند نہیں پڑنے پائی اور تم نے میرے اردو ادبی اسلوب کو اس کامیابی کے ساتھ انگریزی میں منتقل کیا ہے کہ اگر پڑھنے والا یہ خیال کر بیٹھے کہ اصل تحریر انگریزی ہی میں تھی، اردو میں نہیں تھی، تو مجھے کوئی حیرت نہ ہو گی!

تمھارے ترجمے کی، اسی شان کی، دوسری امتیازی خصوصیت تمھاری حیرت انگیز گرفت ہے اُس تعمیری تخیّل کی جس سے تفصیلات کا سرچشمہ پھوٹتا ہے۔ تم نے بڑی خوبی اور کمال کے ساتھ میرے اُس تخیّل کی نقش کشی کی ہے جس سے میرے جملوں اور ان کی بندشوں کو شکل و صورت ملی ہے۔ حقیقت میں جب تم نے ترجمہ شروع کیا تب میرے موضوع کی ایک مکمّل تصویر تمھارے پیشِ نظر تھی۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑا کام تھا خصوصاً جب کہ میری اپنی نگارش اور میری اپنی انشا براہِ راست تمھاری مدد نہیں کر سکتی تھی۔

بعض مقامات پر تم نے انگریزی ترجمہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اردو عبارت میں ترمیم کر دی ہے، کہیں اُسے پھیلا دیا ہے اور کہیں مختصر کر دیا ہے۔ میں نے اِن تغیّرات کو بہت غور سے دیکھا اور میں یہ دیکھ کر خوش ہوا کہ بعض بعض مقامات پر تم نے میری اصل تحریر کو خوب تر بنا دیا ہے۔ کسی مقام پر بھی میری انشاء کی روح یا صورت ماند نہیں پڑی۔ وائسرائے کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

"صفحوں پر صفحے پڑھ جانے کے بعد بھی بہ مشکل اس قدر بتانے پر مستعد ہوتا ہے ...." اب لفظِ "بہ مشکل" میری استعاری تعبیر میں ایک کلیدی

کلمہ تھا۔ میرے استعارے کے پسِ منظر کو محفوظ رکھ کر تم نے اس کی تعبیر یوں کی ہے:

"صفحوں پر صفحے پڑھ جانے کے بعد بالآخر پردہ پس و پیش کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔ ہمیں ایک جھلک دکھائی دیتی ہے ......" جس بات کی طرف میں نے لفظِ "بہ شکل" سے اشارہ کرنا چاہا تھا اُسے تمھارا یہ پھیلا ہوا فقرہ زیادہ واضح اور صاف کر دیتا ہے اور میں اس امر کا یقیناً اعتراف کروں گا کہ تمھاری تعبیر میری تعبیر سے زیادہ موزوں ہے۔ تمھاری ایسی بہت سی تحسینات میں سے صرف اس ایک کا ذِکر کر رہا ہوں۔

میں توقع کر رہا ہوں کہ الہ آباد غالباً میں تیس کو پہنچوں گا مجھے امید ہے کہ تم اُس وقت تک الہ آباد ہی میں ٹھیرو گے۔

تمھارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

۳۰۱۔ از ابوالکلام آزاد،

کلکتہ، ۲۴ر اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارے خط مورخہ ۲۱ر اپریل کا شکریہ۔ میں تم سے اتفاق کرتا ہوں کہ اگر کرشنا مینن خود اپنی مرضی سے امریکا جاتے ہیں تو یہ کسی حد تک وقت کا ایک تقاضا پورا کرے گا۔ اگر یہ تجویز مجلس عاملہ کی نشست سے پہلے ہمارے سامنے آئی ہوتی تو اسی نشست میں اس پر غور کر لیا گیا ہوتا۔ میں جنرل سکریٹری کو لکھ رہا ہوں کہ ایک سَو پاؤنڈ اُنھیں فوراً بھیج دیں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ تم کم از کم ایک سو پونڈ بمبئی سے اور بھجوا دینے کا کوئی انتظام کر دو گے۔

تم کہتے ہو کہ مجھے ایک خط بھی اُن کو لکھ دینا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اُن کو صدر کی حیثیت سے خط لکھتا ہوں تو اس کے معنے لازمی طور پر یہ ہوں گے کہ وہ کانگریس کی طرف سے وہاں جا رہے ہیں اور جیسا کہ تم خود لکھتے ہو معاملے کو اس حد تک بڑھا لے جانا مصلحت کے خلاف ہوگا۔ یہ

بہتر ہوگا کہ تم اُن کو اِس مضمون کا ایک خط لکھو: "مجھے یہ سُن کر مسرت ہوئی کہ تم امریکا جارہے ہو۔ سب مجھے امید ہے کہ تمھارا وہاں موجود ہونا اس ملک کے لوگوں کو ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال کے سمجھنے میں مدد دے گا"؛ تمھارا خط اُن کو ایک ذمے دارانہ حیثیت دینے میں پورے طور پر مددگار ثابت ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ صورت نہ پیدا ہونے دے گا جو صدرِ کانگریس کی طرف سے اُن کو براہِ راست خط لکھنے کی حالت میں پیدا ہوسکتی ہے۔

مسوری میں میرے دوستوں کے تین مکان تھے مگر یہ تینوں اب خالی نہیں ہیں۔ کیا تمھارے دوستوں میں سے کوئی صاحب مسوری میں میرے لئے ایک مکان کا بندوبست کرسکتے ہیں؟ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو میں کرایہ دینے کو تیار ہوں۔ مکان بہ ہر حال اچھا اور وسیع ہونا چاہیئے۔ اگر تمھارے ذہن میں کوئی صاحب ایسے ہوں تو انھیں اس انتظام کے لئے ازراہِ کرم تار دے دو۔ کلکتے کے موسم کا میری صحت پر خراب اثر پڑ رہا ہے۔

مسوری کے بعد مجھے نینی تال اور الموڑہ کا خیال آیا۔ میں اس کے متعلق پنت جی کو لکھ رہا ہوں۔

تمھارا مخلص

ابوالکلام آزاد

پنڈت جواہر لعل نہرو،
بمبئی۔

۳۰۲۔ بنام کرشنا کرپلانی

الہ آباد، ۲۶ فروری ۱۹۴۰ء

شری کرشنا کرپلانی
شانتی نکیتن، بنگال

میرے عزیز کرشنا

تمھارا خط ملا۔ سودھیر سین کے نام میرا خط تم وشوا بھارتی کے سہ ماہی رسالے

ہیں چھاپ سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس میں ایلمہرسٹ کے نام کا ذکر نہ کرنا بہتر ہوگا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ خط ایک انگریز کے لیۓ لکھا گیا تھا۔ ذیل کے فقرے تم بہ طور ایک نوٹ کے بڑھا سکتے ہو: "یہ بات صاف طور پر سمجھ لی جانی چاہیئے کہ ہندوستان کی کامل آزادی ایک لازمی شرط ہے، نہ اس پر بحث و مباحثہ کی کوئی گنجایش ہے اور نہ اُسے محدود و مقیّد کرنے کی۔ جب میں ہندوستان کی کامل آزادی کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں، جس کے معنے لازمی طور پر برطانیہ سے آخری اور قطعی طور پر قطعِ تعلّق کے نہیں ہوتے، تو میرے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوا کرتا ہے کہ برطانیہ کی شہنشاہیّت پرستی ختم ہو جاۓ۔ اس امر کی اس وقت یا مستقبلِ قریب میں کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ ہر پہلو سے اس امر کا اظہار ہو رہا ہے کہ برطانوی حکومت کلیتہً ایک شہنشاہیّت پرست طاقت کی حیثیت سے عمل پیرا ہے جو اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ اپنی شہنشاہی کو باقی رکھے اور اپنی شہنشاہیّت کو مستحکم کرتی رہے۔ یہ بدیہی بات ہے کہ مستقبل کے کسی نظام میں، جب تک کہ وہ نظام موجودہ بدنظمی ہی کے سلسلے کی ایک کڑی نہ ہو، ضروری ہے کہ مختلف قوموں کے درمیان گہرا اور قریبی تعاون ہو۔ ایک عالمی وفاقی انجمن کے متعلق بہت قیل و قال ہو رہی ہے۔ اگر حقیقت میں ایسی کوئی انجمن عالمِ وجود میں آئی تو آزاد ہندوستان کا فطری طور پر اُس سے تعلّق ہوگا۔ لیکن تجویز اگر یہ ہے کہ یورپی سلطنتوں، یا یورپ، ممالک متحدہ امریکہ اور برطانوی نوآبادیوں کی کوئی وفاقی انجمن ترتیب دی جاۓ تو اس کے معنے شاید ایشیا اور افریقہ سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے شہنشاہیت پرست طاقتوں کے استحکام و تقویت کے ہوں گے۔ اس سے ہم اتّفاق نہیں کر سکتے۔

"ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے مستقبل پر اس حیثیت سے غور ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کسی طریقے پر شہنشاہیّت کے ڈھانچے سے بندھا ہوا ہو۔ اگر ہم نمایندہ اسمبلی کی نسبت گفتگو کرتے ہیں تو اُس کو بھی

ہم برطانوی شہنشاہیت کے ایوان کا کوئی جز نہیں سمجھتے، اُس کو بھی ہم اس ایوان سے خارج ایک چیز تصوّر کرتے ہیں۔ ہمارا اعتراض انگلستان یا دوسرے ملکوں کے ساتھ تعاون پر نہیں ہے، اعتراض اصل میں کسی ایسے ڈھانچے کے ساتھ تعاون کرنے پر ہے جو اپنی ساخت میں شہنشاہیت پرستانہ ہو۔"

کچھ دن ہوئے میں نے نیویارک کے بعض حامیانِ انجمنِ وفاقی کو ایک طویل سا خط لکھا تھا۔ شاید اس خط کو تم دلچسپی کے ساتھ پڑھو۔ اس لئے میں تم کو اس کی ایک نقل بھیج رہا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو اس کے اقتباسات چھاپ سکتے ہو۔

گھریلو صنعتوں پر میں نے جو خط لکھا تھا اُس کی متعدد نقلیں جو تمھارے رسالے سے ماخوذ ہیں مجھے موصول ہوئی ہیں۔

نندیتا جب یہاں تھی تب میں نے اُس کی کچھ تصویریں لی تھیں۔ اُپنل چند نے یہ تصویریں تمھیں دکھائیں یا اُن کی نقلیں تمھیں دیں؟

تمھارا مخلص

جواہر لعل نہرو

۳۰۳۔ از ایڈورڈ تھامپسن،

آیلسبری، بکس

۷ر مارچ ۱۹۴۰ء

پیارے جواہر لعل

میرا خیال ہے کہ اس خط کو غالباً رنجیت کے ہاتھوں میں جانا چاہئے؛ اس کو ایک واقعی ذہین پڑھنے والے کی ضرورت ہے۔

معلوم کرو: ہندوستان میں ایک دریا ہے جسے ہندوستان سے باہر والے گینجز کہتے ہیں اور ہندوستان والے گنگا۔ دریائے ٹیمس کو "تاریخِ سیّال" کا لقب دیا گیا ہے۔ گینجز بھی سیّال ہے (کم و بیش) اور تاریخ ہے۔ میں غالباً اِس اکتوبر میں ہندوستان واپس آؤں گا، اکتوبر سے پہلے بھی آسکتا ہوں، میری واپسی کی غرض یہ ہے کہ شیو کے سر سے ساگر تک گینجز (گنگا) کی ایک فلم

تیار کروں۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ مجموعی اعتبار سے اس کام کے لئے سب سے بہتر وقت کون سا ہوگا؟ اس کام کا ارادہ کرنے والے کو ذیل کی اشیاء پر غور کرنا پڑے گا: (۱) مناظر کا حسن: میرے خیال میں موسمِ باراں جب گنگا میں باڑھ آئی ہوئی ہوتی ہے، اس حسن کی تصویر لینے کے لئے بہترین وقت ہوگا۔ (۲) سہولت: اس اعتبار سے موسمِ باراں اچھا وقت نہ ہوگا۔ (۳) میلے، جیسے تمھارے الہ آباد کا کُنبھ میلا۔ ایسی فلمیں بنانے والا مناظر کا حسن، اُن کی شان، انسانی باشندے اور اُن کے میلے، سب کچھ چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہترین تدبیر یہ ہوگی کہ ایک موٹر کرایہ پر لے لی جائے اور دریا کے کنارے کنارے آخر تک جایا جائے۔

میں نے تمھارا ایک خط دیکھا جس سے مجھے تقریباً کُلّی اتفاق ہے۔

ایلمہرسٹ نے مجھے یہ خط دکھایا۔

ہمارا بڑا لڑکا اب فوج میں سیکنڈ لفٹننٹ ہے اور جلد ہی باہر جانے والا ہے۔ میں خط میں تم کو نہیں بتا سکتا کہ کہاں جانے والا ہے۔ وہ چھ ماہ کے اندر بیس سال کا ہو جائے گا۔ چھوٹا لڑکا اسکول میں ہے۔ مجھے انفلوئنزا ہو گیا تھا اور میری بیوی تو اب تک اس میں مبتلا ہے۔ باقی اور ہر طرح ہم سب بخیر ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اندرا کی جو خبریں تم تک پہنچی ہیں اُن سے تم مطمئن ہو گے۔

آج میں بہت خوش ہوں —— بہت کم ایسا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ حکومت فلسطین کے معاملے پر اَڑ رہی۔ میں نے ایسے انسانیت سوز اور احمقانہ دلائل کبھی نہیں سُنے جیسے کہ میرے اپنے جتھے، بائیں بازو والوں کی طرف سے دیے گئے، ان سب کی عرب دشمنی اور صیہونیت دوستی جنون کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ یہ حالت مجھے بڑی تیزی کے ساتھ ٹوری بنائے دے رہی ہے۔

جب میں ہندوستان آؤں گا تب میں ٹیگور کی قیام گاہ شانتی نکیتن

کی بھی فلم لوں گا۔

دوست احباب میری مدد مجھے اطلاعیں بہم پہنچا کر کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پٹنہ جیسی جگہوں میں ہوٹل تو ہوں گے ؟ مگر ہردوار یا اس سے بھی بہت چھوٹی جگہوں کی نسبت کیا خیال ہے ؟ اگر کوئی شخص ایک موٹر کرایہ پر لے کر گنگا کے کنارے کنارے چلتا ہے تو اُسے بہت سی جگہوں پر ٹھیرنا پڑے گا۔ بعد کو میں رنجیت کے ساتھ اُڑیسا کے اُن جنگلوں کی سیر کا ایک پروگرام بنا سکتا ہوں ! مگر غالباً ایسا نہ ہوگا۔ بہ ہر صورت اگر میں اُن کو آمادہ کر سکا تو اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لاؤں گا۔

وہ کہہ رہی ہیں کہ اس خط سے میں تم کو پریشان نہ کروں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ تو اب تم ازراہِ کرم یہ خط رنجیت تک پہنچا دو گے ؟ میرے پاس اُن کا پتہ نہیں ہے ! صرف نان کا پہلے والا رسمی پتہ موجود ہے۔

تمھارا

ای۔ ٹی

۳۰۴۔ بنام ایڈورڈ تھامپسن

الہ آباد، ۷ر اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

پیارے ایڈورڈ

مجھے تمھارا ساتویں مارچ کا خط ملا۔ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ تم اکتوبر میں یا اس سے پہلے ہندوستان آنے والے ہو، تم اُس وقت مجھے کہاں پاؤ گے یا تم اُس وقت مجھ سے مل بھی پاؤ گے یا نہیں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہندوستان بہ ہر صورت یہیں ہوگا اور گنگا بھی یہیں ہوگی۔

گنگا کی ایک فلم تیّار کرنے کا خیال تمھارا ایک دل فریب خیال ہے میں تمھارا یہ خط اپنے سے زیادہ ذہین رنجیت کو بھجوا رہا ہوں گرچوں کہیں خود بھی کسی قدر تخیّل پرست واقع ہوا ہوں اس لئے اس تجویز کی نسبت خود بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بدقسمتی سے رنجیت بیمار ہیں اور صاحبِ فراش۔ مگر میں نے اس تجویز کا ذکر اُن سے کر دیا اور انھوں نے خاصے جوش وخروش کا

اظہار کیا۔ فوراً ہی خیالات کا ایک سیلاب سا اُن کے دماغ سے اُبل پڑا۔ اور ذیل میں جو کچھ میں سپردِ قلم کر رہا ہوں اُس میں کچھ حصّہ اُن کے تخیّلات کا بھی ہے۔

چونکہ گنگا ایک تاریخ ہے، اُس کا تاریخی پہلو اُجاگر کرنا چاہیئے۔ گنگا روایات، علم الاصنام، فن، ثقافت اور تاریخ سے قریبی طور پر وابستہ ہے۔ تم اُسے ہر جگہ نمایاں پاؤ گے۔ اس موضوع سے معقول طور پر نپٹنا تو بہت بڑا کام ہے مگر بہ ہر صورت تاریخی اور روایاتی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ توہم پرستانہ پہلو پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی ہندوستان کے علم الاصنام اور فن کو سمجھنے کے لئے گنگا کے اساطیری اُصول کا ذِکر کیا جا سکتا ہے، یعنی گنگا شیو کے سر کے اُلجھے ہوئے بالوں پر گر رہی ہے۔ سر کے اُلجھے ہوئے بالوں سے بہ ظاہر سلسلۂ ہمالیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کام، میں سمجھتا ہوں کہ، بُت تراشی کے بعض مشہور نمونوں کا چربہ اُتار کر انتہائی خوبی کے ساتھ انجام دیا جا سکتا ہے جن میں اس روایت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایسے نمونے بہت ہیں۔

بعد ازیں بعض مشہور تاریخی مناظر بھی دکھائے جانے چاہئیں، مثلاً آریاؤں کی آمد، اُن کا پہلے پہل گنگا تک پہنچنا اور اس شاہانہ دریا کو دیکھ کر اُن کا مسرور ہونا۔ سر محمد اقبال کے ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" میں دو سطریں ہیں جو مشہور ہیں۔ ان میں اشارہ آریاؤں کی آمد کی طرف ہے۔ ان سطروں کو تصویر میں لے آنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ دونوں سطریں یہ ہیں:

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

پاکستان تحریک کے اس دور میں مسلم لیگ کے ایک راہنما نے ان سطروں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اُس کا پڑھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

پھر بہت سی لڑائیاں ہیں جو اسی گنگا کے قرب و جوار میں لڑی گئیں۔ چندر گپت موریا کے عہد میں یونانیوں کا حملہ گنگا ہی کے قریب کہیں روکا گیا، شاید الہ آباد کے قریب۔ چندر گپت کے عہد کی زندگی کی تصویر ایک نہایت عمدہ تصویر ہوگی۔ قنوّج اُس زمانے میں ایک عظیم الشّان شہر تھا جو اپنی مصنوعات کے لیئے مشہور تھا، خصوصاً اپنے ہاں کی تلواروں اور دوسرے فولادی آلاتِ حرب کے لیئے۔ سُہراب اور رستم کے قصّوں میں نیز میرا خیال ہے کہ شاہنامہ کے حملۂ سکندر کے بیان میں قنوّج کی تلواروں کا ذِکر مِلتا ہے۔

اس عہد سے پیشتر رامائن اور مہا بھارت کے قصّے بھی اس تصویر میں جابجا شامل کیئے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد اشوک کے عہد اور گنگا کے کنارے اُس کے عظیم الشّان پایۂ تخت، پاٹلی پُتر کی تصویریں۔

ہندوستان کا ادبی سرمایہ گنگا کے ذِکر سے پُر ہے۔ برما، انڈوچین اور دوسری جگہوں کے گیتوں میں بھی تمھیں گنگا کا نام ملے گا۔ ہرش کے عہد کا چینی سیّاح، ہیون سان، اپنے سفرنامے میں الہ آباد کے کُمبھ میلے کا تذکرہ کرتا ہے جو اُس زمانے میں بھی ایک قدیم تہوار تھا۔ یقیناً بہت سے تاریخی حوادث ایسے ہیں جن پر تصویر میں روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ وادیِ گنگا اور علی الخصوص دوآبہ، یعنی گنگا اور جمنا کے درمیان کا رقبہ تاریخ، روایات اور گیتوں سے پُر ہے۔ اگر تم اُس نہایت ہی حسین اور نظر فریب دریا، جمنا، کو لے لو تو متھرا اور بندرا بن کے گرد پیش کرشن کا پورا فسانہ اور برج بھاشا کے میٹھے میٹھے گیتوں کو بھی لے لوگے۔

اس جائزے اور پیمایش کے لیئے کوئی متعین وقت تجویز کرنا مشکل ہے۔ جاڑوں میں گنگا کا پاٹ کم ہو جاتا ہے اور وہ کچھ زیادہ قابلِ دید نہیں رہتی، اور اس کی یہ حالت بہت سے مقامات پر ہو جاتی ہے۔ فلم لینے کے لیئے برسات کا موسم ہی موزوں وقت ہوگا۔ مگر بڑے بڑے میلے بیشتر جاڑوں ہی میں ہوا کرتے ہیں۔ سب سے بڑا میلا الہ آباد کا کُمبھ ہے جو بارہ سالوں میں ایک بار ہوا کرتا ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ یہ کُمبھ اگلے سال جنوری اور

فروری میں ہو رہا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ تم گنگوتری تک بھی پہنچ پاؤ گے یا نہیں جو گنگا کا منبع ہے۔ یہ ایک دشوار گزار سفر ہے اور ریل کا اسٹیشن چھوڑنے کے بعد وہاں تک کا سفر کرنے میں کم از کم پندرہ دن لگ جائیں گے۔ اس سفر کا بڑا حصّہ تمھیں گھوڑے کی پشت پر طے کرنا پڑے گا اس لیے کہ بیل گاڑی کے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اگر تم بہت تیز چلو تو یہ سفر تم ایک ہی ہفتے میں طے کر لو۔ میں خود وہاں نہیں گیا ہوں مگر دو سال ہوئے میں گڑھوال کے پہاڑوں میں گنگا کے کنارے کنارے خاصی دور تک گیا اور بعد کو ہوائی جہاز سے بدری ناتھ گیا اور گنگا کا نظارہ میں نے آسمان سے کیا۔

ہردوار اور گرد و پیش کے مقامات، جہاں پہاڑوں سے نکل کر گنگا باہر آتی ہے، بلاشبہہ اہم جگہیں ہیں۔

ٹھیرنے کی کوئی خاص دشواری نہیں ہے۔ عام طور پر انسپیکشن ہاؤس یا ڈاک بنگلے ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ پٹنہ جیسی جگہوں میں گھٹیا قسم کے ہوٹل بھی ملتے ہیں۔ مگر دوستوں سے ٹھیرنے کے انتظامات آسانی کے ساتھ کرائے جا سکتے ہیں۔

میں نے کچھ ہی دنوں پہلے جمنا کے قریب ایک ہفتے سے زیادہ خیموں میں بسر کیے، اور مجھے اس دریا سے روز بروز ایک دل بستگی سی ہوتی جا رہی ہے۔

مجھے امید ہے کہ تم لفظِ "گینجز" کا استعمال ترک کر دو گے۔ میں اس لفظ کو پسند نہیں کرتا۔ "گنگا" اس سے کہیں زیادہ بہتر لگتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے آباؤ اجداد اس اچھے نام کو "گینجز" میں کیوں کر بدل پائے۔ ایک دوست نے اس کی ایک توجیہہ تجویز کی جو ممکن معلوم ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ "گینجز" گنگا جی کا بگڑا ہوا ہے۔

نان، رنجیت اور میں تینوں الہ آباد میں آنند بھون میں ٹھیرا کرتے ہیں۔ اس لیے پتہ سب کا ایک ہی ہے۔ نان اس وقت بمبئی میں ہے۔

اندرا رو بہ صحت ہو رہی ہے، کاش اُس کی رفتار تیز تر ہوتی۔ اُسے اب ہندوستان جلد واپس آنے پر سخت اصرار ہے اور میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ اب تین چار مہینے اور وہاں قیام کر کے واپس آجانا چاہیے مگر میرا خیال ہے کہ ڈاکٹروں کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

تمہارا

جواہر لعل

ڈاکٹر ایڈورڈ تھامپسن

آیلسبری

بکس (انگلستان)

۳۰۵۔ از ایڈورڈ تھامپسن

آیلسبری، بکس

۲۸ اپریل ۱۹۴۰ء

پیارے جواہر لعل

تمہارا خوش آیند طویل خط پہنچا۔ ہاں، بلا شبہ، میں جانتا تھا کہ میرے گوں کا آدمی رنجیت ہے۔ مگر تم جانتے ہو میں نان اور رنجیت سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ مجھے ان میں سے کسی کے بھی قریب بہت محتاط ہو کر آنا پڑتا ہے اور وہ بھی تمہارے توسط سے۔ سینسر والے مجھے کچھ زیادہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تم نے سُنا ہوگا کہ ناروے کی جنگ ایک ہیبت ناک جنگ ہے۔ میں ناروے پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں اس لئے کہ یہاں بے کار پڑے رہنے اور کسی خطرے سے دوچار نہ ہونے سے اُکتا سا گیا ہوں جب کہ ہمارے بڑے لڑکے کو اُنیس ہی سال کی عمر میں جنگ پر جانے کی اجازت مل گئی ہے اور اُس کا جلد ہی باہر جانا یقینی ہے۔ اگر دیوتاؤں کا دھندلکا سچ مچ آہی گیا ہے تو میں اس طوفانِ رعد و برق کے اندر کھو جانا چاہتا ہوں، اُس کے محفوظ کناروں پر رہنا نہیں چاہتا۔ اگر ہمارا تمدّن اور انگریزوں کا نام ـــــ جو اُس قسم کا معجونِ مرکّب ہرگز نہیں ہے جو تم لوگ اسکاٹ لینڈ اور

آئرستان والوں کی ہر قسم کی بدمعاشیاں "انگریزوں" کی طرف سے منسوب کر دیا کرتے ہو، تصور کیا کرتے ہو ــــــ دونوں تباہ ہی ہو جانے والے ہیں تو اُن کے بعد زندہ رہنے کی مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔ بہرحال، میری عمر کے کسی شخص کا محاذ سے قریب کسی جگہ تک پہنچ جانا دشوار ہے۔

ٹھیک ہے، گنگا کی نسبت تمہارے فرمودات میں یاد رکھوں گا۔ مگر یہ فلم اُس سے کہیں زیادہ بلند پایہ ہوگی جو گزشتہ خط لکھتے وقت میرے تصور و خیال میں تھی۔ میرے ڈائرکٹر اس وقت کناڈا میں ہیں مگر جلد ہی واپس آجائیں گے۔ ہم دنیا کی ایک بڑی تصویر بنانے والے ہیں۔ اور..... بہرکیف اگر میں ایک بار پھر ہندوستان کے مرجانی ساحل سے آن لگا تو یقین رکھو کہ میں اس معاملے کی نسبت سیدھا رنجیت سے رابطہ پیدا کروں گا۔

میرا ہندوستان آنا روز بروز دشوار تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قریب ہے کہ جنوبی ہند کے لئے میں اک ایسا انگریز ہو جاؤں جس سے سب سے زیادہ نفرت کی جاتی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ مدراس یونیورسٹی نے "ایک ہندوستانی دن"، کو جواب چھ پینی والے پنگوین سلسلے میں شائع ہو گئی ہے ۱۹۴۲ء کے بی۔ اے کے نصاب میں رکھ دیا ہے! میرا خیال ہے کہ کوئی اس پر حاشیے لکھے گا۔ اُف! جب میں یاد کرتا ہوں کہ میں نے یہ کتاب ایک دل لگی اور خوش طبعی کے طور پر لکھی تھی! کاش تمہاری یونیورسٹیاں "ایک ہندوستانی دن" کے بجائے جو صرف ایک ناول ہے کتاب "عروج اور تکمیل"، پڑھتی پڑھاتیں۔ یہ ایک اچھی کتاب ہے۔

میں اپنے چھوٹے لڑکے کا خط تمھیں بھیج رہا ہوں۔ یہ خط مجھے اپنے ساتھ ہندوستان لانا چاہیے تھا۔ یہ تمہارے لئے ایک دل چسپ چیز ہو سکتی ہے۔

آگا تھا ہارسین کی زبانی یہ سُن کر ہمیں بڑی مسرت ہوئی ہے کہ اندرا اچھی ہو رہی ہے۔ اس بے چاری کو بڑی اذیت اُٹھانی پڑی۔ ازراہِ کرم جب وہ انگلستان واپس آجائے تو ہمیں مطلع کرنا۔ کاش تم اس جگہ کو دیکھ سکتے۔

جنوبی مشرقی انگلستان میں یہ بڑا ہی نفیس اور بہت ہی پیارا دیہات ہے۔ جب تک کہ تم کوئی ایسا مقام، کوئی ایسی جگہ، اُس کے صحرائی پھولوں اور اُس کے افسانوں اور اُس کی تاریخ کے ساتھ نہیں جان لیتے تب تک تم نے انگلستان کو جانا ہی نہیں۔

ہندوستان کے لئے میں بہت فکرمند اور پریشان ہوں۔ میں کچھ کہہ تو نہیں سکتا مگر سوچا ہمیشہ کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم گزشتہ نومبر میں جناح صاحب سے کوئی تصفیہ نہ کرسکے۔ اگر کوئی تصفیہ ہوگیا ہوتا تو تمھاری پوزیشن بہت ہی مضبوط و محکم ہوگئی ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ منطقی طور پر تم اسے ملتوی کردینے میں برسرِ صواب تھے۔ لیکن .... اگر کوئی تصفیہ کرلیا جاسکتا!!! اور مجھے اُس وقت یہ معلوم ہوا کہ تصفیہ کرلیا جاسکتا تھا ..... میں تمھارے حکم کا منتظر ہوں اور وہ وقت آسکتا ہے جب میں مدد کرسکوں۔ بہ ہر کیف ایک یا دو باتیں دلوں میں بہت گہرے اور وسیع طور پر جاگزیں ہوگئی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جب ہم نے ہندوستان کو اُس سے پوچھے اور مشورہ کیے بغیر جنگ میں شریک قرار دے دیا تو ہم سے ایک فاش غلطی ہوگئی تھی۔ کچھ اہم باتیں تم سے کرنی ہیں۔ کاش میں تم سے مل سکتا۔ بردست تم ہمارے دلوں میں ہو اور ہمیں امید قوی ہے کہ اندرا کی صحت جلد ہی بحال ہوجائے گی۔

تمھارا ہمیشہ

اِی۔ ٹی

۳۰۶۔ از ابوالکلام آزاد

نینی تال،

۹ مئی ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل

مسوری کے متعلق مجھے تمھارا تار مل گیا تھا جس کے لئے میں ممنون ہوں۔ نینی تال میں جب انتظامات ہوگئے تو میں نے مسوری کا خیال

ترک کر دیا۔

میں یہاں چھٹی کو پہنچا۔ حالات نے اجازت دی تو میں یہاں جولائی تک ٹھہروں گا۔ تم مئی کے اخیر تک بمبئی میں قیام کر سکتے ہو، پھر الہ آباد واپس جا سکتے ہو۔ کیوں نہ تم نینی تال چلے آؤ اور چند دن میرے ساتھ یہاں قیام کرو؟ تم یہاں بیٹھ کر پلاننگ کمیٹی کی رپورٹ کی ترتیب کا کام انجام دے سکتے ہو۔ جہاں تک صوبائی کام کا تعلق ہے تم نینی تال اور الہ آباد میں کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ تم کام سے اپنی وابستگی یہاں رہ کر بھی اُتنی ہی باقی رکھ سکتے ہو جتنی الہ آباد رہ کر۔ مزید برآں تمہارا یہاں موجود ہونا بہت سے معاملات میں تم سے فوراً مشورہ کر لینے میں مفید ثابت ہوگا۔

وادرھا میں میں نے مسٹر اسے۔ بپوڑدھن سے گفتگو کی تھی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ کسی اور موقع پر مجھ سے گفتگو کریں گے مگر وہ مجھ سے پھر مل نہ سکے۔ ازراہِ کرم مجلسِ عاملہ کی رُکنیت سے متعلق اُن سے استفسار کرو۔ یہ زحمت میں تمھیں اس لئے دے رہا ہوں کہ میں اُن کا پتہ نہیں جانتا۔ اشتراکی دوست تو قطعاً مایوس کُن ثابت ہوئے۔ یہ لوگ کام کرنے کی ہمّت نہیں رکھتے۔ مخالفت سے ڈرتے ہیں اور اپنے پیروں پر مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہونے کی جُرأت نہیں رکھتے۔ مجھے اس نازک موقع پر ان لوگوں سے کچھ مدد ملنے کی امید تھی مگر میری تمام امیدیں غلط ثابت ہوئیں۔

اگر بپوڑدھن اس کے لئے تیّار نہ ہوں تو کسی دوسرے شخص کو جلد ہی نامزد کر دینا چاہیے۔ کیا تم کوئی نام تجویز کر سکتے ہو؟

امپیریل تمباکو کمپنی نے مجھے ایک یادداشت بھیجی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہڑتال کی نوعیّت اُس سے بالکل مختلف تھی جو مزدوروں نے بتائی تھی۔ بہرحال، میں ایک باعزّت سمجھوتے کی کوئی سبیل پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

تمہارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

۳۰۷- از ابوالکلام آزاد

نینی تال

۲۵ر مئی ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل

تمھارے اُس خط کا جو تم نے ماہِ رواں کی ۱۶ر تاریخ کو لکھا تھا، شکریہ۔

میں نے اخبارات میں راجندر بابو کا بیان حیرت کے ساتھ پڑھا اور اسی اثنا میں مجھے اُن کا خط بھی ملا جس سے مجھے اُن کے خیالات کا رُجحان صاف طور پر معلوم ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اُس خط کی کوئی نقل تمھیں نہیں بھیج سکتا جو میں نے اُس خط کے جواب میں اُن کو بھیجا، اس لئے کہ میرا یہ خط اُردو میں تھا اور دفتر میں صرف دفتری خطوط کی نقلیں رکھی جایا کرتی ہیں۔ جہاں تک کانگریس کے موجودہ انداز و روش کا تعلق ہے یہ خط تقریباً اُسی قسم کا تھا جیسا تمھارا خط۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرّت ہوئی کہ اس معاملے میں ہمارے اور تمھارے خیالات ایک ہی ہیں، اور یہ دیکھ کر بڑی تسکین ہوتی ہے کہ گاندھی جی بھی اس سے پورے طور پر متفق ہیں۔

راجن بابو کے بیان کے مقابلے میں آصف علی کا بیان اور بھی زیادہ قابلِ اعتراض تھا۔ سچ پوچھو تو آصف علی کا بیان پڑھ کر مجھے دُکھ ہوا۔ میں نے یکے بعد دیگرے اُن کو بڑے جلے کٹے دو خط لکھے۔ اب وہ مجھے یقین دلاتے ہیں کہ آیندہ وہ ایسے بیانات سے احتراز کریں گے۔

جہاں تک کانگریس کے رویّے کا تعلق ہے جو کچھ تم مجھے اور راجن بابو کو اپنے خطوط میں لکھا کرتے ہو وہ درست ہے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس موقع پر تبدیلی کا کوئی سوال پیدا کیوں ہو۔ مگر اسی کے ساتھ دو باتیں تم نے ایسی لکھی ہیں جن سے میں اتفاق نہیں کرتا، اور میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ باتیں اُس نقشے کے ساتھ کیوں کر ہم آہنگ بنائی جا سکتی ہیں جو تمھارا ذہن کانگریس کے طریقِ عمل سے متعلق بنا رہا ہے۔ تم راجن بابو کے خط میں لکھتے ہو کہ: "ستیہ گرہ کی کوئی فوری ضرورت نہیں معلوم ہوتی خواہ

ہم اس کے لئے تیار بھی ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ اس خاص موقع پر جب کہ برطانیہ خطرے میں ہے ہمارے لئے درست نہ ہوگا کہ ہم اُس کی مصیبت سے فائدہ اُٹھائیں اور اُس پر جھپٹ پڑیں۔" تم نے یہ خیال اپنی لکھنؤ کی تقریر میں بھی ظاہر کیا ہے اور پانیر نے تمھارے اصل الفاظ نقل کر دینے ضروری سمجھے: "یہ بات ہندوستان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ انگلینڈ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر ستیہ گرہ شروع کر دے۔" میں اس طرزِ فکر کے سمجھنے سے قطعاً قاصر ہوں۔ حقیقت میں سیاسی کشمکش میں یہ طریقہ ہی سرے سے غلط ہے کہ ہم پہلے اس قسم کے مقدمات قائم کریں اور پھر اپنے طریق عمل سے متعلق غلط نتیجے نکالیں۔ میں نہیں جانتا کہ ہندوستان کی وہ "شان" کیا ہے۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ کیا ہے اور وہ ہمیں کہاں لے جاتا ہے؟ ہم اندھوں کی طرح اندھیرے میں ٹانک ٹوئیاں نہیں مار سکتے۔ ہمیں آنکھیں کھول کر کوئی راہ اختیار کرنی چاہئے اس سے بڑھ کر کوئی بات نامعقول نہیں ہوسکتی کہ سوچ سمجھ کر کوئی راہ نکالی جائے اور پھر اُس پر گامزن ہونے سے انکار کر دیا جائے۔

ہم نے برطانیہ کو پورا موقع دیا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ رکھے مگر اُس نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم مجبور کر دیئے گئے کہ ہم اس شہنشاہیت پرستی کی جنگ میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر لیں۔ اگر ہمارا موجودہ موقف ایسا ہے جو (بقول گاندھی جی کے)، اُس کو "پریشان کرتا ہے" یا بقول تمھارے ہندوستان کی "شان" کے خلاف ہے تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ ہم اس کے ذمے دار نہیں ہیں، اس کی ذمے داری برطانوی حکومت کے ناعاقبت اندیشانہ تکبر پر عائد ہوتی ہے۔

تم کہتے ہو کہ ہمیں اس وقت ستیہ گرہ نہ شروع کرنی چاہئے۔ مگر ستیہ گرہ سے تم مُراد کیا لیتے ہو۔ کیا یہ کوئی نیا اعلانِ جنگ ہوگا جس کو کانگریس نے اب تک ترتیب نہیں دیا ہے؟ کانگریس کی جنگ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس جنگ میں برطانیہ کی ہر قسم کی مدد سے لوگوں کو روک دیا جائے۔

لوگوں کو مدد سے روکنے کا یہ طریقہ عملاً اور حقیقتاً اب تک ایک خاص حد سے آگے نہیں لے جایا گیا ہے۔ مستقبل میں اس کو اور آگے لے جانا ناگزیر ہے۔ یہ خود بخود سول نافرمانی کی شکل اختیار کرے گا اس لئے کہ وار آرڈیننس اور شخصی و انفرادی گرفتاریوں کا قانون موجود ہے۔

اگر تمھارا اخلاقی فلسفہ ہندوستان کی شان اور وقار کے پیشِ نظر درست مان لیا جائے تو اس کے ایک ہی معنی ہوں گے، یعنی یہ کہ فیصلۂ رام گڑھ ہندوستان کے عزّت و وقار کے قطعاً خلاف تھا۔

اپنے اسی خط میں تم آگے چل کر، حکومت کے ساتھ معاہدہ ہو جانے کی صورت میں ہمارے آئندہ کے رویّے کے بارے میں بھی کچھ کہتے ہو۔ تمھارا کہنا ہے: "یہ تمام باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں (یعنی آزادی، حقِ خود ارادیت اور بالغ حقِ رائے دہی کے ساتھ نمایندہ اسمبلی کی تشکیل) تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی اصل قوّت و طاقت جنگ میں جھونک دیں گے"۔

لیکن اگر یہ لازم نہیں آتا تو ہم یہ امید کیوں رکھیں کہ ہم جو کچھ مانگتے ہیں برطانوی حکومت ہمیں دے دے گی؟ یقیناً اگر اُس کو مجبور کر دیا گیا تو وہ بادلِ ناخواستہ یہ تمام چیزیں دے دے گی۔ مگر اس نازک وقت میں قوّت کے استعمال کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ ستیہ گرہ کی اخلاقی قوّت کا استعمال بھی ہندوستان کے "وقار" کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے پراگندہ اور غیر منطقیانہ تخیّل نے تمھارے دماغ تک راہ کیوں کر پائی۔

مجھے امید ہے کہ تمھارے قیامِ لاہور سے وہاں کی سرگرمیوں میں پوری مدد ملے گی۔

آج مجھے سکندر حیات کا ایک تار ملا ہے جس کی ایک نقل غالباً تم کو بھی بھیج دی گئی ہے۔ میں نے تار ہی سے جواب دے دیا ہے کہ موجودہ صورتِ حال کی ذمّے داری ہم پر نہیں، برطانوی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

تمھارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

پنڈت جواہر لعل نہرو
بوساطت ڈاکٹر خان صاحب
سابق وزیرِ اعظم، پشاور۔

۳۰۸۔ از خان عبد الغفار خاں

ڈنگا گلی
ہزارہ ضلع
۱۳؍ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

پیارے پنڈت جی

آپ کا تار مجھے کل یہاں ڈونگا گلی میں دیا گیا۔ کیمپ کے لئے اب تک کوئی قطعی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے، اس لئے کہ وہ لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر میں نے اُن کو فوراً ہی خط لکھ دیا ہے، جو تاریخ طے پائے گی اُس سے آپ کو فوراً مطلع کر دیا جائے گا۔ راجہ جی اور مولانا صاحب نے جو رائے ظاہر فرمائی ہے آپ نے ریڈیو پر ضرور سُن لی ہوگی۔ مزید برآں آپ نے اُس گفتگو پر بھی غور فرمایا ہوگا جو مسٹر جناح اور مولانا صاحب کے درمیان ہوئی۔ مولانا صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تو میری سمجھ میں آیا مگر مسٹر جناح کا مقصد میں نہیں سمجھ سکا۔

جب تک کیمپ یہاں رہے گا میں یہیں قیام کروں گا۔ اس کے بعد کام شروع کروں گا۔ اس جگہ کی آب و ہوا نہایت اچھی ہے اور میری صحت خاصی بہتر ہوگئی ہے۔ یونس صاحب کا خط بھی آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خاص سری نگر تو کافی گرم جگہ ہے مگر وہ اپنا وقت بیشتر دیہاتوں میں صرف کرتے ہیں۔

میں پونا نہ آسکوں گا لیکن اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے وہاں بھی وہی قرارداد منظور کی تو پھر مجھے آزادی حاصل ہوگی کہ میں اس کمیٹی سے بھی مستعفی ہو جاؤں۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ از راہِ کرم اُپادھیا اور دوسرے صاحبوں

کو میرا پیامِ محبت پہنچا دیجئے۔

عبدالولی، غنی، روشن اور مہر تاج آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور آپ کو بہت بہت سلام لکھنے کو کہتے ہیں۔

آپ کا
عبدالغفّار

۳۰۹۔ از ابوالکلام آزاد

نینی تال
۱۹ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل

تمھارے سولہ تاریخ کے خط کا شکریہ۔ از راہِ کرم میرا بیان پھر پڑھو۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ قرار داد باتّفاق آرا منظور ہوئی۔ میں نے صرف قرار داد کے ذہنی پہلو کی توجیہہ کی ہے، اور یہ کہا ہے کہ ہر شخص کا ذہن و دماغ اس بارے میں صاف تھا کہ اگر ہندوستان کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو اُسے (ہندوستان کو) جنگ میں شریک ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ اسٹیٹسمین اور دوسرے روزناموں نے بیان کے یہی معنی لیے ہیں۔

میں شکر گزار ہوں گا اگر تم سرِ دست اس کے متعلق کوئی بیان نہ شایع کرو جب تک کہ پونا میں ہماری ملاقات نہ ہو جائے۔ میں تم سے اس بارے میں مفصّل گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ افسوس ہے کہ دہلی میں ہمیں کوئی ایسا موقع نہیں مل سکا۔ چین سے آئے ہوئے خط کی نقل مجھے مل گئی۔

تمھارا مخلص
اے۔ کے۔ آزاد

۳۱۰۔ از جے پرکاش نارائن

(جے پرکاش نارائن نے یہ خط ہزاری باغ سنٹرل جیل سے بھیجا تھا جہاں وہ اس وقت قید تھے)

خط دستی دیا جائے۔

۲۰ / جولائی ۱۹۴۰ء

پیارے بھائی

تم تصور کر سکتے ہو کہ حال کے واقعات نے ہمیں کس قدر رنج و اذیت پہنچائی ہے۔ راجہ جی نے ہماری پیٹھ میں چھرا مارا ہے۔ یہ سُن کر بڑی تسکین ہوئی کہ تم نے اور خان صاحب نے اس ذلیل بات کی مخالفت کی۔ مگر کیا اتنا ہی کافی ہے؟ یہاں ہم سب تم سے توقع رکھتے اور التجا کرتے ہیں کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں اور ملک میں اس مخالفت کی تم قیادت کرو۔ تمھیں کمیٹی کی رُکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ تصفیہ کے بعد، یعنی اگر کوئی تصفیہ ہو جائے، تم ضرور کانگریس چھوڑ دو اور سیاسی کام کا باقی حصّہ اور انقلاب ہند کے معاشرتی کام کا اصل حصّہ مکمّل کرنے کی غرض سے ایک دوسری جماعت یا تنظیم قائم کرو۔ کیا تم یہ کرو گے؟ شاید تم سب یہ محسوس کرتے ہو کہ راجہ جی کی قرارداد کانگریس کی موت کی گھنٹی بجا رہی ہے۔ کانگریس کی تقسیم کا خوف اب موہوم سا ہو جاتا ہے۔ گاندھی جی نے اپنی شان اپنے مخصوص انداز میں قائم رکھی۔ مگر اُن کی تائید، اگر ایجابی طور پر نہیں تو کم از کم منفی طور پر غداروں کی طرف مائل ہو گی۔ ولبھ بھائی اور راجہ جی نے گاندھی جی سے علیحدہ ہو جانے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ کیا تم اپنا صریحی اور بدیہی تاریخی فرض ادا کرنے میں ہچکچاؤ گے؟ میں نہیں کہہ سکتا کہ تم کتنی کامیابی حاصل کرو گے۔ مگر بہ ہر صورت تم اُن لوگوں کے لئے جو تمھارے بعد آنے والے ہیں ایک تابان و درخشان راستے کی نشان دہی کر جاؤ گے۔

یہ خط جذبات کے زیرِ اثر یا غصّے میں نہیں لکھا گیا ہے بلکہ ٹھنڈے دل سے اور سوچ سمجھ کر لکھا گیا ہے۔

محبّت کے ساتھ

تمھارا

جے پرکاش

ضمیمہ: مجھے وسط اکتوبر تک جیل سے رہا ہو جانے کی توقع ہے۔

۳۱۱۔ از چنگ ین فون

چینی شاخ
بین الاقوامی صلح و امن کی جدّ و جہد
پوسٹ آفس بکس ۱۲۳، چنکنگ، چین
۲۱ر اگست ۱۹۴۰ء

پیارے مسٹر نہرو

آپ کو آخری خط لکھے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ اس سال کی ۹ر جنوری کو وہ خط ہیں نے لکھا تھا۔ یہ ہماری کسی غفلت کا نتیجہ نہیں ہے ــــ یہ کہئے کہ آپ کو خط لکھنے کا ہمیں بارہا خیال آیا۔ مگر آئے دن کے پیہم اور سنگین قسم کے معرکوں نے ہمیں تقریباً پورے طور پر کم گو اور کم سخن بنا دیا ہے۔ اب تو ہمیں کام اور صبر و تحمّل کی صحبت و معیّت میں یہ دن کسی نہ کسی طرح گزار لینے چاہئیں۔

بہ ہر صورت اب ہمیں اپنے مدّتوں کے مجتمع احساسات اور جذبات کے دباؤ کے سامنے سپر ڈال ہی دینی پڑے گی۔ تاریخِ ہند کے چکّر کے اس سخت موڑ پر بھی آپ اپنے دوست کو نہیں بھولتے جو آپ کے پڑوس میں اُسی مقصد کے لئے لڑ رہا ہے جس مقصد کے لئے آپ لڑ رہے ہیں۔ چین کے ساتھ آپ کی مخلصانہ ہمدردی کی ایک شہادت آپ کے ایک تازہ مقالہ زیرِ عنوان "ہندوستان، چین اور انگلستان" میں ملی جو لکھنؤ کے نیشنل ہیرالڈ میں شایع ہوا ہے۔ آپ ہمیں اپنی غیر متزلزل ہمدردی اور تائید کے لئے شکر گزاری اور قدر شناسی کے مکرّر اظہار کی اجازت دیں؛ اور اس اظہارِ شکر میں ہمیں یقین ہے کہ ہم پوری چینی قوم کے احساسات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ آپ یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ آپ کے مقالہ "ہندوستان، چین اور انگلستان" کی چُنکنگ میں بڑے وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ آپ کے اس مقالے کے بعض حصّے ہانکو ہیرالڈ کے چنکنگ ایڈیشن اور چینی پریس کے سب سے زیادہ با اثر پرچہ ٹاکنگ پاؤ (غیر جانبدار) میں بھی چھپے تھے۔ اِن پرچوں کے تراشے ہم مسرّت کے ساتھ آپ کو اس خط کے ساتھ

بھیج رہے ہیں۔

انگلستان کی مسلسل دل جوئی و رضا جوئی کی پالیسی شرح و بیان کی محتاج نہیں ہے اور ان موجودہ لمحات میں وہ واقعی اس پالیسی کے تلخ ثمرات چن رہا ہے۔ برما کی سڑک بند کر دینے سے انگلستان کو کوئی فائدہ نہیں؛ اس سے اس کی مشرقی سرحد کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہو جاتی ہے۔ جاپانی، انگلستان کے موقف پر غور کرنے کا دردِ سر مول نہ لیں گے، وہ کسی دن بھی جنوب کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں۔ اور انگلستان کو ایک بہت بڑی قوم کی دوستی سے ہاتھ دھو لینے پڑیں گے۔ ایک ایسی قوم کی دوستی سے جو ۴۵ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ مگر چینی قوم اس سے خائف نہیں ہے۔ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آزادیِ کامل سے کم کوئی چیز ہندوستان والوں کو مطمئن نہیں کر سکتی، چین والے خواہ اُن کی راہ میں کیسی ہی جاں گسل دشواریاں حائل کیوں نہ ہوں جنگ سے ہاتھ اٹھا لینے پر اُس وقت تک آمادہ نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ وہ مقصد حاصل نہ ہو جائے جس کی تکمیل کے لئے ہم نے ہتھیار اُٹھائے تھے۔ سرزمینِ چین کے بیسیوں لاکھ بیٹوں اور بیٹیوں کی جانوں اور بے شمار دولت کی قربانی رائگاں نہ جائے گی! جن لوگوں کی بہت سی امیدیں ہم سے وابستہ ہیں وہ مایوس نہ ہوں گے!

یہ دیکھ کر واقعی افسوس ہوتا ہے کہ متواتر سیاسی شکستیں بھی برطانوی مدبروں کو سبق نہ دے سکیں کہ وہ جارحین کے ساتھ اپنی حکومت کی خارجہ پالیسی کی غلط روی پر غائر نظر ڈال سکتے۔ مگر جن قوموں پر جارحانہ حملے کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے شاطرانہ اشاروں سے سبق آموزی میں قاصر نہیں رہ سکتے۔ اگر اس سال کے اوائل میں انڈین نیشنل کانگریس نے برطانیہ کی جنگ کے مقاصد پر اعتراض کئے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ کوتاہ نظر مقاصد و اغراض جو ان لوگوں کی راہ میں حائل ہیں اُن کے پیشِ نظر برطانوی حکومت سے جیسی کہ وہ اس وقت ہے بہ مشکل ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اُن بڑے مسائل کو ذہن میں رکھے گی جو معرضِ خطر میں ہیں۔ مگر

ہم یہ باور کرنے پر تیار نہیں ہیں کہ برطانوی حکومت کی اس متناقض و متضاد پالیسی کو انگلستان کے روشن خیال لوگوں کی بھی پوری تائید حاصل ہے۔ اس لئے کہ برطانوی آئی۔پی۔سی کا وہ مختصر مگر جامع بیان اب بھی یاد ہے جو اس یورپی لڑائی کے چھڑنے کے کچھ ہی دنوں بعد جاری ہوا تھا اور جس میں برطانوی حکومت سے بہ اصرار یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ واقعی اُن جمہوری اصولوں پر ایمان رکھتی ہے جس کا بہ بانگِ دُہل وہ اعلان کیا کرتی ہے تو ہندوستان کے شدید مطالبے کو جُراُت مندانہ تسلیم کرکے اپنی اِس جمہوریّت نوازی کا ثبوت دے۔ اور برما کی اس سڑک کے معاملے میں لندن میں سفیرِ چین کو برطانوی عوام کی طرف سے ہمدردی کے متعدّد پیغام موصول ہوئے، مگر جب تک کہ ایسے دور اندیش لوگ اپنی اِسی موجودہ پوزیشن میں ہیں ـــــ جس کا حکومت کی پالیسی پر کوئی دباؤ نہیں ہے، برطانیہ بہ تدریج اُس ہمدردی کو کھوتی رہے گی جو اب بھی اُس کے ساتھ ہے۔ اِس کے مادّی اور اخلاقی عواقب و نتائج تباہ کُن ہوں گے۔

ہم اہلِ چین، ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے جدید حالات کا مطالعہ یہاں ہمیشہ بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چین چونکہ اس وقت خود ہی ایک زندگی و موت کی کشمکش میں سرتاپا غرق ہے وہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کرسکتا۔ بہرحال ہمیں اعتماد ہے کہ ہمارے اس دیو پیکر کام کی کامیاب انتہا بالواسطہ آپ کو مدد پہنچائے گی۔ چینی جمہوریّت کے بانی ڈاکٹر سن یات سن کی تعلیمات سے آپ ضرور پورے طور پر آشنا ہوں گے۔ ہماری قومی روح کُلّیتہً انہی تعلیمات کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

آپ کی جدّوجہدِ آزادی ہمارے لئے ہمیشہ جراُت آموز اور فیض بخش رہی ہے۔ جس صبر و استقلال کے ساتھ ہمارے ہندوستانی دوست اپنی گم کردہ آزادی کے حصول کی کوشش کررہے ہیں اُس نے ہمیں اپنی اُس آزادی کی اور زیادہ قدر کرنا سکھادیا جسے ہم اب بھی اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں مسٹر گاندھی اور آپ کی دانش مندانہ قیادت میں اور چین میں جنرل چیانگ کائی شیک کی دُور اندیشانہ رہبری میں، ہمیں اعتماد ہے کہ ہماری دونوں قوموں کی کوششیں بالآخر ہمیں اپنی قومی آزادی کی منزل تک پہنچادیں گی جو ہم دونوں کا مشترک مقصد ہے۔ ان دونوں قوموں کے متحدہ عزم وارادے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔ ہمارا ایمان ویقین ہماری جنگِ نشاتِ ثانیہ کے اُس سہ سالہ تجربے پر مبنی ہے جس میں پینتالیس کروڑ انسانوں کا یہ آہنی عزم وارادہ کہ ہم کسی دوسری قوم کے غلام نہ بنیں گے اور نہ کوئی دوسری قوم ہمیں لوٹ کھسوٹ سکے گی، ایک ایسے ہیبت ناک دشمن کے مقابلے میں ایک دیوار آہن بن گیا جو وسائل اور تیاریوں میں ہم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

ہند و چین کی پوری تاریخ میں دونوں ملکوں کی سرحدوں پر کبھی اسلاح بند جھگڑے نہیں ہوئے، تاریخ میں صرف اُن فوائد کا ذکر ملتا ہے جو ان دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے تمدن سے خیر سگالی کے قاصدوں اور پیغامبروں کے توسط سے حاصل کئے۔ ہمارے درمیان ایک دیرپا دوستی کے قیام کے لئے یہ ایک محکم بنیاد ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اپنی اپنی قوموں کو آزاد کرانے کا باہمی معاہدہ ہمارے اخوت وصداقت کے روابط کو محکم تر بنادے گا۔ ہم اُس دن کا بڑے شوق کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں جب ہندوستانی اور چینی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اور کندھے سے کندھا ملائے ہوئے دُنیا کے امن وآشتی کے لئے کوشاں ہوں گے۔

یہاں ہندوستان سے متعلق جو اطلاعات ہم تک پہنچا کرتی ہیں وہ بالکل ناکافی ہوتی ہیں۔ آپ اگر ہمیں کوئی اطلاع بھجوانی چاہیں تو ہم خوشی کے ساتھ اُس کو قبول کریں گے۔ ہمیں اعتماد ہے کہ ہم ایسی اطلاع کی وسیع ترین اشاعت کا سامان کر پائیں گے، اور اس طرح ہم اپنی نیک اور عمدہ مفاہمتِ باہم کو ترقی دے سکیں گے۔

آپ کی شریفانہ جدّوجہد کے لئے اپنی بہترین تمنّاؤں کے ساتھ

آپ کا مؤدبانہ
چنگ ین فون،
انتظامی سکریٹری

پنڈت جواہر لعل نہرو
الہ آباد، ہندوستان

۳۱۲۔ از مادام چیانگ کائی۔شک

صدر مقام سپہ سالارِ اعظم
چنگنگ، سزے چوان، چین
۱۰ ستمبر ۱۹۴۰ء

پیارے مسٹر نہرو

میں نے کتنی بار سوچا کہ آپ کو خط لکھوں اور آپ کے خطوط کا شکریہ ادا کروں جو مسٹر ہولیین چنگ کی معرفت مجھے ملے اور اُس ایک خط کا بھی جو چین کے کونسل جنرل کی معرفت مجھے موصول ہوا!

تکلیف اور مصیبت کے ان تمام ایام میں سپہ سالارِ اعظم نے اور میں نے ہندوستان کے جدید حالات کا دلچسپی اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ آپ کے ساتھ انڈین نیشنل کانگریس سے متعلق ہم بھی زیادہ حریت پسندانہ برطانوی پالیسی کے امیدوار رہے ہیں اس لئے کہ آپ کی سیاحتِ چین نے ہندوستان کے مسائل کے قلب و روح کو ہم سے بہت زیادہ قریب کر دیا ہے۔

چند مہینے ہوتے ہیں کہ میں نے ایک تار کے ذریعے آپ کی بہن مسز پنڈت اور دوسری سربرآوردہ ہندوستانی خواتین کو اکتوبر میں چین آنے کی دعوت دی تھی۔ جیساکہ میں نے اپنے خط میں پیش بینی کی تھی، گزشتہ موسمِ گرما کے ہر روشن اور صاف دن میں جاپانی بمبار طیاروں نے چنگنگ پر، اور، سچ پوچھئے تو، آزاد چین کے ہر حصے پر بڑی بے رحمی کے ساتھ بمباری کی۔ اب اگر آپ چنگنگ آئیں تو آپ اُس کو پہچان نہ سکیں گے۔ بڑی آباد تجارتی بستیوں کے سیکڑوں میل کا رقبہ مقتل بن چکا ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے

ہر سمت ملبا ہی ملبا اور کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں۔ ہم سب جن کے ہاتھ پیر اب تک سلامت ہیں اُن لاکھوں خانماں برباد پناہ گزینوں کو امداد پہنچانے کے لئے شب و روز پیہم محنت و مشقت کرتے رہتے ہیں جو بسر اوقات کے تمام ذرائع اور وسائل سے اس بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ محروم کر دیئے گئے ہیں اور اُن پر جان و مال کی بربادی اور تباہی کی ایسی سوچی سمجھی ہوئی قیامت توڑی گئی ہے کہ ایسی بے رحمی کا ارتکاب انسان نے شاید ہی کبھی کیا ہو۔

بڑی عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس پر بھی ہماری قوم کے لوگوں نے ہمت نہیں ہاری ہے اور اُن کا اخلاق نہیں بگڑا ہے۔ بعض یورپی لوگوں کے برخلاف ہماری قوم کے لوگوں کو جس قدر سختی کے ساتھ دبایا جاتا ہے اُتنے ہی زیادہ وہ راحت و الم کے احساس سے آزاد فلسفی بن جاتے ہیں ہم اتنی تکلیفیں اُٹھا چکے اور اتنی مصیبتیں جھیل چکے ہیں کہ زندگی سراپا صبر و تحمل اور جارحانہ حملوں کی مقاومت برابر جاری رکھنے کے عزمِ صمیم اور جان توڑ کوشش کی تصویر بن گئی ہے تاکہ چین کو بقائے دوام حاصل ہو جائے۔

میں گزشتہ تین ہفتوں سے انفلوئنزا میں مبتلا ہوں۔ جن چیزوں نے میرے مجبوراً بستر پر پڑے رہنے کو گوارا بنا دیا ہے اُن میں سے ایک چیز آپ کی خود نوشت سوانح حیات کا مطالعہ ہے۔ میری زندگی کچھ ایسی ہے کہ لگاتار پڑھتے رہنے کے لئے وقت نکالنا دشوار ہے اور میں چاہتی تھی کہ آپ کی کتاب سکون و فرصت کے ساتھ پڑھوں کہ وہ اسی طرح پڑھی جانے کی مستحق ہے۔ اب تک مجھے کبھی اس کا موقع ہی نہیں ملا تھا مگر اب میں واقعی محسوس کرتی ہوں کہ میں آپ کو جانتی ہوں اس لئے کہ مجھے سکون اور غور کے ساتھ اپنے ملک کے آزاد کرانے کی اولوالعزمانہ جدّوجہد کے ہر دور میں آپ کے قلب کی تحریکات و تحریصات کے جاننے کا موقع میسّر آیا ہے۔

ایک گراں قدر تحریر ہے۔ آپ کی کتاب! اس لئے کہ وہ روداد ہے ایک انسانی روح کے سفرِ حیات کی جو روزمرّہ کی زندگی کے جھگڑوں کے شور و غوغا

سے بلند ہوکر ایک فکری اور جذباتی دنیا کی سیاحت کر رہی تھی اور ایسی روداد ہے جو جذباتیت سے آلودہ نہیں ہے مگر پھر بھی اس درجہ پُر اثر ہے کہ وہ پورے طور پر اس بات کی حقدار ہے کہ اُس کو ہر عہد کی گراں قدر دستاویزوں میں جگہ دی جائے۔

سپہ سالار اعظم اور میں اپنی پُراز محبت دعائیں اور ایک مستقبل کے لئے اپنی پُراز امید اور پُر خلوص تمنّائیں آپ کو اور ہندوستان کو بھیجتے ہیں۔

آپ کی مخلص
مے لنگ سونگ چیانگ

۳۱۳۔ از جی گسٹ لیوو

لندن
۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء

جناب عالی،

ایک ایسے عرصۂ حیات میں جس کی مُدّت آپ کی عمر سے خاصی طویل ہے میں نے فطری طور پر بہت سی کتابیں کئی زبانوں میں پڑھیں مگر ان کتابوں میں سے کسی کتاب نے مصنّف کے لئے شخصی احترام کا اس سے قوی تر احساس میرے اندر نہیں اُبھارا۔ اگر آپ مجھے معاف فرمادیں تو میں اُن لفظوں کا زمانہ بدل دوں جن کو میں نے تقریباً چالیس سال سے نہیں دیکھا ہے ــــ اور مجھے امید ہے کہ میں نے ٹھیک طور پر بدلا ہے ــــ اور شیکسپیئر کا ہم زبان ہوکر کہوں:

اُس کی زندگی بلند و بدتر ہے اور عناصر
کا اُس کے اندر ایسا امتزاج ہوا ہے کہ فطرت کھڑی ہوکر
کہہ سکتی ہے سارے عالم سے: "یہ ایک انسان ہے"

آپ کا مخلص
جی۔ گسٹ لیوو
(ایم۔ اے۔ ماگڈالین، آکسفورڈ)

۳۱۴ - از خان عبدالغفار خاں

لکھنؤ

۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۰ء

پیارے جواہر لعل جی

میں بخیریت تمام کل یہاں پہنچ گیا۔ نہرو[1] صاحب اسٹیشن تشریف لائے تھے۔ میں اُن کے مکان پر بڑے آرام کے ساتھ ٹھیرا اور آج ڈیڑھ بجے والی گاڑی سے روانہ ہو رہا ہوں۔ کھانے بڑے پُرتکلّف تھے۔۔۔۔ شاید انھوں نے مجھے مہمان سمجھا۔ میں مہرتاج سے بھی ملا اور اُس کی پرنسپل سے بھی اور اُن سے دیر تک باتیں کیں۔ پرنسپل صاحبہ کہتی ہیں کہ مہرتاج بڑی اچھی لڑکی ہے مگر جذباتی ہے اور دوسری لڑکیوں سے بہت جلد متاثر ہو جایا کرتی ہے۔ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُس کی تعلیم پر تو توجہ دیں ہی گی، اور طرح بھی وہ اُس کی دیکھ بھال رکھیں گی۔

میری خواہش ہے کہ کبھی کبھی آپ بھی مہرتاج کو خط لکھا کریں اور اُسے سمجھائیں کہ اُسے اپنے آپ کو اور دُنیا کو اب سمجھنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ اُس کا مقصدِ زندگی کیا ہونا چاہیئے؛ وہ اب ایک سیانی لڑکی ہے، اُسے بچّوں کا سا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے۔ اس موضوع پر مجھے کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ آپ اِن باتوں کو خود ہی خوب سمجھتے ہیں۔

آتے وقت میں مولانا صاحب سے بھی ملا تھا اور میں نے اُن سے ایک بات عرض کی تھی جس کے متعلق انھوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ٹیلیفون پر آپ سے باتیں کریں گے۔ ممکن ہے انھوں نے آپ سے باتیں کی ہوں۔ دراصل یہ بات میں نے سیگاؤں میں مہاتما جی سے سُنی تھی ۔ وہ اس خیال سے کسی قدر پریشان تھے کہ جواہر لعل اُن کی رائے سے قطعاً اتفاق نہیں رکھتے۔ یہ قصّہ دلو بآ کی

---

[1] میرا خیال ہے کہ یہاں ان کی مُراد میرے ایک چچیرے بھائی سے ہے جو اُس وقت لکھنؤ میں رہتے تھے۔

گفتگو کے بعد کا ہے اور وہ اُس وقت پس و پیش میں تھے کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے اُن کو اطمینان دلا دیا کہ میں پنڈت جی سے اسٹیشن پر ملا تھا اور اُن سے بات چیت بھی کی تھی جو بالکل اطمینان بخش تھی۔ کچھ لوگوں کو (کچھ شکوک ؟) تھے۔ اس لیئے پہنچنے پر میں نے مولانا صاحب سے اپنے خیالات عرض کیئے اور انھوں نے مجھ سے اتفاق فرمایا۔ یہ طے پایا کہ ٹیلیفون سے آپ کو مطلع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مہاتما جی کو لکھ دیں گے تاکہ معاملات کی صورت وہی ہو جائے جو مہاتما جی چاہتے تھے۔ مولانا صاحب اور میں یہی چاہتے ہیں۔

یہاں ہر طرح خیریت ہے اور میں آپ کی خیریتِ کلّی کا خواہاں ہوں۔

آپ کا

عبدالغفّار

۳۱۵۔ از سپہ سالارِ اعظم چیانگ کائی۔شیک

(خط مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کا ترجمہ)

پیارے مسٹر نہرو

گزشتہ سال چنکنگ میں میرے آپ کے درمیان جو پُر لطف گفتگو ہوئی تھی اُس کی پُر مسرت یاد اب بھی میرے دل میں تازہ ہے۔ اکثر میں اُس روحانی رابطۂ اتّحاد کو بڑی تسکین کے ساتھ یاد کیا کرتا ہوں جو آپ کی سیاحتِ چین نے ہمارے درمیان قائم کر دیا ہے۔

اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ حملہ آور جاپانیوں کے مقابلے میں ہماری مقاومت، جس کو زیادہ تر قوم کے عزم و ارادے سے استحکام حاصل ہو رہا ہے، روز بروز قوّت و استواریِ اخلاق میں توانا تر ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے اس امر کا پختہ یقین ہے کہ موجودہ پراگندہ صورتِ حال سے دنیا کے آیندہ نظام کا بروئے کار آنا یا نہ آنا ہماری ایشیائی قوموں کی متّحدہ جدّوجہد کے نتائج پر انحصار رکھتا ہے۔ جاپانیوں کی دمبدم بڑھتی ہوئی ہوسِ ملک گیری اور دُنیا کے نہایت ہی اہم اور مہتم بالشّان تغیّرات کے پیشِ نظر ہمیں اپنی آزادی و استقلال کے تحفّظ و بقا کی خاطر امنِ عالم میں سب سے بڑے

رخنہ اندازسے سب سے پہلے نپٹ لینا ضروری ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کے مُلک کے راہنما جو دُنیا کی حقیقی صورت حال سے اتنی اچھی طرح آشنا ہیں ایسی پالیسی اختیار کریں گے جو حوادث کی شدید اہمیت کے تقاضے کو صحیح طور پر پورا کرے اور حملہ آوروں کی مقاومت میں ہمارے جذبات اور ہماری آرزوؤں میں پورے طور پر شریک ہوں گے۔

مسٹر تای چی تاؤ ہندوستان کی ایک دوستانہ سیاحت کو جارہے ہیں۔ میں نے اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ میری پُرخلوص تمنائیں آپ تک پہنچادیں۔

آپ کا مخلص

چیانگ کای شک

۲۱۶۔ از مہاتما گاندھی

واردھا

۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل

لو ونوبا کا پروگرام متعین ہو گیا۔ اُن کی چار دنوں کی وزارت میرے نقطۂ نظر سے بہت کامیاب رہی۔

میں ایک یادداشت جاری کر رہا ہوں جسے تم بھی دیکھو گے۔ پروفیسر نے مجھے ٹیلیفون سے بتایا ہے کہ تم تیار ہو۔ میں نے تمھارا بیان بھی دیکھا۔ میں اب بھی تم سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یا کر رہا ہوں اُس میں کوئی چیز تم بھی ایسی پاتے ہو جو تمھیں پسند نہ آئی ہو۔ میں تم سے یہ نہ چاہوں گا کہ تم محض ایک انضباط پرست کی حیثیت سے میری ہاں میں ہاں ملادو۔ میرے موجودہ تصوّر کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو منصوبے پر یقین و ایمان رکھتے ہوں —— اُس کی ہر جزوی تفصیل پر نہ سہی، اصل منصوبے پر ضرور یقین و ایمان رکھتے ہوں۔ عاقلاں را اشارہ کافی ست۔

اگر ہو سکے تو مجھے ایک تار دیدو۔

محبت

باپو

۳۱۷۔ از مہاتما گاندھی

واردھا

۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۰ء

عزیزی جواہر لعل

تمھارا تار پاکر مجھے مسرت ہوئی۔ اگر میرے بیان کی اشاعت کی اجازت مل گئی ہے تو اس خط سے پہلے تم نے بیان پڑھ لیا ہوگا۔

اگر تم تیار ہو تو اب تم ضابطے کے ساتھ سول نافرمانی کا اعلان کر سکتے ہو۔ میں یہ تجویز کروں گا کہ تم اپنا جلسہ منعقد کرنے کے لیے کسی گاؤں کا انتخاب کرو۔ میں نہیں سمجھتا کہ حکومت کے آدمی تم کو اپنی تقریر کا اعادہ کرنے دیں گے۔ جہاں تک ونوبا کا تعلق ہے یہ لوگ اپنے منصوبے تیار نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر یہ لوگ تم کو موقع دیں اور آزاد چھوڑ دیں تو میں یہ تجویز کروں گا کہ تم اُسی منصوبے پر چلو جو ونوبا کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ لیکن اگر تمھاری رائے کچھ اور ہو تو تم اپنی پسند کا راستہ اختیار کرو۔ میں تم سے صرف اتنا چاہوں گا کہ تم اپنے پروگرام سے مجھے مطلع کر دیا کرو۔ تم اپنی تاریخیں اس طرح مقرر کیا کرو کہ مجھے تاریخ اور جگہ کا اعلان کر دینے کا وقت مل جایا کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ تم کو اپنا پہلا پروگرام بھی پورا نہ کرنے دیں۔ مگر میں حکومت کے ہر ایسے اقدام کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ میں اپنا پروگرام عام طور پر پبلک کے علم میں لے آنے کی غرض سے ہر جائز طریقہ استعمال کروں گا مگر میرا اصل بھروسہ اس بات پر ہوگا کہ منضبط فکر و خیال اپنا اثر آپ پیدا کرے۔ اگر اس بات پر یقین کر لینا تمھیں دشوار نظر آئے تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم ابھی کوئی رائے قائم نہ کرو اور نتائج کا انتظار کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم خود ہی صبر و تحمل سے کام لوگے اور ہماری طرف کے جو آدمی تمھارے ساتھ ہوں گے اُن کو بھی اسی صبر و تحمّل کی تلقین کرو گے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے ساتھ جو وفاداری تم برت رہے ہو اُس میں تم پر کتنا زور اور بوجھ پڑ رہا ہوگا۔ میں اس وفاداری کی بے حد قدر کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آگے چل کر یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ وفاداری بالکل برمحل برتی گئی۔

اس لئے کہ سوال اس گھڑی "کچھ کرو یا مرجاؤ" کا ہے۔ اب منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ ہمارے مقدمے کو کوئی ضرر بھی نہیں پہنچایا جا سکتا۔ نہ ب کر ہار مان لینے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بس اتنا کیا جائے کہ مجھے خالص اور بے آمیز عدم تشدّد کی قوت کا مظاہرہ کرنے میں اپنی راہ پر گامزن رہنے دیا جائے۔

مولانا صاحب نے ٹیلیفون پر مجھ سے فرمایا کہ دوسری ستیہ گرہ کے لئے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرنا چاہئے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر تم آنے پر رضامند ہو تو میں کسی دوسرے شخص کا انتخاب نہیں کرسکتا۔

ہری جن سے متعلق جو قدم میں نے اٹھایا ہے اس کے بارے میں تمھارا ردِعمل جاننا چاہتا ہوں۔

محبت

باپو

۲۱۸۔ از مادام چیانگ کائی۔شک

ہانگ کانگ

۱۶ر جنوری ۱۹۴۱ء

پیارے مسٹر نہرو

آپ نے جو خط مجھے مسٹر تای۔چی تاؤ کے ہاتھ بھیجا تھا، میرے شوہر نے اُسے میرے پاس بھیج دیا۔ گزشتہ دو ماہ سے میں ہانگ کانگ میں بیمار اور زیرِ علاج ہوں۔ آغازِ جنگ میں میں شنگھائی کے محاذ پر جارہی تھی کہ موٹر کار سے گر پڑی اور میری ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ ایک ہفتے کے بعد میں اپنے کام کو واپس گئی۔ اُس وقت سے میری پیٹھ میں درد رہا کرتا تھا، مگر میں اتنی مصروف رہا کرتی تھی کہ میں نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ اس موسمِ گرما میں میری تکلیف واقعی ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ اس اثنا میں روزانہ بمباری ہوتی رہی اور جب تک کہ بمباری کا موسم ختم نہیں ہوگیا، میں چنکنگ چھوڑنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کرسکی۔

جب میں ہانگ کانگ پہنچی تب اکس رے کرانے پر معلوم ہوا کہ میری

ریڑھ ٹیڑھی میڑھی ہوگئی ہے! کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ میں قریب قریب مفلوج ہوگئی ہوں۔ میں مناسب علاج کروا رہی ہوں۔ اور اب بہت، بہت اچھی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ چند ہفتوں میں اچھی ہو جاؤں گی اور اپنا کام پھر سنبھال لوں گی۔ واپس آکر میں مسٹر تائی سے ملوں گی اور تب آپ کے متعلق مجھے تقریباً براہِ راست خبریں ملیں گی۔

مجھے آپ سے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے جیل جانے کی خبر سُن کر مجھے کس قدر تکلیف پہنچی۔ اُس وقت سے آپ برابر مجھے یاد آتے رہے ہیں اور میرا جی چاہا ـــــ اُف کتنا چاہا گیا ہے کہ کاش میں آپ کے لئے اور ہندوستان کے لئے کچھ کر سکتی! جیسا کہ آپ نے لکھا تھا، وقت کا اندازہ دنوں سے نہیں لگایا جا سکتا۔ اگرچہ یہاں آپ نے بہت تھوڑے دنوں قیام کیا مگر میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے آپ ایک قدیم عزیز دوست ہیں۔ سپہ سالارِ اعظم اور میں، دونوں نے محسوس کیا کہ ہماری اور آپ کی روحیں باہم کامل ہم آہنگی کے ساتھ ملیں، اور چونکہ ہمارے آپ کے مقاصد اور آرزوئیں مشترک ہیں، آپ ہمارے حقیقی ساتھی اور رفیق ہیں۔

میں آپ کے لئے بہت تھوڑا یا کچھ نہیں کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر اس بات کا علم کہ ہم لوگوں کو آپ سے محبت اور آپ پر اعتماد ہے آپ کے اوقات کی اُداسی اور بے کیفی کو کم کر سکتا ہے تو یقین کیجئے کہ ہمیں یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ دُنیا میں ایسے بے غرض اور بہادر لوگ بھی پائے جاتے ہیں جیسے کہ آپ ہیں۔ نیز باور کیجئے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان اپنے مقصد میں فتحیاب ہو کر رہے گا۔ آپ کی فتح کے لئے ہمارے دل اور ہماری دعائیں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گی۔

جس دوست کے محفوظ ہاتھوں میں میں یہ چند سطریں آپ تک پہنچا دینے کو دے رہی ہوں وہ پا بر کاب ہیں اس لئے میں اختصار کے ساتھ بھی اس جوش و خروش کا آپ سے اظہار نہیں کر سکتی جو آپ کی گرفتاری اور قید پر ہماری قوم کے اندر پھیل گیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ جنھوں نے برطانوی

جمہوریت سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اُنھوں نے اپنے آپ سے یہ سوال کرنا شروع کردیا ہے کہ کیا انھوں نے شہنشاہیت پرستی کو غلطی سے حرّیت پسندی تو نہیں سمجھ رکھا تھا! مجھے کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میرے دوست، میری تمام اچھی تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مے لنگ سونگ چیانگ

۳۱۹۔ از جین فراسٹ

نیویارک

سہ شنبہ، ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء

میرے عزیز مسٹر نہرو

میں جو آپ کے لئے قطعی اجنبی ہوں آپ کو خط لکھنے کی جسارت کروں یہ میری گستاخی اور بدتمیزی ہے مگر میں اپنے آپ کو اس بدتمیزی پر کسی حد تک مجبور پا رہا ہوں اس لئے میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ میری اس بدتمیزی کو نظرانداز فرمادیں۔ آپ نے غور و فکر کے لئے مجھے بہت سا مواد عطا فرمایا ہے، جس کے لئے میں آپ کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہاں سے میں آگے کیوں کر بڑھوں۔ ناکافی الفاظ کا جو کچھ سرمایہ بھی میں رکھتا ہوں اُس کے سہارے میں اپنی قلبی منّت شناسی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو لفظوں میں نہیں سما سکتی۔ میں نہیں جانتا کہ ان خطوط پر میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیونکر کروں اس لئے کہ میں اپنے عمیق قلبی احساسات کے اظہار سے ہمیشہ خائف رہا ہوں۔ مگر اس وقت ضرورت اور حاجت خوف سے بڑھ کر ہے اور اب میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوں گا۔

میں آپ کی خودنوشت سوانح حیات کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ یہ میری عزیزترین کتاب بن گئی ہے۔ اس کتاب نے مجھے اپنے آپ سے پورے طور پر شرمندہ اور نادم بنا دیا ہے۔ ایّام ماضی میں میں نے اپنا بہت سا وقت ایک شخصی و ذاتی قسم کی شکستہ دلی، ناامیدی اور اوہام کی کیچڑ میں لوٹ کر ضایع کیا ہے۔ میں زندگی بھر بغیر کسی متعیّن پروگرام کے مگر تقریباً ہر ایسی حقیقت کے خلاف

سخت و سُست لفظوں کے ایک انبار کے ساتھ باغی رہا ہوں جس سے کبھی مجھے سابقہ پڑا ہے۔ میں نے انسانوں سے قطعی طور پر علیحدگی اختیار کر لی اور پھر سوچتا رہا کہ میری افسردہ دلی کے اسباب کیا ہیں۔ میں نے شدت کے ساتھ یہ خواہش اپنے دل میں پائی کہ میں اُس معاشرے کو چھوڑ دوں جس میں میں پلا بڑھا تھا اور میں نے اپنا کنبہ کھو کر ایسا کر بھی ڈالا۔ مگر اب میں جس مقام پر ہوں اُس کی تصویر یہ مثل ہے: "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا" اور اب بھی میرے گھر کے لوگ مجھ سے دور ہی ہیں۔ ایک زمانۂ دراز تک، میرا خیال ہے، میں یہ سوچتا رہا کہ میرے گھر کے لوگوں کو غیر مشروط طریقے پر میری مدد کرنی چاہیئے اس لئے کہ میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا ہے جو میرا بوجھ یا میرے کسی قدر سخت خیالات کا بوجھ ان کے کندھوں سے ہلکا کر دے۔

اب میں اپنے آپ کو ذلیل کیڑوں سے بھی حقیر پا رہا ہوں۔ اب میں بُری طرح چاہ رہا ہوں کہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ اپنا سر اونچا رکھ سکوں اور اپنے آپ کو ایک ایمان دار آدمی کہہ سکوں۔ بالآخر میں نے ایک محرک پا لیا ہے۔ اب مجھے کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ زندگی میں سب سے اہم چیز مطامحِ نظر کا تحفظ ہے —— یعنی یہ کہ کسی قسم کے تذبذب یا پس و پیش کے بغیر مطامحِ نظر کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہیئے۔ بالآخر میں نے جان لیا کہ گزشتہ واقعات کو بدلا نہیں جا سکتا، پھر بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید ایک چھوٹے سے پیمانے پر میں اُس چیز کا کفّارہ ادا کر سکتا یا ادا کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ جو میں کبھی تھا مگر اب نہیں ہوں۔ میں کس قدر بُری طرح معاملات کی تعبیر کرتا ہوں!

بہ ہر صورت مجھے تو اپنے اندازِ فکر کے اس تغیّر کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ میں اس دُنیا کو اِک شائستہ و معقول رہنے کی جگہ بنانے کی سعی و کوشش میں اپنا حصّہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ "آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں" یہ پکار ہے اس حقیر سی مخلوق کی صحرا سے، دور اندھیرے میں ایک روشنی دیکھ کر، ایسی روشنی جو مضبوطی کے ساتھ، بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے، نہ باد و باراں سے اثر پذیر ہوتی ہے اور نہ انسان کے نفاق سے۔ یہ اندازِ بیان میرا شاید

لفظی صنائع و بدائع سے گرانبار ہے اور کچھ زیادہ بلیغ و پُرمعنی نہیں ہے مگر بہرصورت جو کچھ کہہ رہا ہوں تہِ دل سے کہہ رہا ہوں اور سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ (دل کی چوٹی سے، گہرائی سے اور پہلوؤں سے بھی)

آپ کا مخلص

رجین فراسٹ

۳۲۰۔ از رفیع احمد قدوائی

گورکھپور

۲۶ اپریل ۱۹۴۱ء

پیارے جواہر لعل جی

مسز پنڈت کے چین جانے کی تجویز کے بارے میں کسی قدر فکرمند سا ہوں ــــ جنگ کے خطرے کی وجہ سے نہیں بلکہ ہندوستان کی صورتِ حال کے پیشِ نظر۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اپنے معاملات و مسائل سے متعلق سنجیدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ہمیں سنجیدہ باور کریں، تو پھر مسز پنڈت کی سی بلند شخصیت کے کسی آدمی کو ایسی سرگرمیوں میں مصروف نہ ہونا چاہیے، جن کا براہِ راست ہماری تحریکات سے کوئی تعلق نہ ہو، ٹھیک اسی طرح جس طرح میں راجن بابو کی حیثیت کے کسی شخص کے لئے اس بات کو درست نہیں سمجھتا کہ وہ سارے ملک میں ہر قسم کی تقریبوں میں شرکت کرتا پھرے خواہ وہ دربھنگہ میں جنیو کی تقریب ہو خواہ دہلی میں تعلیمی سنگھ کی۔

مجھے امید ہے کہ آپ یا مسز پنڈت میری اس تحریر کا کچھ خیال نہ کریں گے۔

میں اچھا اور خوش و خرم ہوں، اور ہیلیفیکس کی اس دھمکی سے پریشان نہیں ہوں کہ وہ بیس سال تک اس جنگ کو جاری رکھیں گے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم برابر جیل ہی میں رہیں گے۔

آپ کا

رفیع

۳۲۱- از پُرنیا بنرجی

الہ آباد

۷ رمئی ۱۹۴۱ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

ناقابلِ تصور ہے یہ بات کہ پورے چار سال گزر جائیں اور میں آپ سے مل نہ سکوں۔ جب آپ لکھنؤ میں۔ تھے تب میں جانتی تھی کہ آپ کے اوقات مصروفیتوں سے پورے طور پر بھرے ہوئے ہیں اور دہرادون میں بھی میں سمجھتی تھی کہ شاید "باہر والوں" سے ملنے کا وقت آپ کو نہ مل سکے، اور میں سمجھتی ہوں کہ مجھے "باہر والا" ہی قرار دیا جائے گا۔ مگر میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کوئی خاص سبب نہیں ہے۔ یہ میری صرف ایک شخصی خواہش ہے۔

میں کچھ ایسا محسوس کر رہی ہوں کہ اگر میں باپو کے ساتھ مسوری گئی تو یہ میرا اسفلہ پن ہو گا۔ مگر کیا کروں وہ اُلٹی ستیہ گرہ کی دھمکی دے رہے ہیں اور اگر میں نہ جاؤں گی تو وہ بھی مسوری جانے سے انکار کر دیں گے۔ میں اس کو اچھا نہیں سمجھتی کہ میں نہ جانے پر اڑ جاؤں اور اُن کی چھٹیاں برباد کر دوں، اس لئے میں محسوس کرتی ہوں کہ بالآخر مجھے اُن کی بات مان ہی لینی پڑے گی۔ یہ مسئلہ صرف اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ اس اثنا میں میں گرفتار کر لی جاؤں۔

* * * * *

میں محض معمولی باتوں اور فوری ضرورت کی چیزوں کے سوا کچھ اور لکھنا کبھی سوچا ہی نہیں کرتی۔ میں ۲۵ رکی صبح کو ساڑھے سات بجے دہرادون میں ہوں گی۔ وہاں آپ سے ملنا بہت پسند کروں گی۔ اگر میں اتنی خوش قسمت نہیں ہوں کہ وہاں آپ سے مل سکوں تو ۲۵ کے بعد کسی دن بھی آپ سے ملاقات کرنے پر تیار ہوں۔ میں آسانی کے ساتھ مسوری سے آسکتی ہوں۔

میں سپرنٹنڈنٹ کو ملاقات کے لئے ایک علیحدہ درخواست بھیج رہی ہوں۔

---

* * * * * سنسر نے نکال دیا۔

اگر میں اس سے پہلے ہی گرفتار کر لی گئی تو میں سپرنٹنڈنٹ کو مطلع کر دوں گی تاکہ کسی دوسرے کو آپ کی ملاقات سے محروم نہ کیا جا سکے۔

میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اس خط کو آپ تک پہنچا بھی دیا جائے گا یا نہیں۔

اندو سے میری ایک مختصر سی ملاقات ہوئی۔ مگر میں اپنے آپ کو کچھ اتنی بڑی، "عمر" بچوں والی اور از کار رفتہ سی محسوس کرنے لگی ہوں کہ یورپ سے تازہ لوٹے ہوئے ہشاش و بشاش لوگوں سے کوئی بحث یا گفتگو نہیں کر سکتی۔ میں نے کرشنا مینن کے بارے میں اُن سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ اب بھی ویسے ہی "منز لزل اور ڈانواڈول" سے ہیں جیسے کہ وہ ہمیشہ تھے۔

آج کل الہ آباد میں کوئی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے جیل سے باہر آنا بھی اُتنا ہی بُرا ہے جتنا جیل کے اندر رہنا۔

الہ آباد کے قیدیوں کی ٹولی اچھی طرح ہے۔ مظفر تو پہچانے نہیں جا سکتے۔ گزشتہ سنیچر کو میں اُن سے ملی تھی۔ اُن کا وزن بڑھ گیا ہے۔

یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے مولانا سے ملنے کا ارادہ رکھتی ہوں، مجھ کو یقین ہے کہ گرمی اور جیل کی زندگی اُن کے سکون میں خلل انداز ہونے یا زندگی سے متعلق اُن کا جو عام انداز ہے اُس سے اُن کو برگشتہ و منحرف کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ جیل خانے حقیقت میں بیکار سے ادارے ہیں۔ یہ کسی کو بدلا نہیں کرتے۔ اور نہ ہی یہ کسی کو پاک و صاف کرنے یا کچلنے میں کامیاب ہوا کرتے ہیں۔

آپ کیسے ہیں؟ یہ ملاقاتیں بھی بے سود سی چیزیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ سے ملنے کے بعد میں پھر بے کیف اور دل گرفتہ سی رہنے لگوں گی۔ بایں ہمہ یہ ملاقات میرے لئے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگی۔ میں بھاگنے پر ایمان نہیں رکھتی اور نہ کسی چیز کی قیمت ادا کرنے سے کترا جانے پر ایمان رکھتی ہوں خواہ وہ احساسات کی بے کیفی و بدمزگی ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔ الہ آباد کی ستیہ گرہی عورتیں سب کے سب آٹھویں تک جیل سے باہر آ جائیں گی۔ سوچیتا اپنی فیض آباد کی

لیڈری کا تاوان ادا کر رہی ہیں۔ وہ اور لکشمی دیوی اور اوما بھارتی یہ تین ہی قیدی ایک ایک سال کی سزا داسے ہیں۔ میرا وقت بہت اچھی طرح گزرا بجز اُس اذیت کے جو مجھے عام بارکوں میں رہ کر جھیلنی پڑی۔ مسز پنڈت اور میں کچھ دنوں الٰہ آباد میں یکجا رہے۔

پربھاوتی سے میری ملاقات ہوئی۔ شاید آپ جانتے ہیں کہ جے پرکاش دہلی میں ہیں۔ رام منوہر اچھے ہیں مگر انھوں نے ڈاڑھی بڑھالی ہے اور سر گھٹا لیا ہے، یعنی سر کے بال گھٹا لئے ہیں۔ اُن کی صورت دیکھنے کے لائق ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی پروا نہیں کرتے اس لئے کہ اُس پاس کوئی آئینہ بھی نہیں ہے ورنہ وہ اپنی شکل پہلی ہی سی بنا لیتے۔ میں نے اُن کو گزشتہ مہینے کی اٹھائیس کو دیکھا تھا۔

دہرادون میں بعض نہایت ہی خوب صورت چڑیاں پائی جاتی ہیں۔ کیا وہ آپ کے احاطے میں بھی آنکلتی ہیں؟ چڑیوں کے مشاہدے میں میں کسی قدر ماہر واقع ہوئی ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ کے لئے ایک کتاب لے آؤں جس میں آپ کو تمام ہندوستانی چڑیاں ملیں گی۔ آپ اُن کے نام جان لیں گے مسوری میں مجھے لمبی لمبی چہل قدمیوں میں بڑا لطف آتا ہے اور چڑیوں کا مشاہدہ میری ان چہل قدمیوں کو بڑا پُرلطف بنا دیتا ہے۔

احترامات کے ساتھ،

آپ کی پُراز محبت

نورا

۳۲۲۔ از رچرڈ رٹزنر

سوڈیٹن جرمنی کی معاشرتی جمہوری پارٹی کا

نمائندہ لندن، لندن

۱۳ر اگست ۱۹۴۱ء

پیارے پنڈت نہرو

ہم بڑے طویل پس و پیش ہی کے بعد یہ فیصلہ کر پائے کہ آپ کو خط لکھیں

اور جلاوطن سوڈیٹن جرمنی کے اشتراکیوں کی مبارک باد آپ کو بھیجیں۔ ۱۹۳۸ء کے فیصلہ کُن اور اہم موسمِ گرما میں بوڈن باخ اور پراگ میں جو باتیں ہمارے آپ کے درمیان ہوئی تھیں اُن کی یاد ہمارے دلوں میں اب تک تازہ ہے۔ ہٹلریت کے خلاف ہم جو جنگ کر رہے تھے اُسے بغیر کسی مفاہمت اور سمجھوتے کے برابر جاری رکھنے کی جو ہمّت آپ نے دلائی تھی اُس کے لئے ہم آج تک آپ کے شکر گزار ہیں۔ معاہدۂ میونخ کے بعد ہمیں میدان چھوڑ دینا پڑا۔ ہمارے بہترین بیس ہزار آدمیوں کو تیسری دولتِ مشترکہ کے اجتماعی کیمپوں یا جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ ان میں بہت سے مر گئے۔ پھر بھی ہم فخر و غرور کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے اپنی اس جدّوجہد سے اپنی پارٹی کی عزّت رکھ لی، وہ پارٹی جس کو ایک جمہوری ملک میں نازیت کے خلاف آخری سیاسی لڑائی لڑنے کا فخر و امتیاز حاصل تھا۔ ہم نے اپنے تین ہزار دوستوں کو بھاگ نکلنے میں مدد دی ہے۔ آج کل یہ لوگ انگلستان، سویڈن اور کناڈا میں جلاوطنوں کی حیثیت سے، موقع کے منتظر، اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ اور باوجود قاتلانہ جبر اور ظلم کے، ہمارے جو دوست یہاں رہ گئے ہیں وہ خوش و خرّم ہیں۔ ہمیں اُن دوستوں اور رُفقاء کی طرف سے جو ڈھائی برس دو سال تک رہے خطوط اور دعائیں پہنچتی رہی ہیں؛ وہ ہمیں اطمینان دلاتے ہیں کہ وہ اپنے پُرانے مطمحِ نظر کے لئے برابر لڑتے رہنے کا مضبوط ارادہ رکھتے ہیں۔

پنڈت نہرو! یہ خط ہم آپ کو ایک ایسی تحریک کے نام سے لکھ رہے ہیں جس کے کارکنوں کی تعداد سلسلۂ حوادث نے گھٹا دی ہے، پھر بھی وہ ایک ایسی تحریک ہے جس میں یورپی اشتراکیت کی لازوال روح کا ایک حصّہ اب بھی موجود ہے۔

ہمیں آپ کے اور آپ کے دوستوں کے قید کر دیئے جانے کا رنج و قلق ہے۔ ہمیں نہایت افسوس ہے کہ نیشنل کانگریس کی ترقی پسند قوت اس عظیم الشان کشمکش سے دور ہو گئی۔ نیشنل کانگریس اور برطانوی حکومت کے تعلقات میں جو کشیدگی اور تعطّل پیدا ہو گیا ہے اُس سے، ہماری نظر میں، دُنیا

کی جمہوریت دوست اشتراکی قوتوں کی صفوں میں، جو قومی اشتراکیت اور فاشزم یا استبداد و مطلق العنانی کے خلاف نبرد آزما تھیں ایک اہم اور فیصلہ کن خلاسا رونما ہوگیا ہے۔ ہندوستانی مسئلہ کے تاریخی اور معاشرتی پس منظر سے ہم پورے طور پر باخبر نہیں ہیں اور اس لئے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ان طاقت ور لڑنے والوں میں سے کسی فریق کو صلاح و مشورہ دیں۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ جب سے روس اس کشمکش میں شریک ہوگیا ہے، اس جنگ کا رُخ ایک حریت و استقلال کی جنگ کی طرف ہوگیا ہے۔ ہمیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ ہٹلر، مسولینی اور فرانس کی شکست سے دنیا بھر میں جمہوری نظام کی توسیع کے ایک دَور کا آغاز ہوگا اور ہندوستان کو اس دَور میں اپنی پوزیشن بہتر بنا لینے کا ایک خاصا اچھا موقع مل جائے گا۔

سوشلسٹ ہونے کی حیثیت سے ہم اس جنگ کی ہولناکیوں میں سے ایک آزاد اور متحد یورپ کے وجود میں آنے کے خواہش مند ہیں، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام کوششوں کا رُخ اسی مقصد کی طرف موڑ دیں۔ ہمارے راستے میں بہت سی سخت اور دشوار گزار رکاوٹیں ہیں۔ پھر بھی یہ دیکھ کر ہمت افزائی ہوتی ہے کہ ہر قوم میں جو قوتیں انتہائی ترقی پسند ہیں وہ روز افزوں وضاحت کے ساتھ اس امر کو پورے طور پر سمجھتی جا رہی ہیں کہ مستحکم و پائدار اور بھروسے کے قابل صلح و امن کی بنیادیں اس بات پر استوار ہونی چاہئیں کہ آزاد قوموں اور برِاعظموں کا باہم ایک دوسرے پر انحصار رکھنا اور ایک دوسرے کا پابند ہونا تسلیم کر لیا جائے۔ یورپ کو ایک آزاد ہندوستان کی شرکت و رفاقت کی ضرورت ہے۔ مگر خود ہندوستان کو بھی اپنے لئے ایک آزاد یورپ کی شرکت و رفاقت کی حاجت ہے۔

اس غایت و مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم ایک ایسے پہلو سے متعلق جو ہم دونوں کے درمیان مشترک ہے اپنے چند مشاہدات پیش کریں۔

انگریزوں کی پالیسی غلطیوں کی مرتکب قرار دی جاسکتی ہے ـــــ مثلاً

یہ کہ یورپ کے اوّلین شکار ہم تھے ـــــ پھر بھی فرانس کی شکست اور ہٹلر کے روس پر حملہ آور ہونے کے درمیانی سال میں یہ انگلستان ہی کے باشندے تھے جن کے کندھوں پر دنیا کی آزادی کا پورا بار پڑ رہا تھا۔ ۱۹۳۸ء کے موسمِ بہار میں بڑی تلخی کے ساتھ ہماری آنکھوں سے پردے اُٹھے اور شاید اسی سانحہ نے ہمیں آپ کی وہ تلخی سمجھا دی جو آپ جیل میں محسوس کر رہے ہیں۔ مگر اس ملک میں جلاوطنوں کی حیثیت سے ہم نے انگریزی قوم کو مصیبتیں جھیلتے اور لڑتے ہوئے دیکھا ہے اور ہمارے تلخ احساسات تحسین و قدرشناسی سے بدل گئے ہیں یقین کیجئے، پنڈت نہرو، کہ جس وقت لندن کے باشندے اس قاتلانہ بمباری کا مقابلہ کرنے کو اس بہادری کے ساتھ اُٹھے ہیں اُس وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے شہنشاہیت پرستانہ مقاصد نہیں تھے۔ یہ لوگ بھی ٹھیک اُسی طرح آزادی کے لئے لڑ رہے تھے جس طرح آپ اور ہمارے چیدہ اور منتخب لوگ سوڈیٹن کے علاقوں میں۔

ہماری رائے میں اُن تمام قوتوں کو، جو امن و صلح، جمہوریت اور آزادی کے ایک دَور کی بنیاد ڈالنے کی طرف مائل ہیں، اس جنگ کے بعد کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونا اور ایک عام و مشترک راہِ عمل کی تعیین کرنی پڑے گی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی معاملات کوئی بہتر رُخ اختیار کریں گے۔

اگرچہ ہمارا چیک۔ سوڈیٹن۔ جرمن سوال بھی چھوٹے سے پیمانے پر ہندو مسلم اشتراکِ عمل جیسا ایک مسئلہ پیدا کر دیتا ہے، پھر بھی ہمیں مسرّت ہوگی اگر کسی دن ہم اپنے آزاد ملک میں آپ کو ایک آزاد شخص کی حیثیت سے خوش آمدید کہہ سکے اور مرکزی یورپ کی تنظیم کے مسائل پر آپ سے مشورہ کر سکے۔ اس خط کو ہمارا ایک دعوت نامہ سمجھیں اور آپ پھر پراگ اور بوڈن باخ میں ہمارے مہمان ہوں۔

اُس وقت ہم انگریزی زبان میں باتیں کر سکیں گے اس لئے کہ ہم نے اپنی اس جلاوطنی کے چند سالوں میں انگلستان کی زبان، ادب اور فلسفہ سے واقفیت

پیدا کر لینے کا فائدہ اُٹھایا ہے۔

ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے تمام رفقاء کی طرف سے اپنی دلی اور گہری ہمدردی کا آپ کو یقین دلائیں۔

اگر آپ اس پوزیشن میں ہوں کہ سیاسی ادب کا مطالعہ کر سکیں تو ہم اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر آپ کو ایک ایک نسخہ اپنے دونوں رسالوں کا زیر عنوان "انگلستان اور آخرین آزاد جرمن باشندے" اور ہماری پارٹی کا مسئلۂ سوڈیٹن کے آیندہ تصفیہ سے متعلق اعلان بھیج رہے ہیں۔

آپ کا مخلص

رچرڈ ریٹزنر

وینزل جاکش

۳۲۳۔ از ایلینور ایف رتھبون

(یہ خط جب ہندوستان پہنچا تب میں جیل میں تھا، اس لئے وہ صوبجات متحدہ کے گورنر کو بھیج دیا گیا۔ اُنھوں نے اُسے میرے پاس دہرادون کے ڈسٹرکٹ جیل میں بھجوا دیا۔)

دارالعوام، لندن

۲۸ اگست ۱۹۴۱ء

پیارے پنڈت نہرو

آپ کے طویل خط کا شکریہ۔ یہ خط آج سے کئی ہفتہ بیشتر مجھے ملا، مگر کام کی کثرت کے سبب اُس کا جواب لکھنے میں میں نے پارلیمنٹ کے ہنگامی وقفے کا انتظار کیا۔ اس اثنا میں یہ خط بیکار نہیں پڑا رہا اس لئے کہ اس درمیان میں اس کو مسٹر ایمرے نے بھی پڑھا اور کئی ممبرانِ پارلیمنٹ نے اور دوسرے ایسے اصحاب نے بھی پڑھا جو ہندوستان کے معاملات سے خاص طور پر دل چسپی رکھتے ہیں۔

میں اس خط کا پورے طور پر مفصل جواب لکھنے کی کوشش نہ کروں گی بلکہ اُنھی نکات پر بحث کرنی پسند کروں گی جو ہمارے درمیان مجھے نمایاں اور اہم

معلوم ہوتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ "جب ہم ہندوستان کے ساتھ انگلستان کے تعلق پر غور کرتے ہیں تو اُس وقت ہمارے درمیان بہ مشکل ہی کوئی مشترک بنیادِ غور و فکر نظر آتی ہے"۔ مجھے امید تھی کہ ہمارے درمیان خاصی مشترک باتیں ہیں، مثلاً ہم سب کا آزادی، جمہوریت اور باشندگانِ ہندوستان اور دوسری قوموں کے لئے معاشرتی ترقی پر مشترک ایمان و عقیدہ رکھنا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم ان مقاصد کی شرح و تعبیر میں بھی باہم بڑا اختلاف رکھتے ہیں اور ان کے حصول کے ذرایع اور رفتارِ حصول میں بھی۔

رفتارِ حصول سے متعلق جو اختلافِ رائے ہمارے درمیان پایا جاتا ہے وہ میری نظر میں ایک بڑا اہم اختلاف ہے۔ گزشتہ بیس سالوں میں حکومتِ خوداختیاری کی جو مختلف قسطیں آپ لوگوں نے حاصل کی ہیں اور آگے چل کر جو مشروط وعدہ نوآبادیاتی رتبے کا آپ لوگوں سے کیا گیا ہے اس کو آپ ہندوستان کی "اہانت اور تحقیر" سمجھتے ہیں۔ مگر میں اور تقریباً تمام انگریز یہ سمجھتے ہیں کہ حکومتِ خوداختیاری اور دوسری اصلاحات کا بہ مراحل اور بہ اقساط دینا ہندوستان پر بھی صرف اُسی طریقے کا منطبق کرنا ہے جو ہماری حکومتوں نے یہاں ہمیشہ خود ہمارے ساتھ برتا ہے؛ وہ طریقہ جس کے ذریعے خود ہماری آزادیاں تعمیر پذیر ہوئیں اور ہماری یہ مقدارِ ترقی حاصل کی گئی ہے۔ اس لئے ہم نے "تدریجی رفتارِ ترقی کے ناگزیر ہونے" پر ایمان و عقیدہ رکھنا سیکھ لیا ہے، اس تدریجی رفتارِ ترقی کے فلسفیانہ طور پر لازم اور ضروری ہونے پر نہیں بلکہ اس کے واقعی اور حقیقی طور پر ناگزیر ہونے پر۔ یہ نہیں کہ اس طریقے سے ہم خود اکثر جزبز نہ ہوا کرتے اور پیچ و تاب نہ کھایا کرتے ہوں۔ رفتارِ ترقی اکثر غیرضروری طور پر سست معلوم ہوا کرتی ہے اور جب کوئی اصلاح بالآخر پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے تو یہ سوچ کر جی بدمزہ ہو جاتا ہے کہ کتنوں کے لئے یہ اصلاح بہت دیر میں اور بعد از وقت آئی ہے۔ مگر بہ حیثیتِ مجموعی ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس تدریجی طریقے کا انجام اچھا رہا ہے اور اُس نے ہمیں بہت سی ایسی مصیبتوں سے

بچالیا ہے جو دوسروں کو جھیلنی پڑیں، جیسے خوں ریز انقلابات، تشدّد آمیز ردِ عمل، غلط طور پر سمجھی گئی ہوئی اصلاحات جن کو بہ یک وقت مکمّل طور پر قبول کر لیا گیا اور دیکھا گیا کہ وہ ٹھیک طور پر نہیں چل رہی ہیں، اچھّی اور مفید اصلاحات مگر اس آسانی سے ہاتھ آئی ہوئی کہ جن لوگوں کو اُس سے فائدہ پہنچنے والا ہے انھوں نے اُن کی خوبی و افادہ کو نہیں سمجھا اور اس لئے نہ اُن کی قدر کرتے ہیں اور نہ اُنھیں محفوظ رکھنے کے جتن کرتے ہیں۔

اس رفتارِ ترقّی کے معاملے میں مجھ کو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ جب ایسے بڑے اور اہم سیاسی تغیّرات بساطِ بحث پر ہوتے ہیں جو نہ صرف ہندوستان کی فلاح و بہبود پر اثر انداز ہونے والے ہیں بلکہ دوسرے ملکوں کی فلاح و بہبود پر بھی، تب آپ کے ہم مشرب ہندوستانیوں کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ "سب کچھ یا کچھ نہیں" اور "سب کچھ بہ یک وقت اور بہ یک جنبشِ قلم" مگر جب ذکر معاشرتی اصلاحات کا آتا ہے جن میں تیز رفتاری نسبتاً کم خطرناک ہوگی تب ہندوستان کے لوگ اُتنے ہی "تدریجی" یا "تدریج پسند" دکھائی دیتے ہیں جتنے کہ ہم خود ہیں۔ کم از کم مجھ کو تو اس زمانے میں کچھ ایسا ہی نظر آیا جب میں بچّوں کی شادیوں اور رسمِ پردہ کے مسائل پر کام کر رہی تھی۔ برطانوی حکمرانوں کا ان بُرائیوں کو آہستہ اور ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگانا ہندوستانی مُصلحین کے ترقی یافتہ حلقوں میں بھی بہت سے حلقوں نے خوشی کے ساتھ قبول کر لیا، اور میں کوئی علامت اس بات کی نہیں پا سکی ——— اگرچہ میں جانتی ہوں کہ اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے ——— کہ آزاد ہندوستان میں ان بُرائیوں سے زیادہ شدّت اور سختی کے ساتھ نپٹا جائے گا۔ مسٹر گاندھی کا انداز چھوت چھات سے متعلق ایک استثنا ہے، مگر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر مردوں اور عورتوں دونوں پر پڑتا ہے۔ پھر بھی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانیوں کی صحت، قوّت اور تعلیم وغیرہ کی ترقّی میں اِن دونوں معاشرتی رواجوں سے اُتنی ہی رکاوٹ پڑی ہے جتنی کہ اور کسی کوتاہی سے جس کی ذمّے داری برطانوی راج پر ڈالی جا سکتی ہے۔

آپ اُن انگریزوں کی کوشش کا ذکر بھی بڑی حقارت کے ساتھ کرتے ہیں جو آپ کے نقطۂ نظر سے بہت ہی قریب ہیں۔ یہ "نیک نیت افراد یا جماعتیں حکومت کی پالیسی یا غارت گر شہنشاہیت پرستیوں پر مطلقاً کوئی اثر نہیں رکھتیں" اس نقطے پر شاید ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ آپ سے بہتر فیصلہ کر سکتا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ آپ غلطی پر ہیں، ہاں اگر آپ حکومت خود اختیاری کی اُن قسطوں کو، جو ۱۹۲۰ء سے لے کر اب تک حاصل ہوئی ہیں نہ صرف نظر انداز کر دیئے جانے کے قابل سمجھتے ہیں بلکہ "اہانت آمیز اور باعثِ ذلت" بھی خیال کرتے ہیں تو شاید آپ برسرِ غلط نہ ہوں۔ جو ہندوستان دوست جماعتیں پارلیمنٹ کے اندر یا اُس سے باہر یہاں پائی جاتی ہیں اُنھوں نے اِن قسطوں کے دلوانے پر بہت کچھ کیا اور اس معنی میں حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہوئے۔ اگر اِن لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے ناقابلِ حصول چیزوں کا مطالبہ کرنے میں اپنے ہندوستانی دوستوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کی ہوتی تو شاید وہ اس سے بھی زیادہ حاصل کر پائے ہوتے۔ ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے بعد مجھ سے مسٹر جوشی کا یہ پوچھنا یاد ہے کہ ایسا کیوں کر ہوا کہ عورتوں کے بارے میں (ایسے امور میں جیسے حقِ رائے دہی کے لئے مطلوبہ لیاقت اور نشستوں کا محفوظ کر دیا جانا)، اصل مسودۂ قانون میں جو عمدہ ترمیمیں تم نے کرالیں اُتنی اچھی ترمیمیں مزدور پارٹی اپنے تجارتی یونین والوں کے لئے بھی نہ کرا سکی۔ میں نے اُن سے کہا کہ ایسا اس لئے ہوا کہ مزدور پارٹی کی ترمیمیں بہت ہی عام اور ہمہ گیر تھیں جب کہ میرا طرزِ عمل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ میں اپنے جی میں یہ فیصلہ کر لیتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ مجھے کس قدر ملنے کا امکان ہے اور تب میں اُسی قدر مانگا کرتی ہوں یا شاید اُس سے بیس فی صدی زیادہ تاکہ سودے بازی کے لئے کچھ گنجائش باقی رہے۔ "مطلقاً بہترین چیز نہیں، بلکہ قابلِ حصول بہترین چیز" ہمیشہ میرا اصول رہا ہے۔ آپ ایسی موقع پرستی کو بے شک و شبہہ بہ نظرِ حقارت دیکھا کرتے ہیں۔ میں اس کے جواب میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ "اس اصول سے کام نکل جایا کرتے ہیں۔"

آپ کا یہ فرمانا کہ آپ "ہٹلر کے گورنروں اور ہمارے وائسرایوں اور گورنروں کے درمیان اصولاً یا عملاً کوئی فرق نہیں پاتے" واقعی ایک حیرت انگیز انکشاف ہے آپ کی ذہنی کیفیت کا۔ اور اس پر بھی آپ مجھ کو الزام دیتے ہیں "جنگی ذہنیت کی تلخی اور غصہ" کا۔ اِن حکمرانوں میں سے بعض حکمرانوں کی شخصیتوں کا مجھے دھیان آتا ہے ـــــ مثلاً لارڈ ہالیفکس، لارڈ ولنگڈن، لارڈ لنلتھگو، لارڈ ہےلی، سر مانٹیگ بٹلر، سر ہربرٹ ایمرسن کا ـــــ (میں نئے لوگوں کو نہیں جانتی) ایسے لوگوں کے درمیان ـــ جو برابر عدل و انصاف کرنے، غیر جانب دار رہنے، مصالحانہ روش رکھنے اور متضاد مقاصد کے درمیان باہم تطبیق دینے کی کوشش کرتے رہتے تھے، اگرچہ وہ اپنی کوشش میں ہمیشہ کامیاب نہیں بھی رہا کرتے تھے ـــــ اور جرمن گورنروں کے درمیان کوئی فرق نہیں، نہ اصولاً اور نہ عملاً!

مگر پھر بھی میں اس امر کا ضرور اعتراف کروں گی کہ جب آپ کا خط عام باتوں سے خاص باتوں کی طرف رُخ کرتا ہے ـــــ ہندوستان کے نظم و نسق اور حکومت کے انتظامی کاروبار پر جب آپ الزامات لگاتے ہیں۔ تب میرے یقین و اعتماد میں بھی کمی آجاتی ہے۔ جہاں تک جنگی صنعت کا تعلق ہے ـــــ مثلاً مجوّزہ کارخانۂ طیّارہ سازی، جس کا آپ ذکر کرتے ہیں، یا ہندوستانی جہازرانی کے ساتھ سلوک اور برتاؤ وغیرہ ـــــ تو مسٹر ایمرے اپنا کچھ جواب پارلیمنٹ میں دے چکے ہیں اور شخصی طور پر مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ آپ کے عائد کردہ الزامات بالکل بے جا ہیں۔ (پہلی اگست کے مباحثۂ پارلیمنٹ میں اس کے متعلّق سر جارج شوسٹر نے جو کچھ فرمایا اُسے بھی ملاحظہ فرمائیے ـــــ پارلیمنٹ کی کارروائیاں سرکاری طور پر چھپی ہوئی آپ کو بھیج رہی ہوں)۔ یہاں ناقص (غیر مکمّل یا متعصبانہ و جانبدارانہ اطلاعات کے سبب رائے و فیصلے کی غلطیوں یا غلط اندازوں کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں چوٹی کے آدمیوں میں سے کوئی شخص برطانوی مستقل مفادوں یا رقابتوں سے اثر پذیر ہوکر دانستہ اور عمداً ہندوستان کے

تیار کردہ جنگی سامانوں کی تیاری محدود کردے گا تو واقعی آپ ہمارے آدمیوں کی نسبت غلط رائے قائم کرتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ یہاں کی مزاجی کیفیت سمجھنے اور محسوس کرنے سے کس درجہ کامل طور پر قاصر ہیں ——— یعنی یہاں کس حد تک تمام توجہ اس جنگ میں فتحیاب ہونے کے اصل مقصد پر مرتکز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ وھایٹ ہال یا دہلی میں حکومت کے اندر ہیں وہ آپ سے کہیں زیادہ بہتر موقع رکھتے ہیں کہ واقعات سے باخبر رہیں اور ہندوستانی سامانِ جنگ کی تیاری کی نسبت کوئی رائے قائم کریں اس لئے کہ وہ اُن مجبوریوں اور حدوں سے باخبر ہیں جو وسائلِ حمل و نقل، خام سامان، آلات، اور تربیت یافتہ کاریگروں وغیرہ کی قلت کی عائد کردہ ہیں۔

مگر جب آپ دوسرے معاملات پر گفتگو کرتے ہیں ——— مثلاً قیدیوں اور نظربندوں کے ساتھ سلوک، نظامِ جاسوسی وغیرہ ——— تب آپ اپنے نجی مشاہدے کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں اور میں بے اطمینانی اور بے قراری سی محسوس کرتی ہوں۔ آج سے دس سال پہلے جو مختصر سی سیاحت میں نے ہندوستان کی کی تھی اُس کے دوران میں اور اُس زمانے سے لے کر اب تک میں نے ہندوستانیوں سے نیز ہندوستان کے برطانوی دوستوں سے بہت سی ایسی باتیں سُنی ہیں جن سے صلح کے زمانے میں بھی بہت سی غیر ضروری سختی اور بے رحمی کا سُراغ ملتا ہے جو بظاہر نتیجہ ہے ایک حد سے زیادہ علیحدگی پسند اور ایک مرکز میں محدود و مرتکز نظم کا جو اپنے انتظامی کاروبار میں ایسے عملہ پر اعتماد کرتا ہے جو نہ تو کافی طور پر تربیت یافتہ ہوا کرتا ہے اور نہ اُس کی معقول دیکھ بھال ہوا کرتی ہے۔ اس حال میں جو غصہ اور خوف دہشت انگیزی سے پیدا ہو جاتا ہے اُسی کو بہانہ بنا لیا جاتا ہے۔ مجھ کو امید تھی کہ ۱۹۳۵ء سے صوبائی حکومتوں کے اختیارات میں جو اضافہ ہوا ہے اُس نے اس فضا کو صاف کر دیا ہوگا۔ مگر جنگ بیدردی اور سنگ دلی کی ہمت افزائی کیا کرتی ہے، کچھ تو اس لئے کہ دہشت انگیزی کی طرح یہ بھی غصہ اور خوف پیدا کر دیا کرتی ہے اور کچھ اس لئے کہ زیادہ اونچے افسروں میں سے قابل تر لوگ جنگی کاموں میں جذب ہو جاتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ میں اِن تمام باتوں پر ایسے لوگوں سے گفت و شنید کروں گی جو واقعات اور ممکن تدابیرِ علاج پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہوں گے۔

اب آخر میں اصل مسئلے کی طرف لوٹ آیئے۔ آپ کے خط میں جو بنیادی مغالطہ مجھے از اوّل تا آخر پھیلا ہوا نظر آتا ہے وہ آپ کا یہ مفروضہ ہے کہ آپ پورے ہندوستان کے اور بہ حیثیت مجموعی تمام ہندوستانیوں کے ترجمان ہیں (" اگر ہم مل جُل کر ساتھ نہیں چل سکتے تو برطانوی حکومت ہمیں اپنی مرضی پر کیوں نہیں چھوڑ دیتی ") آپ ہندوستانیوں کے اُن تمام فرقوں کو جو ہندوستان کے مستقبل کی اُس نوعیت و شکل کے بارے میں جس کے وہ خواہاں ہیں آپ سے کُلّی اختلاف رکھتے ہیں اِس طرح نظر انداز کر جاتے ہیں جیسے اُن کو اسپنج کے ایک ٹکڑے سے سلیٹ پر سے بالکل صاف کر دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ہندوستان سے اس اسپرٹ میں رخصت ہو جائیں کہ " لیجئے، ہم بھی آپ لوگوں سے اُکتا گئے ہیں۔ آپ لوگ اپنے جھگڑے خود ہی باہم لڑ جھگڑ کر نپٹالیں"، تو یہ تمام فرقے ہمارے اس طرزِ عمل کو غدّاری اور خیانت سے تعبیر کریں گے۔ آپ نے کبھی اپنے دل سے پوچھا ہے کہ اگر آپ ہماری جگہ ہوتے تو کیا ایک شریف آدمی کی حیثیت سے آپ خود یہ طرزِ عمل اختیار کرتے؟

کانگریس کے مطالبات کے حسن و قبح سے قطع نظر کیجئے، اور یہ بتائیے کہ اگر آپ ہماری پوزیشن میں ہوتے تو کیا آپ کسی ایک سیاسی پارٹی کے سامنے سپر ڈال دیتے، خواہ وہ پارٹی سب سے بڑی اور سب سے بڑھ کر ترقی پسند پارٹی ہی کیوں نہ ہوتی، اگر اس سپر ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ آپ اپنے اُن تمام معاہدوں اور یقین دہانیوں کو پسِ پُشت ڈال رہے ہیں اور اُن سے مُنہ موڑ رہے ہیں جو آپ نے دوسری پارٹیوں اور دوسرے مکتبِ خیال کو دے رکھی تھیں جب کہ یہ دوسری پارٹیاں اور جتنے وہ ہوں جنھوں نے آپ کی مدد کی ہو اور آپ کے ساتھ تعاون کیا ہو؟ کیا آپ ایسا کریں گے یا ایسا کرنے کا وعدہ کر لیں گے اور وہ بھی ایک ایسی جنگ کے دوران میں جس میں اُن کے تعاون کی شدید ضرورت ہو اور جس کے مستقبل پر نہ صرف برطانیۂ عظمیٰ

کی آئندہ سلامتی کا انحصار ہو بلکہ یورپ اور خود ہندوستان کی آیندہ سلامتی اور حفاظت کا بھی ؟ کیا آپ محض اس اعتماد پر ایسا اقدام کر گزریں گے کہ 'کانگریسی ہندوستان' کے ساتھ کوئی بڑا فیاضانہ سلوک دلوں میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دے گا کہ وہ نقصان جو ہندوستان کے غیر کانگریسی حلقوں میں رونما ہو جانے والی عداوت اور تلخی و بد دلی سے پہنچے گا ـــــ وہ غیر کانگریسی حلقے جو ہمارے حلیف اور دوست رہ چکے ہیں ـــــ کانگریسی ہندوستان کے تعاون سے نہ صرف پورا ہو جائے گا بلکہ کچھ اور فائدے بھی حاصل ہو جائیں گے ؟

کیا میں آپ کو یاد دلا سکتی ہوں کہ جو تجربہ ہمیں آئرستان اور اُن بندرگاہوں کے بارے میں ہو چکا ہے جو حسب معاہدہ غیر ملکیوں کی تجارت کے لئے کُھلی رکھنا پڑتی ہیں وہ اس قسم کے کسی بنی بر اعتماد اقدام کی صحیح طور پر ہمت افزائی نہیں کرتا۔ نہ ایسی ہمت افزائی، اگر مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت ہو، آپ کے خط کا پورا لہجہ، آپ کی کتاب اور آپ کی پارٹی کے دوسرے لوگوں کی تقریریں کرتی ہیں۔ اس خط کتاب اور تقریروں سے ایسی مخالفت اور عداوت کی بو آتی ہے جو غالباً کبھی تغیر پذیر نہ ہو گی اس لئے کہ اُس کی جڑیں ناقابلِ تغیر ماضی میں پیوست ہیں۔

ہاں، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، ہم ایک دوسرے کے اخلاص پر یقین رکھ سکتے ہیں۔ مگر آپ کے اخلاص نے مجھے جو کچھ دکھایا ہے وہ ایک ایسی خلیج سی نظر آتی ہے جو پاٹی نہیں جا سکتی۔ مجھے امید ہے کہ میں غلطی پر ہوں گی۔

آپ کی مخلص

اِلینور الیف۔ رتھبون

ضمیمہ: میں ایک علیحدہ لفافے میں آپ کو ۱ ہندوستان سے متعلق تازہ ترین مباحثے کی مطبوعہ رپورٹ اور ۲ اپنی ایک چھوٹی سی کتاب ہندوستان سے متعلق بھیج رہی ہوں۔ ایک نسخہ میں خود آپ کی کتاب کا بھی آپ کو بھیجنا چاہتی ہوں جو آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے اب تک نہیں دیکھا ہے مگر میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ اس کی اجازت بھی مل جائے گی۔

۳۲۴۔ از سر جارج شوستر

ٹڈل بارٹن، آکسون
۲۳ر ستمبر ۱۹۴۱ء

پیارے جواہر لعل نہرو

میں نے میکملن کو لکھا ہے کہ جیسے ہی جہاز ہندوستان پہنچے وہ ایک نسخہ آپ کو "ہندوستان اور جمہوریت" کا بھیج دیں جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور جس کی تالیف میں میں بھی شریک ہوں۔ اس کتاب کی تالیف تو جون کے اوائل ہی میں، روس پر حملہ ہونے اور اس ہر آن بدلتی ہوئی صورتِ حال کے اور بہت سے تغیرات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی پوری ہو چکی تھی، مگر اس کتاب میں جائزہ بہت دور تک کا لیا گیا ہے اور ان روزمرہ کے تغیرات کا کوئی اثر اُن باتوں پر نہیں پڑا ہے جو اس کتاب میں لکھی گئی ہیں یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ حصۂ اوّل جس کے مصنف ونٹ ہیں، ہندوستان کی صورتِ حال کا ایک جائزہ ہے اُس کے تاریخی اور معاشرتی پس منظر میں۔ اس حصے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے آپ اتفاق نہ کریں گے، مگر جو کچھ لکھا گیا ہے ایمان داری اور دیانت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور مصنف کے نقطۂ نظر کی آئینہ داری سچائی کے ساتھ کرتا ہے۔ میں نے ونٹ کی کھینچی ہوئی تصویر جوں کی توں رہنے دی ہے، اُسے بالکل ہاتھ نہیں لگایا ہے اور بیچ بیچ میں، جیسا کہ میں نے مقدمۂ کتاب میں کہا ہے، میں کئی خاص باتوں کی تصویر کشی اور طرز سے کرتا۔ مگر میں نے اپنے لکھے ہوئے حصہ (حصۂ دوم) میں اسی تصویر کو لے کر اور اُس سے اخذ کیے ہوئے نتائج پر اپنے تبصرے لکھ کر یہ سوالات قائم کیے ہیں: "مستقبل کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" "خود ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" مجھے امید ہے کہ آپ میرے لکھے ہوئے حصے کو پڑھنے کے قابل پائیں گے۔ اس حصے سے متعلق میں صرف اتنا ہی دعویٰ کروں گا کہ میں نے سچائی، جیسی کہ وہ مجھے نظر آ رہی ہے، بیان کر دینے کی کوشش کی ہے اور شاید آپ کم از کم یہ محسوس کریں گے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے

اُس کے پیچھے آپ ایک ایسے اندازِ فکر کا سُراغ پا رہے ہیں جس سے آپ تھوڑی بہت ہمدردی ضرور رکھتے ہوں گے۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے اگر اُس سے سچّائی کی دریافت میں مدد ملتی ہے، اگرچہ وہ سچّائی ویسی نہ ہو جیسی کہ وہ مجھے نظر آتی ہے، تو میں یہ سمجھوں گا کہ میں نے اپنا مقصد پورا کر دیا۔

میں اس بات کو پوری طرح محسوس کرتا ہوں کہ آپ اس کو ہمیشہ ایک گُستاخی سمجھتے ہوں گے کہ ہم لوگوں میں سے، جو اجنبی اور غیر ملکی ہیں، کوئی شخص اُس ملک کے بارے میں کچھ لکھے جو آپ کا ملک ہے —— اس سے بڑی گستاخی آپ اِس کو سمجھیں گے کہ ہم آپ کو پند و نصیحت کریں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے یہ بات اکثر محسوس کی ہے کہ میں نے شخصی طور پر —— اُن موقعوں پر جب ہم ایک دوسرے سے ملے ہیں —— اس معاملے میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ طیش دلا دیا ہے مثلاً اُس آخری موقع پر جب آپ نے چاتھام ہاؤس میں تقریر کی تھی۔ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔ آپ کے والدِ ماجد کے لئے میرے دل میں ایک بڑی خاص محبت تھی اور میں اُن کا بہت مدّاح تھا۔ اور جہاں تک آپ کا تعلق ہے آپ کے اُس دن کے آنے کی تصویر اپنے حافظے میں، میں ہمیشہ بڑی قدر کے ساتھ محفوظ رکھا کرتا ہوں جب آپ شملے میں پیٹرہاف۔ مجھ سے ملنے آئے تھے اور جب آپ نے مجھ سے میرے مطالعہ کے کمرے میں کچھ بات چیت کرنے کے بعد ملاقات کے کمرے میں میرے یہاں کی ایک گھریلو پارٹی میں شرکت کی تھی جس میں میری بیوی تھیں اور میرے دو لڑکے جو آکسفورڈ کی بڑی تعطیل میں ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اُن مختصر لمحات میں رفاقت اور مفاہمت کی ایک چمک نظر آئی تھی۔ کاش یہ چمک پھر نظر آ سکتی۔ شاید خانہ جنگ سے پہلے ہی مشترک خطرے ہم سب کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیں، یا جنگ کی ناگہانی ضرورتوں کی بھٹّی میں ہماری قدیم دیرگُسل رکاوٹیں خود ہی پگھل جائیں۔ میں اپنا حال عرض کروں، میرے اُن بیٹوں میں سے جن سے آپ ملے تھے، ایک جنگ میں مارا جا چکا ہے اور دوسرا سمندر پار ایک پُرخطر علاقے میں متعین ہے۔ یہ

چیزیں چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہالے جاتی ہیں اور ہم لوگوں کو بنیادی اور اساسی حقائق کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا کرتی ہیں۔ وہ لوگ بھی جو بنیادی باتوں پر باہم اختلافات رکھتے ہیں ـــــ جیسے کہ شاید میرے آپ کے درمیان پائے جاتے ہیں، اگرچہ میں خود اس کو باور نہیں کرتا ـــــ وہ لوگ بھی باہم ہمدردی پیدا کرسکتے ہیں اور مشترک معاملات میں، مل جل کر آگے بڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ ایک کو دوسرے کے اخلاص پر اعتماد ہو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے اتّفاق کریں گے کہ ہندوستان کا مسئلہ اس معنی میں ایک مشترک معاملہ ہے کہ اگر اُن عبوری اقدامات میں جو ہندوستان میں ایک آزاد خود مختار حکومت کے قیام کی شرط پوری کردینے کے لئے ضروری ہیں برطانیہ اور ہندوستان باہم مل جل کر کام کریں تو بہت سی انسانی مصیبتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور جہاں تک ہمارے اخلاص پر اعتماد پیدا کرانے کا تعلّق ہے تو مجھے امید ہے کہ میری کتاب اس بارے میں کچھ خدمت انجام دے سکتی ہے۔

بہر صورت مجھ کو آپ ازراہِ کرم، اتنی اہمیّت ضرور دیں کہ میں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اُس پر اپنی رائے سے مجھے مطلع کریں خواہ وہ سرتاپا معترضانہ تنقیدیں ہی کیوں نہ ہوں۔

آپ کا مخلص

جارج شوسٹر

ضمیمہ: یہ خط لکھ چکا تو مس ایلینور راتھ بون نے مجھے آپ کا وہ خط دکھایا جو آپ نے اُن کو لکھا تھا۔ آپ کا یہ خط پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ آپ کی باتوں کا پورا جواب نہ تو میرے اس خط میں ہے اور نہ میری کتاب میں۔ ہم بہت سے معنوں میں ـــــ ہر معنی میں نہیں ـــــ باہم غلط فہمی کا شکار ہیں۔ آپ نے مس راتھ بون کو اپنے خط میں جو باتیں لکھی ہیں اُن میں سے بہت سی باتوں پر میں غور و فکر کے ساتھ بحث کرنی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھیں گے اگر میں کچھ ٹھیر کر آپ کو دوبارہ خط لکھوں۔

۳۲۵- از پورنیما بنرجی

سنٹرل جیل

لکھنؤ

۸ رنومبر ۱۹۴۱ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

اگرچہ میرے جی میں خوشی منانے کا کوئی خیال نہیں ہے، پھر بھی میں نے سوچا کہ آپ کو خط لکھ کر "یومِ جواہر" مناؤں۔ امید ہے کہ میرا یہ خط کسی دوسرے خط کے موصول ہونے میں جس کا آپ انتظار کر رہے ہوں مزاحم نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے افسوس ہوگا۔

میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو ہیولاک ایلس کی خودنوشت سوانح حیات کا ایک نسخہ بھیجوں۔ آپ اس کو پسند کریں گے۔ مگر آپ کچھ اس درجہ زمانے کے ہم قدم اور اپنے کتب خانے میں تازہ ترین مطبوعات رکھنے کے خوگر ہیں کہ مجھے کسی اور مفروضہ پر کوئی قدم اُٹھانے میں پس و پیش ہوا کرتا ہے۔

میں الہ آباد میں تقریباً ایک مہینہ ٹھیر کر یہاں آئی ہوں۔ سوچیتا اور اوما بھابھی اپنی مدتِ قید کا آخری مہینہ کاٹ رہی ہیں۔ اگر جسٹس گنگا ناتھ کے فیصلے کا نتیجہ انتظامی حکام کے جوش و خروش کی کسی عام اصلاح کی صورت میں نکلا بھی تو یہ لوگ اُس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ ڈاکٹر کاٹجو کے حق میں بھی یہ ایک بعد از وقت حاصل شدہ چیز ہوگا۔ میرے مقدمے کی جڑیں تو ظاہر ہے کہ ایک بنجر زمین میں پیوست ہیں مگر مجھے اس کی مطلق پروا نہیں ہے۔ مجھ کو کچھ زیادہ پانا یا کھونا نہیں ہے —— اپنی زنجیریں تک نہیں۔ میں زندگی کو ایک ایسا خط پاتی ہوں جس کا جواب نہ دیا گیا ہو۔ اگر کوئی بہت زیادہ دنوں تک اس کا جواب نہ دے تو اپنا جواب یہ آپ ہی دے لیتی ہے یا اس کے بغیر بھی سب کام بخوبی انجام پاتے رہتے ہیں۔

سوچیتا کی غیر موجودگی کو میں محسوس کروں گی مگر تنہا رہ جانا مجھے ناگوار بھی نہ ہوگا۔ یہاں کی آبادی کم ہوتی جا رہی ہے اور جلد ہی وہ دن آنے والا ہے

جب ہم صرف چار رہ جائیں گے، دو میعادی اور دو نظر بند۔

آج صبح کا اخبار ایگزیکیوٹیو کاؤنسل کے بارے میں کچھ خبریں لایا ہے۔

یہاں ہمارے جذبات میں اُس وقت ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے کھانے ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہم اُن نوجوانوں کا دھیان کیا کرتے ہیں جن کو دیولی میں تسموں سے پیٹا جاتا ہے (۹) اور انھیں کچھ کھانے کو نہیں دیا جاتا۔ مجھے تو اِن لوگوں سے زیادہ ان کی بیویوں سے ہمدردی ہے۔ جہاں تک جے پرکاش کا تعلق ہے تو میرے تخفظی رجحانات اُبھر آئے ہیں اور مجھے رنج وافسوس ہے۔ آپ نے اسٹیٹسمین پڑھا اور چہل قدمی کے ضابطے کے بارے میں بھی جو کچھ ہے وہ سب آپ کی نظر سے گزرا، خواہ وہ اِک جیل ہی کی غلام گردش کا ضابطہ کیوں نہ ہو؟ یہ اِک تمسخر اور استہزاء کی حیثیت سے تو خوب ہے اور ایک پہلو دل لگی اور مذاق کا بھی اپنے اندر رکھتا ہے مگر اسٹیٹسمین کی زبان سے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا جو اس مذاق اور تمسخر میں سنجیدہ سیاست بھی ملا دیا کرتا ہے۔

آپ بھی جلد ہی بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ میں سُنتی ہوں کہ مسٹر پنڈت دسمبر میں رہا کیے جا رہے ہیں۔ آپ تو سب کے ساتھ بھی اکثر اکیلے ہی نظر آتے ہیں اور دیکھنے والے کو یہ خیال ہوا کرتا ہے کہ آپ سب کے ساتھ بھی اُتنے ہی اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں جتنے کہ بیچ بیچ کی تنہائی میں۔

مسٹر پنڈت، ڈاکٹر رام سروپ اور اپنے نیک دل جیلر کو میرا سلام پہنچا دیجیے گا۔

میرے احترامات کے ساتھ
آپ کی پُر محبت
نورا

سنسر سے منظور شدہ
دستخط
ایس۔ آئی، ڈی۔ آئی۔ ایس، لکھنؤ

۹-۱۱-۴۱

۳۲۶۔ از شیاما پرساد مکرجی

کلکتہ

۲۲ر نومبر ۱۹۴۱ء

پیارے پنڈت جی

آپ کے فوراً ہی جواب دینے پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس خط نے مجھے بہت متاثر کیا۔ مجھے آپ سے بحث کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ مجھے اجازت دیں تو اتنا عرض کروں کہ آپ کے جذبات کی پوری طرح قدر کرتا ہوں۔ ہندوستان میں، جن حالات میں کہ اس وقت ہم ہیں، جیل خانہ صرف اپنی مادّی چہار دیواریوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ اُس کی وسعتیں اِس وسیع ملک کے، پورے رقبے کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہیں، جس کو اپنی حقیقت تک پہنچنے کے۔ لئے ابھی بہت سی کٹھن آزمائشوں سے گزرنا ہے۔

میں، بہر حال، دل و جان سے اس بات کا آرزو مند ہوں کہ آپ ازراہِ مہربانی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ آپ نے دُنیا کی تاریخ اور ہندوستانی کشمکش کے پسِ منظر کا جو دقیقہ رس تجزیہ کیا ہے اُس نے آپ کو سیاسی مفکرین کی صفِ اوّل میں جگہ دے دی ہے۔ اس وقت ہم لوگ ایک انقلابی دَور سے گزر رہے ہیں۔ اگرچہ تفرقہ اور جبر و استبداد کے بادل ہمیں اکثر مایوس کر دیتے ہیں۔ پھر بھی ہم موجودہ حالت کو ایک قطعی اور اٹل فیصلہ تسلیم کر لینے اور خموشی کے ساتھ اُس کے سامنے جُھک جانے سے انکار کرتے ہیں۔ تبدیلی ضرور آئے گی۔ مگر یہ تبدیلی نوعِ انسان کی سعی و کوشش سے اُس وقت بروئے کار آئے گی جب وہ تین تخریبی قوتوں یعنی طاقت، اقتدار اور ساکھ کی رہنمائی سے آزاد ہو جائے گی۔

جہاں تک ہندوستان کی صورتِ حال کا تعلق ہے، علی الخصوص جہاں تک ہندوؤں کے مستقبل کا تعلق ہے میرے اور آپ کے خیال کے لوگوں کے درمیان بعض مسئلوں پر ایماندارانہ اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ مگر ہم سب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہندوستان نے اپنی تاریخ کے ہر دَور میں انسانیت کو

روحِ انسانی کی آزادی کا ایک غیر فانی پیام دیا ہے۔ صرف یہی پیام تہذیب و تمدّن کو فنا ہو جانے سے بچا سکتا ہے اور اُس کو ایک بلند تر اور شریف تر مرتبہ تک لے جا سکتا ہے۔ جب آپ کو فرصت ہو اور آپ اپنی طبیعت کو اس پر آمادہ پائیں ——— میں وقت کی کوئی قید نہیں لگاتا ——— تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ہم کو کملا لیکچروں کے ذریعے، جذبات سے بلند ہو کر، ہندوستان کی بوقلموں تاریخ کا، اُس کی قوت اور کمزوری کے سرچشموں کا، اُس کے اُس پارٹ کا جو اُس نے اُن ابدی اور دائمی قدروں کی تشکیل میں ادا کیا ہے جن کو سیاسی غلامی نے بھی نہیں مٹایا ہے، نیز اُن شرطوں کا جو اُس کو آزادی اور خودداری کی زندگی بسر کرنے کے لئے پوری کرنی ہوں گی، ایک بے لاگ جائزے سے نوازیں۔ اس نازک وقت میں آپ گنتی کے اُن چند اشخاص میں سے ہیں جو شایانِ شان طور پر پارٹی بازی کی تنگ خیالیوں سے بلند تر ہو سکتے ہیں، مختلف نقطہ ہائے نظر کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے موجودہ تمدّن کے ڈھیر میں سے مستقبل کے ہندوستان کی ایک ایسی تصویر ہمارے سامنے لا سکتے ہیں جو اس قابل ہو کہ اُس میں زندگی بسر کی جائے۔

میری اس درخواست کو ازراہِ کرم قبول فرمائیے؛ اپنے لیکچروں کا موضوع بتا دیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ وقت کے تعین کے لئے رسمی اور ضابطے کی کارروائی انجام دے لی جائے۔

بہترین تمنّاؤں کے ساتھ

میں ہوں آپ کا مخلص

شیاما پرساد مکرجی

۳۲۷۔ از جے پرکاش نارائن

دیولی نظر بندی کیمپ، دیولی، راجپوتانہ

۷؍ دسمبر ۱۹۴۱ء

میرے پیارے بھائی

آپ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

* × × × × × * میں ایسے وقت میں، آپ کے جیل سے باہر آنے پر حد درجہ مسرور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جب کہ آپ کی رہنمائی کی ملک کو سخت ضرورت تھی۔

× × × × × × × × × × × × *

× × × × × × × × × × × × × ×

آپ نے نریندر دیو کی صحت کا حال ضرور سُنا ہوگا۔ اُن کی ایک سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی خبر گیری نہیں کر سکتے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ اگر اُن کی دیکھ بھال معقول طور پر نہ کی گئی تو وہ دائم المریض ہو کر رہ جائیں گے۔ جس چیز کی اُن کو ضرورت ہے وہ دوا نہیں بلکہ کسی مناسب مقام پر ایک طویل آرام ہے۔ یو۔پی۔ میں کوئی جگہ یا شمال میں کوئی اور جگہ اُن کے لئے موزوں و مناسب نہ ہوگی۔ مہاراشٹر کے بعض ضلعے جیسے ستارا یا اور زیادہ جنوب میں جاکر بلاری، اننت پور جیسے مقامات اُن کے لئے موزوں ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگر انہی پر چھوڑ دیا جائے گا تو وہ یو۔پی۔ ہی میں کسی مقام پر پڑے سڑتے رہیں گے یا زیادہ سے زیادہ سری پرکاش اُن کو اپنے ساتھ بنارس لے جائیں اور اپنے ہاں سیوا شرم میں اُن کو رکھیں۔ جس چیز کو ہم لوگ لفظ "سنکوچ" سے تعبیر کیا کرتے ہیں وہ اُن کو اس بات سے روکے رکھے گا کہ وہ اپنے بے شمار دوستوں میں سے کسی سے بھی اپنے لئے کچھ کرنے کو کہیں۔ اس لئے میں آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ اس معاملے میں خاص طور پر دلچسپی لیں اور کسی مناسب مقام کے لئے اُن کا بوریا بستر بندھوا دیں۔ اس معاملے کو آپ اُن کی پسند پر ہرگز نہ چھوڑیں اِس معاملے میں آپ اُن سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا کوئی کسی بچے سے کرتا ہے۔ آپ باپو سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ وہ نریندر دیو کی صحت سے گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

میں اب اچھا ہوں اور میری قوّت اب آہستہ آہستہ بحال ہو رہی ہے۔

---

* خط کا یہ حصّہ سینسر نے پھاڑ لیا تھا

سیٹھ جی بھی اچھے ہیں اور آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ گوتم ملیریا میں مبتلا ہیں اور شفاخانے میں ہیں۔ دوسرے احباب بخیر ہیں۔

محبّت کے ساتھ

آپ کا

جے پرکاش

دیولی نظر بندی کیمپ

سنسر کیا گیا اور پاس کیا گیا

سپرنٹنڈنٹ

۲۲۸۔ از آر۔ اچوتھن

سنٹرل جیل

راج مندری

۸ر دسمبر ۱۹۴۱ء

ہمارے محبوب پنڈت جی

آپ کی رہائی کے موقع پر ہم آپ کی خدمت میں اپنی دعاؤں اور محبّت کا ہدیہ بھیجتے ہیں۔ ہم سب اس صوبے کے نظر بند طلبہ ہیں۔ ہمارے دلوں میں اپنی دعاؤں کا ہدیہ آپ کی خدمتِ والا میں بھیجنے کی ایک خاص طلب و آرزو پائی جاتی ہے۔ آپ ہمیشہ نوجوانوں کے مطامحِ نظر کے ترجمان رہے ہیں۔ پنڈت جی، ہمارے پُراز محبّت و احترام "پرنام" قبول فرمائیے۔ اس جیل سے ہم آپ کو صرف یہی خط بھیج سکتے ہیں۔

کس گرمجوشی اور شوق کے ساتھ ہم نے آپ کا وہ بیان پڑھا جو آپ نے اپنی رہائی کے بعد ہی جاری فرمایا۔ آپ کی "پکار"، ایک عام قومی ظلمت وتاریکی اور زوال پذیر پارلیمانی ذہنیت کے درمیان جو قوم پروروں کی صفوں میں بھی روبہ ترقی دکھائی دے رہی ہے، تنہا صاف اور واضح پکار ہے صرف آپ کی اور باپوجی کی پکار کی صدائے بازگشت ہمارے اندر سے سُنی گئی اور اس "اینٹ اور گارے" کی قیدو بند کے باوجود ہمارے دل سینوں سے باہر

نکلے پڑ رہے ہیں۔

ہم سب نباہے جارہے ہیں اور جو مطامحِ نظر ہمارے دلوں کے اندر پرورش پارہے ہیں وہ ہم سب کو خوش و خرّم رکھا کرتے ہیں۔ ہم آپ سب صاحبوں کے لئے قوّت، جرأت اور سیاسی بصیرت کی تمنّا کرتے ہیں تاکہ آپ لوگ اِس ملک کو اُس کے محبوب مقصد تک لے جاسکیں۔ آپ کے لئے پُرخلوص دُعاؤں کے ساتھ

آپ کا بہت مخلص

آر۔ اچوتھن

پنڈت جواہر لعل نہرو،

الہ آباد

نوٹ: سنسر نوٹ کرلیں کہ یہ کوئی سیاسی خط نہیں ہے، بلکہ ہمارے راہنما کے نام جس سے ہم محبت کرتے، جس کا ہم احترام کرتے اور جس کے ہم شیفتۂ و مداح ہیں، پُرخلوص تہنیت و مبارک باد کا ایک خط ہے۔

آر۔ اچوتھن

سنسر کیا گیا

۴۱/۱۲/۸

۳۲۹۔ از سروجینی نائڈو

حیدر آباد۔ دکن

۹/ دسمبر ۱۹۴۱ء

عزیزی جواہر

جیل خانے سے تمھارا خوب صورت خط اور اُس سے بڑھ کر خوب صورت تمھارا وہ بیان جو تم نے جیل خانے سے باہر آکر دیا، یہ دونوں چیزیں میری اذیت رسیدہ رُوح کے لئے بڑی ہمّت افزا، فیضان بخش اور تسکین دِہ ثابت ہوئیں۔ میں اس سے پہلے تمھیں خط نہیں لکھ سکی مگر مجھے اُمید ہے کہ میرا خوش آمدید کا تار تمھیں مل گیا ہوگا (یہ اِکسمس کی چھٹیوں کے لئے تو نہیں تھا؟) میں اپنی

زندگی کے، جس میں المناک حوادث کی کوئی کمی نہیں رہی ہے، تین نہایت المناک مہینوں سے گزری ہوں، مگر شخصی رنج و مصیبت بہ ہر صورت ذاتی اور نجی ہی ہے۔ یہ ایک ایسی ذات کے لئے رنج و مصیبت کا دَور رہا ہے جو موت کے واقعی درازِ عمل کو جھیلتی رہی ہے، مگر بایں ہمہ ہم سب کے لئے، قرابت مندوں، دوستوں اور اُن اجنبیوں کے لئے بھی جو بسترِ مرگ پر پڑی ہوئی اس بہادر لڑکی کی کبھی کبھی ایک مختصر سی جھلک دیکھ لینے کے لئے ہمارے ساتھ رہنے کا فخر و امتیاز رکھتے ہیں، روح کی بالیدگی اور روحانی فیضان کا زمانہ بھی رہا ہے۔ بسترِ مرگ پر پڑی ہوئی یہ لڑکی حقیقی معنوں میں تو ایک مُمی تھی اگرچہ اصطلاحاً اُسے زندہ سمجھا جاتا تھا۔ آج میں سمجھتی ہوں، امید کرتی ہوں اور دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے اس تکلیف دِہ اور اذیّت ناک سفر کی آخری منزل میں ہے۔ بے بے اُس کا لاغر و نحیف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے اُس کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ بابا اُس کی مصیبت کو دیکھتے رہنے کی اذیّت اپنے لئے ناقابلِ برداشت پاکر باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں جو شب و روز اُس کی خدمت کرتی رہی ہوں تم کو یعنی جس سے میں دل و جان سے محبّت کرتی ہوں، بیٹھی ہوئی خط لکھ رہی ہوں اس لئے کہ تمھیں خط لکھنا ہی میرے لئے باعثِ تسکین ہوا کرتا ہے ... میں نے انسانی روح کو جسمانی اذیّت پر اپنی ظفریابی اس فاتحانہ انداز میں ثابت کرتے کبھی نہیں دیکھا ـــــ میں نے ایسا وقار، ایسے اخلاق اور ایسی جرأت و برداشت دورانِ موت میں کبھی نہیں دیکھی۔ کاش آپ ایوا سے کبھی ملے ہوتے۔ اب بھی جب کبھی وہ اپنے تنفّس کے دوروں کے وقفوں میں دو ایک لفظ بول پاتی ہے تو وہ کہا کرتی ہے: "کاش میں نے جواہر لعل کو دیکھا ہوتا۔ وہ کیسے ہیں؟ تم اُن کو خط لکھو گی؟ جب لکھو تو میری طرف سے میری خیریت دریافت کرنے پر اُن کا شکریہ ادا کر دینا۔"

میرا خیال ہے کہ صدر کانگریس مجلسِ عاملہ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نشستیں جلد ہی منعقد کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں گے۔ امید ہے کہ میں شریک ہو سکوں گی۔ بڑے ہی اہم مسائل طے ہوں گے مگر فیصلہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔

تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں۔ کوئی دوسرا فیصلہ ہمارے مطمحِ نظر اور ہمارے ملک کے حق میں سچّا یا وفادارانہ نہیں ہو سکتا۔

تمھاری محبّت کرنے والی

سروجنی

۳۳۰۔ از فیلڈ مارشل اے۔ پی۔ ویول

کمانڈر انچیف ہندوستان

نئی دہلی

۲۸ر دسمبر ۱۹۴۱ء

جناب عالی،

حال ہی میں جب میں چنگکنگ گیا تو وہاں مادام چیانگ کائی شک نے مجھ سے کہا کہ جب میں ہندوستان واپس پہنچوں تو اُن کا سلام آپ کو پہنچا دوں۔ وہ بخیر ہیں اور خوش و خرّم نظر آتی ہیں۔ میں پہلے کبھی اُن سے نہیں ملا تھا۔ اُن سے مل کر بہت متأثّر ہوا۔

اِس خط کو آپ یقیناً ایک پرائیویٹ شخص کی بھیجی ہوئی ایک اطلاع تصوّر کریں گے جس نے آپ تک ایک پیغام پہنچا دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ ہندوستان کے کمانڈر انچیف کا بھیجا ہوا کوئی خط نہ تصوّر کریں گے۔

آپ کا مخلص

اے۔ پی۔ ویول

۳۳۱۔ از زیڈ۔ اے۔ احمد

نظربندوں کا کیمپ

دیولی، راجپوتانہ

۱۰ر جنوری ۱۹۴۲ء

میرے پیارے پنڈت جی،

جب سے آپ رِہا ہوئے ہیں میں برابر آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کرتا رہا ہوں۔ مگر یہ سوچ کر کہ آپ بہت سے اہم معاملات میں اُلجھے ہوئے ہوں گے

میں نے نہیں چاہا کہ اُن بہت سے مہمل خطوط پر جو آپ کو موصول ہوتے رہتے ہیں میں بھی ایک خط کا اضافہ کردوں۔ اِن مہمل خطوط میں سے بہت سے خطوط کی رسید آپ بڑی احتیاط کے ساتھ بھیج دیا کرتے ہیں۔

آج جب میں پچھلی باتوں کی یاد تازہ کرنے کے موڈ میں اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا تب میں نے محسوس کیا کہ پچھلے پانچ یا چھ برسوں میں میں نے جو کچھ کیا اُس کے پیچھے بہ طور پس منظر کے جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آئی وہ میرا آپ سے بہت قریب رہنا تھا۔ اور یہ محسوس کر کے مجھے بڑا خوش گوار سا تعجب ہوا کہ مجھ پر آپ کا کتنا گہرا اثر پڑا ہے، نہ صرف سیاسی مسئلوں پر میرے غور وفکر کرنے کے انداز پر بلکہ روزمرّہ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے حوادث پر میرے تأثرات اور ردِّ عمل پر بھی۔ یہ سوچ کر میرے اندر آپ کو فوراً خط لکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔ اور پھر اس کیمپ کی خاردار تاروں کے پیچھے سے میں کہہ بھی کیا سکتا ہوں۔ یہاں صحرائے راجپوتانہ کے قلب میں، قریب ترین ریلوے اسٹیشن سے بھی ستّر میل دور، ہماری تنہائی اور علیحدگی اتنی مکمّل ہے کہ باہر کی جیتے جاگتے مردوں اور عورتوں اور حرکت و رفتار کی دُنیا ہم لوگوں کے لئے تقریباً ایک نیم فراموش شدہ خواب سا ہوگئی ہے۔ مجھ کو یہ جان کر کس قدر خوشی ہوئی ہے کہ ہم لوگ یہاں سے "وطن کو واپس کیئے جارہے ہیں" اور اپنے اپنے صوبوں کو بھیجے جارہے ہیں۔ خوشی اس لئے ہوئی ہے کہ صوبائی جیلوں میں ہم بھی کم ازکم یہ محسوس کریں گے کہ جیتی دُنیا کا ایک حصّہ ہم بھی ہیں۔ یہاں تو ہم لوگ بہت جلد جلاوطن جیلوں کے مانند ہوجائیں گے۔

ہاجرہ یہاں تیسرے چوتھے مہینے آیا کرتی ہیں مگر یہ سفر اتنا تکلیف دِہ ہوتا ہے کہ اُن کو برابر یہاں زیادہ آنے سے منع کرتا رہتا ہوں۔ اپنے صوبے میں منتقل ہوجانے پر اُن سے زیادہ مل سکوں گا۔

اب تک ہمیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ہم کب تک یہاں سے منتقل کیئے جائیں گے اور نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہماری دوسری منزل کہاں ہے۔

بہ ہر صورت میرا یہ خیال ہے کہ اس مہینے کے اختتام سے پہلے ہم یو۔ پی۔ کے کسی جیل میں ہوں گے۔

میری صحت خاصی اچھی ہے اور بھوک ہڑتال کے اثراتِ مابعد پر میں تقریباً پوری طرح غالب آچکا ہوں۔

ازراہِ کرم میرا اسلام مسز وجے لکشمی جی، مسٹر پنڈت اور ٹنڈن جی کو پہنچا دیجئے اور میرے احترامات دوسرے دوستوں اور رفقا کی خدمت میں عرض کر دیجئے، خصوصاً کیشو اور لال بہادر کی خدمت میں۔

بہترین احترامات کے ساتھ،
آپ کا بہت ہی مخلص،
زین۔

۳۲۲۔ بنام سیّد محمود

الٰہ آباد

۲؍فروری ۱۹۴۱ء

عزیزی محمود

تمہارا پچیس جنوری کا خط ملا۔ ہندو مسلم سوال پر میں نے تمہاری مختصر سی کتاب پوری پڑھ ڈالی۔ کتاب اچھی ہے اور سلیقے سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بعض حصّوں سے نیز بعض اُن نتائج سے جو تم نے اخذ کئے ہیں میں پورے طور پر متفق نہیں ہوں مگر میرا خیال ہے کہ تمہارے نقطۂ نظر کے مطابق یہ مسئلہ قابلیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اگر میں نے اس مسئلے پر کچھ لکھا ہوتا تو یقیناً کسی قدر مختلف انداز سے لکھا ہوتا، اس معنی میں کہ میں نے بعض اُن پہلوؤں پر زور دیا ہوتا جن کو تم نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ تمہارا جائزہ بعض کم و بیش تازہ حالات کو نظرانداز کر دیتا ہے اور علی الخصوص بعض عالمی پہلوؤں کو جو ہندوستان پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ لازمی طور بنیادی طور پر، میرا خیال ہے کہ، جناح اور مسلم لیگ کے اندازِ فکر پر یہ خواہش غالب ہے کہ قطعی اور بنیادی تغیرات کو روکا جائے یا یہ کہ ہندوستان کو جمہوری نہ بننے دیا جائے، ہندو اکثریت کے

سبب سے نہیں بلکہ اس لئے کہ قطعی اور بنیادی عناصر نیم جاگیر دارانہ امتیازات وغیرہ کا خاتمہ کر دیں گے۔ تم نے اپنے خط میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نمایندہ اسمبلی کے پورے تخیّل کی جان یہ ہے کہ عوامی عناصر اور عوامی خواہشوں کو ظاہر ہونے کا موقع دیا جائے۔ جو فرقہ وارانہ یا دوسرے مسائل کو درمیانی طبقے کے زاویۂ نظر سے نہ دیکھیں گی جس نے ہمیں اس پیچیدگی میں لا ڈالا ہے۔ خواہ ہم کتنی ہی سخت کوششیں کیوں نہ کریں۔ ذاتی طور پر مجھے اُس وقت تک اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آتا جب تک کہ اس تیسری پارٹی (برطانیہ) کو درمیان سے ہٹا نہ دیا جائے۔ جب حالات ہمیں باہم اتفاق کر لینے پر مجبور کر دیں گے تب ہی ہم ناگزیر طور پر ایک حل کے قریب پہنچ جائیں گے، ورنہ پھر دوسری صورت ایک زبردست تصادم ہوگی۔ کسی حل سے قریب ہو جانا اسی وقت ممکن ہوگا جب یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کوئی فریق بھی برطانیہ یا کسی دوسری اجنبی طاقت کی مدد طلب نہیں کر سکتا۔

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے لئے (اور دوسروں کے لئے بھی) صحیح راستہ یہ ہوتا کہ وہ صرف ایک بات پر اتّفاق کر لیتے، اور اگر ضروری سمجھتے تو اپنے تمام دوسرے اختلافات کو، مع پاکستان کے، اگر تم پسند کرو، باقی رکھتے۔ اور وہ ایک بات جس پر سب کا اتّفاق ضروری ہے یہ ہے کہ ہم سب تمام بیرونی اور اجنبی قوّت و اقتدار اور مداخلت کے خلاف اپنی قوّتیں یکجا کر لیں۔ ایک بار جب یہ بیرونی اور اجنبی قوّت و اقتدار درمیان سے ہٹ جائے گا تب پوری ذمّے داری ہماری ہو جائے گی۔ اب ہم باہم اتّفاق کریں یا جنگ و پیکار۔ اغلب یہ ہے کہ ہم باہم اتّفاق کر لیں گے اس لئے کہ واقعی جنگ و پیکار کا تصوّر کسی کے لئے خوش گوار نہ ہوگا۔

جناح اُلٹی گنگا بہاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک اُن کی شرطیں مان نہ لی جائیں کوئی سیاسی قدم آگے کو نہ اُٹھے۔ بہ حالتِ موجودہ اس کے معنی ترقّی کے حق میں حکمِ ممانعت و نامنظوری کے ہیں۔ صحیح راہِ عمل یہ ہوگی کہ وہ کہہ دیں کہ: میں پاکستان کو اور اُس کے ساتھ کی اور چیزوں میں سے کسی

چیز کو نہ چھوڑوں گا، اس سے کم پر میں کبھی راضی نہ ہوں گا، مگر اس بات پر میں بالکل آمادہ ہوں کہ بیرونی اور اجنبی قوت و اقتدار کو ملک بدر کرنے میں دوسروں سے اشتراکِ عمل کروں۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو اپنے حقوق کے لئے لڑوں گا۔ یہ بالکل بدیہی ہے کہ وہ موجودہ حالات کو بدستور باقی رکھنا چاہتے ہیں اور اس صورت سے اُن کی پوزیشن ناقابلِ قلع ہو جاتی ہے۔

خوش قسمتی سے دُنیا بدل رہی ہے اور ایک معنی میں ہمارے دُشوار ترین مسائل بھی حوادث کے تصادم سے خود ہی حل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ثقافتی زاویہ سے مسئلہ پر غور کرنا درست ہے مگر یہ بہت دیر طلب ہے اور حوادث ہیں کہ بڑی سُرعت کے ساتھ ہمارے پاس سے گزرے جا رہے ہیں اور اپنی جلو میں عظیم تغیّرات بروئے کار لا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہت دن نہ گزرنے پائیں گے کہ یہ تغیّرات ہم اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے۔

میں نہیں جانتا کہ تمہارے لئے، کانگریس کی مجلسِ عاملہ کے ایک رُکن کی حیثیت سے جناح اور مسلم لیگ کے ساتھ اُن خطوط پر جن کی تم تصریح کرتے ہو، کسی سمجھوتے یا مفاہمت کی تجویز پیش کرنا کہاں تک درست ہوگا۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اس تجویز سے انتشار اور غلط فہمی پیدا ہوگی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم مولانا آزاد سے مشورہ کر لو، وہ کل یہاں آ رہے ہیں اور تین چار دن ٹھیریں گے۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا ٹائپ کیا ہوا مسودہ ان کو دے دوں۔

تمہارا پُراز محبّت

جواہر لعل

۳۲۳۔ از مہاتما گاندھی

واردھا

۴ر مارچ ۱۹۴۲ء

(اصل خط ہندی میں)

عزیزی جواہر لعل

تمہارا خط مجھے کل ملا، امید کہ تم اس خط کو بہ آسانی پڑھ لو گے۔

اندو کی شادی سے متعلق، میرا یہ پختہ اور محکم خیال ہے کہ باہر سے کسی کو بُلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند آدمی جو الہ آباد میں موجود ہیں وہ، بہ ہر حال، بہ طورِ گواہ بُلا لیے جائیں۔ تم جتنے آدمیوں کو چاہو دعوت نامے (لگن پتریکا) بھیج سکتے ہو۔ ہر شخص سے تم دُعاؤں کی درخواست کرو مگر یہ بات واضح کر دو کہ کوئی صاحب خصوصیت کے ساتھ تشریف لانے کی زحمت نہ اُٹھائیں اگر کسی ایک شخص کو بھی آنے کی دعوت دی گئی تو پھر کسی شخص کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اندو بھی سادگی میں اس حد تک جانا پسند کرتی ہے یا نہیں۔ اگر تم بھی، شاید، اس حد تک جانا پسند نہ کرتے ہو تو میری تجویز پر خاک ڈالو۔

اندو کی نسبت تمھاری رائے میں نے پڑھی۔ میں نے اُس کو پسند کیا۔ اُس کی شادی کے بارے میں مجھے روزانہ خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ بعض بعض خطوط تو تکلیف دِہ ہوا کرتے ہیں۔ میں نے ان تمام خطوط کو تلف کر دیا۔ اِن تمام خطوط کے جواب میں میں نے ایک نوٹ ہری جن میں چھپنے کے لیے بھیج دیا ہے جس کی ایک نقل اس خط کے ساتھ میں تم کو بھیج رہا ہوں۔ یہ نوٹ دوشنبہ کو لکھا گیا۔ کل سے مسلمانوں کے خطوط کی بھرمار رہی ہے جن میں اُن کے حملہ کرنے کے ارادے ظاہر کیے جایا کرتے ہیں جو ایک قصّۂ پارینہ ہے یہ یوں ہی ہوتا رہے گا۔

ہندوستانی ریاستوں کے لیے جو کچھ بھی کرنا میرے امکان میں ہوگا میں اُس سے دریغ نہ کروں گا۔ سرمایہ کی دُشواری پیہم رہے گی۔ تمام ذمّے داری جمنا لعل جی نے اپنے سر لے لی ہے، کیوں لے لی ہے یہ نہیں معلوم ہوا۔ میں اب اس فکر میں ہوں کہ سرمایہ کیوں کر فراہم کیا جائے۔ اخبار کی نسبت میں پٹا بھی سے مشورہ کر رہا ہوں۔ بلونت رائے نہ آسکیں گے۔ مگر اس سے کچھ زیادہ فرق نہ پڑے گا۔ ہمیں یہاں سے مدد ملتی رہے گی۔ جب تم یہاں آؤ گے تب ہم اس معاملے پر گفتگو کر لیں گے۔ میمن آج بمبئی جا رہے ہیں کہ وہاں کا کام پورا کر ڈالیں۔

میں نے چیانگ کائی شک کا بیان دیکھا۔ اچھا تھا۔ تمھاری اجازت آگئی تھی مگر میں نے سوچا کہ اب اس خط کے شایع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ موضوع باسی اور فرسودہ ہو چکا ہے۔

بھاگی رتھی آگئے ہیں۔ چندرا سنگھ کو یہاں رکھنا کسی قدر دشوار ہے۔ وہ عیش وعشرت اور ناز نخرے کا بڑا رسیا ہے مگر عقل اور سمجھ بہت تھوڑی رکھتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ جھگڑتا رہتا ہے اگر یہ کسی کو مار بیٹھے تو مجھے تعجب نہ ہوگا۔ مگر میں اُسے بہ ہر صورت محنتی پاتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔ اگر میرے اس خط کے پڑھنے میں تمھیں دشواری پیش آئے تو میں زیادہ صاف لکھنے کی کوشش کیا کروں گا۔ مگر یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کو برابر اپنی قومی ہی زبان میں خط لکھا کریں۔ کچھ دنوں کے بعد ہم اس زبان میں خط وکتابت کرنا آسان تر پائیں گے۔ غریبوں کو اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔

باپو کی دُعائیں لو۔

۳۳۴۔ از ابوالکلام آزاد

کلکتہ

۸ / مارچ ۱۹۴۲ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارے اس دوسرے خط کے پہنچنے سے پہلے میں تمھارے پہلے خط کا جواب دے چکا تھا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ دو یا تین دنوں کے لئے واردھا چلا جاؤں گا مگر بنگال کی نازک صورتِ حال نے مجھے یہیں روک لیا؛ اور کچھ پیچیدہ مسئلے جن کا تعلق شہری تحفّظ سے ہے طے کئے بغیر نہیں چھوڑے جا سکتے تھے۔ اب کانگریس کی مجلسِ عاملہ کی نشست سترہ کو منعقد ہو رہی ہے اور میں اس مہینے کی گیارہ بارہ کو واردھا جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اگر تم بھی سترہ سے دو دن پہلے واردھا پہنچ سکو تو اچھا ہو۔ میں اپنی روانگی سے تم کو بذریعہ تار مطلع کروں گا۔

بادشاہ خاں نے مجھے کئی خط لکھے کہ واردھا میں جو وعدہ کیا گیا تھا اُس کے

مطابق ایک بیان شایع کر دیا جائے۔ معاملے کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد مجھ کو ماننا پڑا کہ اُن کی خواہش پوری کر دینے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ چنانچہ ایک بیان پریس کو بھیج دیا گیا ہے جس کو تم نے بھی دیکھا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس اثنا میں تمہارے اُن کے درمیان بھی خط و کتابت ہوئی یا نہیں۔

چار یا پانچ دن ہوتے ہیں سُبھاش بابو کا ایک بیان برلن ریڈیو سے نشر ہوا تھا اور دوسرے دن اعلان ہوا کہ یہ بیان اُنہی کی زبان سے ریکارڈ کر لیا گیا ہے اور اُنہی کی آواز میں سُنا جا سکتا ہے۔ میں نے سُنا۔ سبھاش بابو ہی کی آواز تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ریکارڈ نہیں تھا بلکہ غالباً وہ خود ہی بول رہے تھے۔ مگر ٹوکیو ریڈیو سے جو بیان نشر ہوا وہ یقیناً ریکارڈ کیا ہوا تھا۔ بجلی کے ذریعے ریکارڈ چلنے کی آواز صاف سُنی جا رہی تھی۔

فارورڈ بلاک کے وزرا، سنتوش اور بنرجی، یہاں سخت بے چین ہیں؛ وہ کہہ رہے ہیں کہ اُن کا فارورڈ بلاک سے دُور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

تمہارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

پنڈت جواہر لعل نہرو

الہ آباد

۳۲۵۔ از مادام چیانگ کائی شک

صدر دفتر سپہ سالارِ اعظم
چنگ کنگ، چین
۱۳ر مارچ ۱۹۴۲ء

میرے عزیز مسٹر نہرو

اُس رپورٹ کی ایک نقل میں آپ کو بھیج رہی ہوں جو پیر کے دن سپہ سالارِ اعظم نے ہمارے ہندوستان سے براہِ کمنگ واپس آنے پر پارٹی کے صدر دفتر کے سامنے پیش کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اصل تاریخ ۹ر مارچ تھی۔ یہ تقریر صوبوں کے افسرانِ اعلیٰ، سرکاری اداروں وغیرہ میں تقسیم کرنے کی

غرض سے ایک رسالے کی شکل میں چھاپی جائے گی مگر پریس کو نہ بھیجی جائے گی۔ وہ انگریزی ترجمہ جس کی ایک نقل میں آپ کو بھیج رہی ہوں واشنگ ٹن اور لندن میں ہمارے سفارت خانوں کو بذریعے تار بھیجا جارہا ہے اور سُفراء کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ یہ ترجمہ چرچل اور روزولٹ کو دے دیں۔ سپہ سالارِ اعظم اور میں دونوں یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی دوستوں کا ہم پر یہ فرض ہے کہ سچّائی کا، جیسی کہ وہ ہمیں نظر آرہی ہے، اظہار کردیں اگرچہ، چونکہ ہم برطانوی حکومت کے مہمان تھے، شائستگی اور خوش خلقی ہمیں اُس کے اس دعوے پر کُھلّم کُھلّا تنقید کرنے سے روکتی ہے کہ حقیقی اور واقعی قوّت و اقتدار اس لیے ہندوستان کو سونپا نہیں جاسکتا کہ اُس کے باشندوں کے اندر یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کی کمی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آج میں نے اخباروں میں دیکھا کہ لندن کرانیکل نے اس سے خاصا ایک مقدمہ تیار کرلیا ہے، مجھے اس پر بے حد غصّہ آیا۔

اخباروں سے معلوم ہوا کہ کرپس تجویزوں سے مُسلّح ہوکر ہندوستان آرہے ہیں۔ اور انہی اخباروں سے آپ کا وہ گول مول سا جواب بھی معلوم ہوا جو آپ نے رائٹر کے نامہ نگاروں کو اُن کے اس سوال پر دیا کہ کرپس کی آمد پر آپ کا ردِّ عمل کیا ہے۔ میرے عزیز دوست، کس نے کہا کہ آپ ایک مدبّر نہیں ہیں؟

میرے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنمنگ پہنچنے پر دوسرے ہی دن، ۲۲ فروری کو میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔ چونکہ اس خط کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا، میں نے کلکتے میں اپنے قونسل جنرل کو تار دے کر پوچھا کہ آیا یہ خط آپ کو ملا بھی یا نہیں اور اگر ملا تو کب؟ اُن کا جواب ابھی ابھی مجھے ملا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ خط پانچویں مارچ کو اُنھیں ملا اور چھٹی کو اُنھوں نے ایک خاص قاصد کے ہاتھ آپ کو بھجوادیا۔ خدا کی پناہ، ــــــ راہ میں اس کو اتنے دن کیوں لگ گئے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ خط بھی آپ کو ملے گا یا نہیں اور اگر ملے گا تو کب تک ملے گا۔ یہ خط میں فضائی کمیشن کے جنرل ماؤ کے ہاتھ بھیج رہی ہوں اور اُن سے کہہ رہی ہوں کہ وہ خود اس خط کو لے جاکر قونسل جنرل کو دیں اور انھیں تاکید کریں کہ وہ فوراً اس خط کو آپ تک پہنچادیں۔ اب سے چند ہی منٹ پیشتر مجھے معلوم

ہوا کہ جنرل ماؤ، کل کلکتہ جا رہے ہیں۔

یہ خط میں آپ کو ہُوانگ شانگ میں اُسی مکان میں بیٹھی ہوئی لکھ رہی ہوں جس میں آپ ہم لوگوں سے آ کر ملے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ مکان چنکنگ کے مقابل دریا کے اُس پار اور اُس کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ یہاں ہم شبِ گزشتہ قدرے تنہائی کی تلاش میں آئے ہیں۔ جب سے ہم یہاں واپس آئے ہیں لوگوں کا وہ ہجوم اور کام کی وہ کثرت ہے کہ خدا کی پناہ۔ شہر میں آدمی ہر جگہ لوگوں کی ریل پیل پاتا ہے، فضا، شہر کے گلی کوچے یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے مطالعے کے کمرے کی تنہائی کو بھی اس ریل پیل سے محفوظ نہیں پاتا۔ فکر و خیال کی غیر مرئی موجوں کا دل میں برابر آتے رہنا اور گزرتے رہنا انسان کی صفائے قلب اور سکون خاطر کی سطح کو برابر مضطرب کرتا رہتا ہے اور اُن کی اس اضطراب آفرینی سے آدمی کوئی مفر نہیں پاتا۔ میرا خیال ہے کہ اِس عجیب و غریب عوامی اور عالم گیر سانحہ کے مظاہرے کی کوئی نفسی اور روحانی تفسیر و توجیہہ ضرور ہوگی۔ بہرکیف یہاں پہاڑیوں میں آدمی بلا کی گھٹن اور اژدہام سے چھٹکارا محسوس کرتا ہے۔ میں ہندوستان سے محبت کرتی ہوں مگر دہلی کی سپید سپید عمارتوں کی چمک سے میری آنکھیں قریب قریب چوندھیا سی گئیں۔ یہاں چنکنگ میں ہم تقریباً ہمیشہ کہرے میں گھرے رہا کرتے ہیں۔ دُھندلی دُھندلی سی کہر جو ہر طرف پہاڑوں کے اُفق کو ایک چادر سی اُڑھائے رہا کرتی ہے آنکھوں کو نرم و راحت رساں دکھائی دیتی ہے اور پہاڑیوں کے وہ ہرے ہرے سبز و شاداب مسطّح پہلو (آپ کو یاد ہیں؟) جو بھانت بھانت کی سبزیوں سے لدے رہتے ہیں اُس شخص کو بہت بھلے لگتے ہیں جو سورج کی تیز و تند روشنی کا خوگر نہیں ہے۔ آپ کو یاد ہے؟ ہندوستان میں جب کبھی میں گھر سے باہر نکلا کرتی تھی، کیسے سخت دردِ سر میں مبتلا ہو جاتی تھی؟ مگر ان باتوں کے باوجود میں اس سیاحتِ ہند سے لطف اندوز ہوئی اور میں کسی قیمت پر اُس کو نہ بھولوں گی۔

میں اپنے سکریٹری کو بے فائدہ ٹیلیفون کیے جا رہی ہوں کہ نان کے لئے

کچھ ایسی چیزیں تیار رکھو جو جنرل ماؤ اپنے ساتھ لے جا سکیں۔ اگر میں کامیاب ہو گئی تو خیر، ورنہ اُس سے کہہ دیجئے گا کہ کسی دوسرے قاصد کے ہاتھ بھیج دوں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مس جاؤ کہیں سیر و تفریح کو گئی ہوئی ہے (اگر چنکنگ کے کھنڈروں میں کہیں سیر و تفریح ممکن بھی ہو)

اتفاق سے میرے خطوں کے بیگ میں کرپس کا ایک خط مجھے مل گیا ہے جو اُنھوں نے مجھے میرے واپس آنے کے بعد ۵ مارچ کو لکھا تھا۔ میں یہ خط آپ کو صرف اس لئے بھیج رہی ہوں کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب آپ جیل میں تھے تب ہم آپ کی اس قید و بند کو کس قدر محسوس کیا کرتے تھے۔ مگر یہ بات تو اس کے بغیر بھی آپ کو معلوم ہونی چاہیئے۔

سپہ سالارِ اعظم ہندوستان کے حالات سے متعلق برابر روزولٹ کو تار دیتے رہے ہیں۔ روزولٹ کی بھیجی ہوئی تازہ ترین اطلاع یہ ہے: (۱) روزولٹ نے تار دیا ہے کہ پیس کانفرنس میں ہندوستان کا جو نمایندہ آئے وہ کانگریس کا منتخب کردہ ہو اور واقعی قوم پرور ہندوستان کی نمایندگی کرتا ہو۔ (۲) روزولٹ کا خیال ہے کہ ہندوستان کے مسئلے کے حل کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، یعنی ہندو ہندوستان اور مُسلم ہندوستان۔ سپہ سالارِ اعظم اور میں دونوں نے مل کر اپنے بھائی ٹی۔ وی کو تار دیا ہے کہ اس حل کی دوسری منطق بالکل غلط ہے اور اس پر ایک لمحے کے لئے بھی غور نہ کیا جانا چاہیئے۔ ہندوستان بھی اُسی طرح ناقابلِ تقسیم ہے جس طرح چین۔ اگر ہندوستان کے لوگوں میں کچھ مذہبی اختلافات پائے جاتے ہیں تو اُس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اگر اُن کو اپنے اختلافِ آراء کو باہم طے کر لینے کا کوئی موقع دیا جائے اور کوئی تیسری پارٹی کوئی مداخلت نہ کرے اور کسی فریق کو شہ نہ دے تب بھی وہ سیاسی طور پر باہم کوئی معاہدہ یا اتفاق نہیں کر سکتے۔

سپہ سالارِ اعظم مجھے بلا رہے ہیں اور خط لکھنا ختم کرنے کو کہہ رہے ہیں اس لئے کہ جنرل ماگ روڈر روزولٹ کا کوئی پیغام لے کر کسی کانفرنس کے لئے آئے

ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں آپ کو صحیح معنوں میں کوئی خط لکھنے کی ایک منٹ کی مہلت بھی نہیں پا سکتی۔ ہمیشہ، ہمیشہ اُکتا دینے والے فرائض کا ایک شور سا برپا رہا کرتا ہے۔ اور میں صرف کچھ بے ربط اور بے تکی سی باتیں گھسیٹ دیا کرتی ہوں۔ مگر آپ مجھ سے کچھ زیادہ خفا نہ ہوں۔ مجھے خود ترتیب کے ساتھ اور منطقی طور پر کچھ غور و فکر کرنے کا وقت نہیں ملا کرتا۔ یہ شاید اچھا ہی ہے اس لئے کہ میں گاندھی جی کی طرح محض "سخت غور و فکر" کے زور سے یقیناً کوئی معقول راہِ عمل پیدا بھی نہیں کر سکتی۔

سلام میرے خانہ بدوش دوست کو

خدا حافظ

ایم۔ ایس۔ سی

۲۳۶۔ از مسر اسٹیفرڈ کرپس

۳، کوٹن وکٹوریا روڈ

نئی دہلی

اپریل ۱۹۴۲ء

میرے عزیز جواہر لعل

اجازت دیجئے کہ آپ سے، جس کے کندھوں پر فیصلے کا بارِ عظیم ہے، ایک آخری اپیل کروں۔ فیصلہ بھی وہ جو ہماری دو قوموں کے آئندہ باہمی تعلقات پر اثر انداز ہونے میں اتنا دور رس ہوگا کہ اُس کی عظمت کا واقعی کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

ہم دونوں اپنی قوموں کو دوستی، رفاقت اور تعاون تک لیجا سکتے ہیں اور ہمیں ضرور لیجانا چاہیئے — میں اپنے حلقے میں اس کے لئے کوشاں رہوں اور آپ اپنے حلقے میں۔

جو موقع اس وقت ہاتھ آگیا ہے دوبارہ ہاتھ نہ آسکے گا۔ اگر یہ راستہ منزلِ مقصود تک نہ لے جا سکا تو دوسرے راستے سامنے آسکتے ہیں مگر اتنا اچھا موقع ہماری دونوں قوموں کے درمیان رابطہ، رفاقت و دوستی کے مستحکم

کرنے کا پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔

صرف قیادت ہی ـــــ جس قسم کی قیادت کا منصب آپ کو حاصل ہے۔ نتیجے کی تکمیل کر سکتی ہے۔ ایک عظیم الشّان قائد کے لئے وہ ساعت آگئی ہے کہ وہ بلند ترین جرأت و ہمّت کے ساتھ جُملہ مشکلات و خطرات کا ـــــ اور میں جانتا ہوں کہ راہ میں مشکلات اور خطرات ہیں ـــــ مقابلہ کرتا ہوا منزلِ مقصود تک جا پہنچے۔

میں آپ کی صلاحیتوں اور آپ کی استعداد سے واقف ہوں اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان صلاحیتوں اور اس استعداد سے اس وقت کام لیں۔

آپ کا ہمیشہ پُراز محبت
اسٹیفرڈ

۲۳۷۔ بنام فرانکلن ڈی۔ روزولٹ

نئی دہلی
۱۲ر اپریل ۱۹۴۲ء

محترم جنابِ صدر

میں آپ کو خط لکھنے کی جرأت اِس لئے کر رہا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال اور جنگ پر اُس کے ردِّ عمل سے عمیق دل چسپی لیتے ہیں۔ سر اسٹیفرڈ کرپس کا جو وفد برطانوی حکومت اور ہندوستانیوں کے درمیان تصفیہ کرانے آیا تھا اُس کی ناکامی سے جس طرح ہمیں تکلیف پہنچی ہے اُسی طرح آپ کو بھی پہنچی ہوگی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہم سالہا سال سے ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں، مگر اس وقت کے خطرے نے ہمارے دلوں میں ہر دوسری چیز سے پہلے یہ خواہش پیدا کر دی ہے کہ ہمیں ایک موقع دیا جانا چاہئے کہ ہم حملہ آور اور حملے میں پہل کرنے والے کے مقابلے میں ایک حقیقی قومی اور عوامی محاذِ مقاومت کی تنظیم کریں۔ ہم مطمئن تھے کہ اس کام کے انجام دینے کا صحیح اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ ہماری قوم کو آزادی اور استقلال

دے کر اُس سے کہہ دیا جاتا کہ وہ اپنی آزادی اور استقلال کی حفاظت کرے۔ اِس طرزِ عمل نے کروڑوں دلوں میں ایک چنگاری سُلگادی ہوتی جو آگے چل کر مقاومت اور مقابلہ کی ایک ایسی بھڑکتی ہوئی آگ بن گئی ہوتی جس کا کامیابی کے ساتھ سامنا کرنا کسی حملہ آور کے بس کی بات نہ ہوتی۔

اگر اس کام کو اس صورت سے انجام نہیں پانا تھا جس صورت سے ہم چاہتے اور مقاصدِ جنگ کے لیٔے ضروری سمجھتے تھے تو کم سے کم جس چیز کو ہم ضروری اور لازمی سمجھتے تھے وہ یہ تھی کہ اس وقت صحیح معنوں میں ایک قومی حکومت ترتیب دے دی جاتی اور اُس کو یہ اختیار اور ذمّے داری دے دی جاتی کہ وہ ایک عوامی بُنیاد پر مقاومت اور مقابلے کی تنظیم کرے۔ مگر برطانوی حکومت نے بدقسمتی سے اس کو بھی قابلِ عمل یا پسندیدہ نہیں سمجھا۔ اُس گفت و شنید کے دَوران میں، جو بدقسمتی سے اس وقت ناکام رہی، جو کچھ وقوع میں آیا اُس کی تفصیل بیان کر کے آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کے جو نمایندے یہاں موجود تھے انھوں نے آپ کو اِن تفصیلات سے ضرور مطلع رکھا ہوگا۔ میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس کے لیٔے کس قدر فکرمند اور متمنّی تھے، اور اب بھی ہیں، کہ ہندوستان کی حفاظت کے لیٔے ہم اپنے مقدور بھر سب کچھ کر ڈالیں اور آزادی و جمہوریت کے وسیع تر مقصدوں سے اپنے آپ کو منسلک رکھیں۔ ہمارے لیٔے یہ ایک المیہ ہے کہ ہم ایسا جس طریقے پر، اور جس پیمانے پر کرنا چاہتے ہیں نہیں کرسکتے۔ ہم تو اپنے ملک کے دفاع میں اپنی ہر چیز کی بازی لگا دینا پسند کرتے، اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ، جو ہم رکھتے ہیں، لڑتے اور حملہ آور کو پسپا کر دیتے اور اپنے ملک کی آزادی اور استقلال کے بچا لینے کی جدوجہد میں کسی قیمت یا لاگت اور کسی قربانی کو کوئی بڑی قیمت یا لاگت یا بہت بڑی قربانی نہ سمجھتے۔

ہمارے موجودہ وسائل و ذرایع محدود ہوسکتے ہیں اس لیٔے کہ ماضی میں برطانوی حکومت جس پالیسی پر ہندوستان میں عمل پیرا رہی ہے اُس نے ہمارے ملک کو ایک صنعتی ملک نہیں بننے دیا۔ ہم لوگ غیر مسلح ہیں۔ مگر ہماری امکانی جنگی توانائی اور قوّت بہت بڑی ہے، فوجی خدمت وغیرہ کے لیٔے ہمارے

ہاں آدمیوں کی تعداد بہت بڑی ہے اور ہمارے وسیع رقبوں نے بھی، چین کی طرح ہماری مدد کی ہوتی۔ سرمایہ اور محنت کے تعاون سے ہماری پیداوار کی رفتار ترقی بہت تیز کی جا سکتی تھی۔ مگر جنگ کی یہ جملہ امکانی قوتیں پورے طور پر صرف اُس وقت کام میں لائی جا سکتی ہیں جب مُلک کی حکومت باشندگانِ مُلک سے گہرا اور قریبی تعلق رکھتی ہو اور اُن کی نمایندہ ہو۔ ایک ایسی حکومت جو مُلک کے باشندوں سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو اُن سے کوئی عام تعاون حاصل نہیں کر سکتی جو اس قدر ضروری اور لازمی ہے، اور اگر حکومت اجنبی اور غیر مُلکی ہو جو ناگزیر طور پر ناپسند کی جاتی ہے اور جس پر مُلک کے باشندے اعتماد نہیں کرتے تو ایسی حکومت تو باشندگانِ مُلک سے عوامی تعاون حاصل کرنے میں اور بھی زیادہ ناکام رہے گی۔

خوف اور خطرے نے ہمیں چاروں طرف سے ڈھک لیا ہے اور ہمارا فوری مستقبل حملے کے امکان اور اُن دہشت ناکیوں کی پرچھائیوں سے تاریک ہے جو اُسی طرح حملے کے جلو میں آئیں گی جس طرح چین پر جاپانیوں کی یلغار کی جلو میں آئی تھیں۔ سر اسٹیفرڈ کرپس کے مشن کی ناکامی نے صورتِ حال کی دشواریوں میں اضافہ کر دیا ہے اور اس کا ردِّ عمل ہماری قوم پر اچھا نہیں ہوا ہے۔ مگر دُشواریاں خواہ کتنی ہی اور کیسی ہی ہوں، ہم اُن کا مقابلہ اپنی پوری قوّت اور عزم کے ساتھ کریں گے۔ چاہے ہماری پسند و اختیار کی راہ ہم پر بند ہی کیوں نہ کر دی جائے اور اگرچہ ہندوستان کے برطانوی حکّام کی سرگرمیوں کے ساتھ ہم اپنے آپ کو شریکِ کار نہ بنا سکیں تب بھی ہم اپنی انتہائی قوّت اس پر صرف کر دیں گے کہ ہم جاپانیوں یا کسی دوسری قوّت کے حملے کے سامنے نہ جُھکیں۔ ہم، جو اِک زمانۂ دراز سے اپنی آزادی کے لئے اور ایک قدیم حملۂ جارحانہ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں، کسی نئے حملہ آور کے سامنے جُھکنے پر موت اور فنا کو ترجیح دیں گے۔

جیسا کہ ہم بار بار اعلان کر چکے ہیں، ہماری ہمدردیاں اُن قوّتوں کے ساتھ ہیں جو فاشزم کے خلاف اور جمہوریت اور آزادی کے حمایت میں جنگ کر رہی ہیں۔ ہمارے اپنے مُلک کو اگر آزادی حاصل ہوتی تو ہماری یہ ہمدردیاں ایک پُر قوّت

اقدام کی صورت اختیار کرلیتیں۔

آپ کے عظیم مُلک کو، جس کے آپ معزّز صدر ہیں، ہم فتح وکامیابی کے لئے دُعائیں اور عمدہ تمنّائیں بھیجتے ہیں۔ اور آپ کو، جنابِ صدر، جس کی طرف دُنیا بھر کے اتنے سارے لوگ آزادی کے مطالبہ ومقصد میں رہبری اور قیادت کے لئے دیکھ رہے ہیں، اپنے احترام اور قدر شناسی کی یقین دہانیاں بھی بھیج رہے ہیں۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

پریسیڈنٹ فرانکلین روزویلٹ

واشنگ ٹن۔یو۔ایس۔اے

۳۳۸۔ از مہاتما گاندھی

واردھا

۱۵ اپریل ۱۹۴۲ء

(اصل خط ہندی میں)

عزیز جواہر لعل

پروفیسر یہیں ہیں؛ اور انھوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔تمھاری اخباری نمایندوں سے ملاقات کا حال بھی مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جن اختلافات نے ہمارے نظریوں کو الگ الگ کردیا تھا وہ اب پھر آہستہ آہستہ ہمارے کاموں میں حائل ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں ولبھ بھائی اور دوسرے لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر تمھاری پالیسی مان لی جائے، تو کمیٹی کو اپنی موجودہ شکل میں باقی نہ رہنا چاہیے۔

میں اس معاملے پر جس قدر زیادہ غور کرتا ہوں، میرے اندر یہ احساس اُسی قدر زیادہ زور پکڑتا جاتا ہے کہ تم کسی حد تک غلطی پر ہو۔ جب امریکی اور چینی فوجیں ہندوستان میں داخل ہو جائیں تب گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کرنے میں مجھے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

میرا فرض ہے کہ میں تمھیں آگاہ کر دوں۔

امید ہے کہ اندو اور فیروز دونوں بخیر ہوں گے۔

باپو کی طرف سے دعائیں

کل میں نے سنا کہ اُتکل میں فارورڈ بلاک کے آدمی مسلح ہو چکے ہیں اور کیمونسٹ گوریلا جنگ کے لیے تیار ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں سچائی کہاں تک ہے۔

۲۳۹۔ از ٹوان۔ شِنگ شین،

قومی پیکنگ یونیورسٹی،
کُنمنگ، چین
۱۸ اپریل ۱۹۴۲ء

میرے پیارے پنڈت

اس خط کے لکھنے کی جسارت پر مجھے معاف کر دیجیے۔ ۱۹۳۹ء کے ماہ اگست میں جب آپ کُنمنگ کے معمولی اور نامناسب سے ہوٹل، ہوٹل دو لاک، میں ٹھیرے ہوئے تھے تو شام کے وقت جس شخص نے آپ سے سب سے زیادہ باتیں کی تھیں، اور، کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ، سب سے زیادہ معلومات بھی حاصل کی تھیں، وہ شخص شاید آپ کو ضرور یاد آ جائے گا۔ وہی شخص اس وقت یہ خط لکھ رہا ہے۔ حقیقت میں اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ جنگ آپ کے ہمارے ہاں ٹھیرنے کو مختصر کر دے گی اور میں چنگکنگ میں آپ سے زیادہ نہ مل پاؤں گا تو میں نے اس شام کو آپ سے اور زیادہ سوالات کیے ہوتے۔ اس وقت میں خود بھی قوم کی سیاسی کاؤنسل کے ایک اجلاس میں شرکت کی غرض سے چنگکنگ جانے کے لیے پابہ رکاب تھا۔ مگر جب میں چنگکنگ پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ ہندوستان جا چکے ہیں۔

اس زمانے سے آپ کو خط لکھنے کا خیال میرے دل میں برابر رہا ہے مگر اس خیال پر کبھی عمل نہ ہو سکا اور اس کا اصل سبب سنسر کیے جانے کا خوف تھا۔ اب صورتِ حال کسی قدر مختلف ہے اور مجھے اعتماد ہے کہ ہمارے قونسل جنرل میرا

یہ خط، بغیر کسی حادثے یا مصیبت کے، آپ تک پہنچا سکیں گے۔

حالیہ گفت و شنید کی ناکامی سے مجھے تکلیف ہوئی۔ اس گفت و شنید کے آخری اور قطعی انقطاع کی اطلاع پانے سے پہلے جو خط میں نے پروفیسر لاسکی کو لکھا تھا اُس میں میں نے کہا تھا:

"میں سر اسٹیفرڈ کرپس کی روش اور ترقی اور ہندوستان کی صورتِ حال میں تبدیلی اور ترقی، دونوں چیزوں کا مطالعہ بڑی گہری دل چسپی اور استغراق کے ساتھ کرتا رہا ہوں۔ ایک طرح پر یہ دونوں چیزیں ایک دوسری سے وابستہ ہیں ہندوستان کے مسئلے کا اطمینان بخش طریقے پر حل کیا جانا ضروری اور لازمی ہے۔ کوئی دوسرا شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس کام کے انجام دینے کی اہلیت و صلاحیت میں سر اسٹیفرڈ کرپس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اگر برطانیہ کو اس جنگ سے کامیابی کے ساتھ گزرنا ہے تو برطانوی حکومت کے اندر سر اسٹیفرڈ کو بڑا نمایاں حصّہ ملنا چاہیے۔ برطانیہ کی برسرِ اقتدار پارٹی کو اُن سے جو نفرت سی ہے اُسے دُور کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑے پیمانے کے ڈرامے کا پارٹ ادا کریں۔ مگر مکمّل آزادی پر کانگریس کے اصرار کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہوئے برطانوی تجویز سے، جیسی کہ وہ سر اسٹیفرڈ کی زبانی پہلی بار پبلک کے علم میں آئی، مجھے مایوسی ہوئی اور میری ہمّت ٹوٹ سی گئی۔ میں نے سوچا کہ یہ تو کانگریس اور سر اسٹیفرڈ دونوں کے لیے یکساں طور پر نہایت غیر منصفانہ ہے۔ اوّل الذکر کے لئے تو اس لئے کہ اِس تجویز کی رُو سے وہ ایک متحد آزاد ہندوستان حاصل نہ کر سکے گی اور مؤخّر الذکر کے لئے اس لئے کہ یہ تجویز اگر اُن کے عروج و ترقی کو بالکل تباہ نہ کر دے گی تو اُس کی راہ میں رُکاوٹیں ضرور پیدا کر دے گی حالاں کہ اُن کی رفتار عروج و ترقی برطانیہ کے مستقبل کے ساتھ گہری پیوستگی اور وابستگی رکھتی ہے۔ بعد کی خبروں سے کسی قدر میرا جی خوش ضرور ہوا مگر پھر بھی مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ مجھے برطانیہ کے سرکاری اندازِ فکر سے جس کو رائیٹر کے تبصروں کے بین السطور سے بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے، کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ مجھے امریکی پریس کے تبصروں سے بھی اتفاق و ہمدردی نہیں ہے جو

برطانوی اشاروں سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ایک مشترک دفاع پر زور دینے کی آرزو میں میری اپنی حکومت بھی سرکاری برطانوی ہاتھوں کی کٹھ پُتلی بن گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو مجھے اپنی حکومت سے بھی ہمدردی و اتفاق نہیں ہے۔ مجھے امید قوی ہے کہ سر اسٹیفرڈ دل سے برابر کانگریس کے موقف کے ہمدرد رہے ہیں، اگر اُنھوں نے ایک بار کابینہ کی تجویز کی تائید کی تو صرف اِس یقین و اعتماد کی بُنیاد پر کہ کانگریس کچھ زیادہ طلب کرنے پر اصرار کرے گی اور وہ اس وقت تیّار ہوں گے کہ کانگریس کے مطالبات آخری طور پر پورے کرادینے کا ذریعہ بنیں۔"

گفت و شنید کی ناکامی کے بعد سے آپ کے اور سر اسٹیفرڈ کے دیئے ہوئے کئی بیانات میں پڑھ چکا ہوں، اور بعض مقدمات پر جو سر اسٹیفرڈ کے کے استدلالوں کی تہ میں نظر آئے مجھے کسی قدر اچنبھا سا ہوا۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ برطانوی حکومت بہت بڑی اکثریت کی خواہش کا احترام کرنے کے مقابلے میں ہندوستان کی اقلیتوں کی خواہشیں برلانے میں اُن کی مدد کرنے کو نسبتاً اپنی زیادہ بڑی اخلاقی ذمّے داری محسوس کرتی ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ برطانوی حکومت اس بات کو فرض کرلیتی ہے کہ کُل ہند کانگریس برطانویوں کے مقابلے میں اقلیت کے مفادات کے تحفّظ کی اُتنی آرزومند نہیں ہے جتنے کہ وہ ہیں۔ اور تیسرا مقدمہ جو اس گفت و شنید کے انقطاع کا فوری سبب معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ برطانوی یہ بھی فرض کرلیتے ہیں کہ ہندوستانی وزیرِ دفاع اُن معاملات میں بھی جن کا تعلق قطعی طور پر فوج کی کمان سے ہوگا اس طرح مداخلت کرے گا کہ اُس کمان کے مؤثّر طور پر کام کرنے میں رکاوٹیں پڑیں گی۔ میرا یہ استعجاب اور اچنبھا اور بھی زیادہ اس لئے ہوا کہ میں سر اسٹیفرڈ کو ایک ایمان دار آدمی اور آزادیِ ہند کا ہمدرد سمجھتا ہوں۔ کیا یہ قرینِ امکان ہے کہ برطانوی حکومت اُس نئی مدبّرانہ بصیرت و نظر سے، جس کے بغیر برطانیۂ عظمیٰ نہ تو یہ جنگ جیتنے کی توقّع کرسکتی ہے اور نہ صلح کی، اب بھی اتنی دُور ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کرے گی کہ سر اسٹیفرڈ کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ قدامت پسند

رہیں تاکہ وہ حکومت سے اتنے زیادہ آگے نہ نکل جائیں کہ اُن کو ۱۹۳۹ء کی جنوری۔ فروری کا تجربہ دُہرانا پڑے؟ میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ اب بھی اس کا موقع ڈھونڈھ نکالیں گے کہ پہلے وہ خود کانگریس کے آراء و افکار سے قریب تر آئیں اور پھر اپنے رُفقائے کار کو ان کو سمجھنے پر آمادہ کریں۔

میں معاملاتِ زیرِ بحث سے متعلق اپنی حکومت کے اندازِ فکر کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ غالباً وہ مشترک دفاع اور باہمی اتّفاق و اتّحاد کی اوّلیّت و اہمیّت پر زور دے گی۔ اہلِ چین بھی کانگریس کے راہنماؤں کا رُتبہ پورے طور پر سمجھنے پر مائل نہ ہوں گے۔ گاندھی جی کو لوگ ایک رشی جانتے ہیں اور آپ کو ایک کامل محبِّ وطن مگر یہ کہ آپ اس سے کچھ زیادہ ہیں اور اُسی معنی میں آپ ایک ماہرِ سیاست بھی ہیں جس معنی میں ابراھام لنکن سچ مچ ایک ماہرِ سیاست تھے اور یہ کہ آپ کے ساتھ بہت سے آپ کے ماننے والے ہیں جن کی آپ رہبری کرتے ہیں، یہ ایک ایسی بات ہے جس کو اہلِ چین جو ہندوستانیو جیسا سیاسی ذہن و دماغ نہیں رکھتے، بہت کم سمجھتے ہیں۔

میں خود اپنے یہاں کے حالات سے، وہ سیاسی ہوں خواہ اقتصادی، کچھ خوش نہیں ہوں۔ ان باتوں کا ذکر میں آیندہ خط و کتابت کے لئے اُٹھا رکھتا ہوں جب مجھے اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ میرے خطوط آپ تک پہنچ بھی جائیں گے۔ اس لئے میرا کوئی ایسی بات کہنا جس سے ترغیب و تحریص کی بو آئے انتہا درجے کی لغویّت ہوگی۔ پھر بھی غالباً مجھے ہندوستانیوں سے اتنی امید رکھنے میں معاف کر دیا جائے گا کہ وہ اپنے شہری دفاع کے لئے اس طرح ڈٹ کر کام کریں گے جیسے وہ اپنے حکمراں آپ ہیں۔ وہ اگر ایسا کریں گے تو نہ صرف ایک خوف ناک دشمن کے پسپا کرنے میں مدد دیں گے بلکہ بالآخر ملک کے مقامی نیز مرکزی انتظامات، خود ہی سنبھال لینے کے لئے، جو بہت زیادہ دُور نہیں ہو سکتا، اپنے آپ کو تیار بھی کر لیں گے۔

احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص
ڈوان شِنگ شین

پنڈت جواہر لعل نہرو
الہ آباد، ہندوستان

۲۴۰۔ از مہاتما گاندھی

واردھا
۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء

(اصل خط ہندی میں)

عزیزی جواہر لعل

میرا بہن اس پر راضی ہو گئی ہیں کہ مجھے کوئی قدم ضرور اٹھانا چاہیئے اور قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر میں خود نہ بھی جاؤں تو وہ الہ آباد جانے پر آمادہ تھیں۔ اس لئے میں نے اُن کو یہاں بُلا لیا۔ میں اُن کی معرفت اپنی رائیں ایک قرارداد کی شکل میں بھیج رہا ہوں۔ مولانا صاحب مصر تھے کہ مجھے الہ آباد جانا چاہیئے۔ میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ آج کل میرے لئے سفر کرنا دشوار ہے۔ علاوہ بریں، میں نے اسی زمانے میں تین میٹنگیں طلب کی ہیں۔ اس لئے مولانا سے میں نے معافی مانگ لی اور اُن کو لکھ بھیجا کہ میں اپنی رائیں ایک قرارداد کی شکل میں بھیج دوں گا۔ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اپنی قرارداد کی تائید میں دلائل پیش کروں۔ اگر تم میری قرارداد کو پسند نہ کرو تو میں واقعی اس پر اصرار نہیں کر سکتا۔ وہ وقت آگیا ہے کہ ہر شخص اپنی راہ خود منتخب کرلے۔

فینی اور دوسرے مقامات پر حکومت کا برتاؤ قطعاً ناقابلِ برداشت تھا۔ ایسی حکومت، اگر وہ بچ بھی گئی، کیا کرے گی؟ اور آج تو وہ صرف باقی رہ جانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ اس حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد ہم جاپانیوں سے اچھی طرح نپٹ لیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد ہم خود ہی آپس میں لڑنے لگیں۔ خواہ کچھ بھی ہو، کیا ہمیں اپنے اندرونی جھگڑوں سے بچانے کے لئے اس حکومت

کی قیمتی خدمات کی ضرورت ہوگی؟

آچاریہ نریندر دیو نے قرارداد دیکھ لی ہے اور پسند کی ہے۔

باپو کی دُعائیں

۲۴۱۔ از لوئی جانسن

دفتر نمایندۂ شخصی

صدر ولایات متحدہ

نئی دہلی

۱۲ مئی ۱۹۴۲ء

پیارے جواہر لعل

میں "پس منظر" کو بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھتا رہا ہوں۔ یہ پہلا مطالعہ ہے جو کم و بیش ایک ہفتے میں کیا ہے۔ شفا خانے سے کل میں باہر آیا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جمعہ یا سنیچر کے قریب ایک اسٹراٹو لائنر (جہاز) پکڑ لوں گا ــــ یعنی دوسرا جہاز جو ہندوستان آئے گا۔

آپ کا چھٹیوں پر جانے سے پہلے وقت نکال کر مجھ سے مل لینا میں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ خدا کرے آپ کی چھٹیاں خوش گوار، پُرسکون اور پورے طور پر نفع بخش ثابت ہوں۔

مجھے امید ہے کہ چھٹیوں سے واپس آنے کے بعد آپ کو بہت زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا کہ آپ کو میرا خط کوچین ہاؤس کی معرفت ملے گا۔

میرے آپ کے میل جول نے ہندوستان کے میرے اس دورے کو مفید بنا دیا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، ہم لوگ "اُن جہازوں جیسے نہ ہوں گے جو تاریکیٔ شب میں ایک دوسرے کے پاس سے گزر جاتے ہیں"۔ مجھ کو تو یہ توقع ہے کہ میری آپ کی یہ مسرت بخش دوستی سالہا سال تک باقی و برقرار رہے گی۔

اچھی تمناؤں میں سے بہترین تمناؤں کے ساتھ مجھے ہمیشہ اپنا مخلص باور کیجیے۔

آپ کا

لوئی۔ جے

پنڈت جواہر لعل نہرو
نگر (کولو)

ضمیمہ: جیسے ہی میں وطن کا رُخ کروں گا میں کتاب "بادشاہوں کا دریا" پڑھنا شروع کر دوں گا۔ اس کتاب کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

جرمنوں نے آج حملے کا آغاز کر دیا۔ اب ہم لوگ اُس بحران میں داخل ہو رہے ہیں جو "مختصر" جنگ یا "طویل" جنگ کا فیصلہ کر دے گا۔

آپ کا دوست
لویس

۳۴۲۔ از جی۔ ادھیکاری

۳/ مئی ۱۹۴۲ء

پیارے پنڈت جی

میں یہ خط آپ کو اس خیال سے لکھنا چاہ رہا ہوں کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے نتائج کے بارے میں کچھ قابلِ لحاظ امور آپ کے سامنے رکھوں۔ آپ مجھے اتنی اچھی طرح نہیں جانتے جتنی اچھی طرح آپ میرے اُس دوست اور رفیقِ کار کو جانتے ہیں جو آپ سے دہلی میں کرپس سے گفت و شنید کے زمانے میں ملا تھا۔ مگر یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس اجلاس کے نتائج کے بارے میں ہمارے احساسات بہت شدید ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان فیصلوں کے بعد آج ملک اور قوم پہلے سے زیادہ خراب پوزیشن میں ہے۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ بھی اِن فیصلوں سے بہت خوش نہیں ہیں۔ میں غلطی پر ہو سکتا ہوں، مگر اصل ضابطہ کی قرارداد پر آپ نے اپنی خاتمۂ بحث کی تقریر میں جو اشارے کئے اُن سے میں نے یہی اثر لیا۔ اس تقریر کے کسی قدر طویل شخصی اور خود احتسابی —— اگر یہ کہنا میرے لئے جائز ہو —— دیباچہ و تمہید نے مجھ پر یہ اثر ڈالا۔ کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس تجویز یا قرارداد پر آپ نے کچھ ترمیمیں پیش کی تھیں جن میں سے کچھ منظور ہوئیں اور کچھ مسترد کر دی گئیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں اُن لوگوں کو جو

ڈانٹ بتائی تھی جو اس جنگ میں دونوں فریقوں کو ایک ہی جیسا اور ایک ہی رُتبے کا سمجھتے ہیں اُس کا اسلوبِ تعبیر یقیناً بہت اچھا تھا۔

سچ پوچھیے، تو بات یہی ہے۔ قرار داد کا بنیادی تصور اور تخیل دونوں لڑنے والے فریقوں کے درمیان مکمّل غیر جانب داری ہے یہ تصور اور یہ تخیل دونوں کے درمیان قطعاً کوئی فرق نہیں کرتا۔ ترمیموں نے خواہ وہ کچھ ہی رہی ہوں، قرار داد میں مطلق کوئی فرق پیدا نہیں کیا۔ اس قرار داد سے جو جذبہ یا اسپرٹ ظاہر ہوتی ہے وہ اُن باتوں سے بہت دور ہے جو کرپس مشن کی ناکامی کے فوراً بعد ہی آپ نے پریس کانفرنس کے موقع پر اخبارات کے نمایندوں سے کی تھی۔ یہی بات ہم لوگوں کے لئے موجب اضطراب ہے، اور یہی بات اس نازک گھڑی میں ہر محبِ وطن کے لئے موجبِ اضطراب ہوگی۔

آپ خود بھی اپنی جگہ پر غیر مطمئن ہوں گے، مگر ہماری طرف مُڑ کر ہم سے یہ فرمائیں گے: "اچھا تو اور کیا ہی کیا جا سکتا تھا؟ تم لوگ ہماری قوم کے برطانیہ دشمن شدید جذبات کو نہیں سمجھتے"، نہیں، کامریڈ، ہم یقیناً سمجھتے ہیں قرار داد — آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی پوری کارروائی اس برطانیہ دشمن جذبے کو شدید تر بناتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ زیادہ شہنشاہیت دشمن، زیادہ آزادی دوست جذبہ اور زیادہ اعتمادِ نفس؟؟ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہوگا۔ وہ برطانیہ دشمن جذبہ جس کے ساتھ اندازِ فکر غیر جانب دارانہ ہو اور جس کے ساتھ غیر متشدّد ترکِ تعاون کا ایک باطنی تناسب بھی موجود ہو، جب دشمن اندرونِ ملک ہمارے گھروں میں گھس آئے گا تب یہی جذبۂ برطانیہ دشمنی، جاپان دوستی کے جذبات کا سرچشمہ بن جائے گا، ہزیمت خوردگی کے جذبات کو جنم دے گا اور اُن کو پروان چڑھائے گا۔

اس نازک اور پُرخطر گھڑی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ملک کی کوئی راہنمائی نہیں کی۔ اُس نے قوم کو امید اور اعتماد کا کوئی پیام نہیں دیا۔ اُس نے قوم کو کوئی راہِ عمل نہیں دکھائی۔ اُس نے سرِ دست قوم کے اندر برطانیہ دشمن جذبات کی حرارت بھر دی ہے۔ جب یہ حرارت ٹھنڈی پڑ جائے گی تب قوم

اس سے شدید تر ہزیمت خوردگی اور جاپان دوستی کے جذبات کے آغوش میں جا پڑے گی۔ مولانا نے اُن لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو چھپ چھپ کر حملہ آور کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ یہ احساس طبقۂ وسطیٰ کے پیروانِ کانگریس میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔ کانگریس کو اس وقت جو مقام حاصل ہے اُس کے ساتھ یہ احساس اور بڑھے گا اور قوم کے دلوں کو یقیناً گھن کی طرح کھا جائے گا اور حملہ آور کے خلاف اُن کے ہاتھوں کو کمزور کر دے گا۔۔۔۔ بہت نرم لفظوں میں اگر یہ حقیقت بیان کی جائے تو۔

ہم قومی حکومت حاصل نہیں کر پائے۔ ہمارے پاس اب تک اسلحہ نہیں ہیں کہ ہم قوم میں اس غرض سے تقسیم کر سکیں کہ وہ باعزّت لوگوں کی شان کے شایاں ایسا کوئی دفاع منظم کر سکے جو واقعی مؤثر اور نتیجہ خیز ہو۔ یہ صحیح ہے کہ برطانوی اس کے ذمّے دار ہیں۔ مگر اب قوم سے یہ کہہ دینا کہ "لو بھائیو بات ختم ہو گئی، اب نہ ہم قومی حکومت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اسلحہ، اب وقت نہیں ہے، اب سوا اس کے کہ ہم لوگ اپنا غیر متشدّدانہ "جوہر" کر ڈالیں دوسری کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے .... اس کو کم سے کم جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تباہ کُن ہزیمت خوردگی کی پوزیشن ہے۔ برطانویوں نے ہمیں قومی حکومت نہیں دی۔ انھوں نے ہمیں اسلحہ بھی نہیں دیئے...... اس لئے اب ہم اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ تم وہ ایک ہتھیار بھی ڈال دو جو تمہارے پاس رہ گیا ہے۔ برطانوی ہمیں اجازت نہ دیں گے کہ ہم اپنے ملک کا دفاع یا بچاؤ مؤثر طریقے پر کر سکیں۔ اس لئے اب انھیں مجبور کرنے کی کوششیں ترک کر دیں اور فیصلہ کر لیں کہ ہم اپنا "دفاع یا بچاؤ" زیادہ بے اثر طریقے پر کریں گے .... غیر جانب داری کی پوزیشن اختیار کر لینی، حملہ آور کے ساتھ غیر متشدّدانہ ترکِ تعاون، جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اور جہاں برطانوی فوج لڑ رہی ہے اُس علاقے میں کچھ حربی نقل و حرکت کرنے سے انکار کرنا وغیرہ یہی معنی رکھتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم پرائے شگن کے لئے اپنی ناک کاٹ رہے ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنا مافی الضمیر واضح طور پر بیان بھی کر پایا! جس

بات کی طرف میں توجہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا وہ یہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد نے جو پوزیشن اختیار کی ہے وہ اُس پوزیشن سے میلوں دُور ہے جو آپ نے اپنے صحافتی بیان میں اختیار کی تھی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں جو تقریریں ہوئیں اُن سے ایک پیشگی اندازہ ہمیں اس امر کا مل گیا کہ بیچ والی (صوبائی) کانگریسی قیادت اس قرارداد کی شرح قوم کے سامنے کیوں کر کرے گی۔ اُس اسپرٹ کی، جس میں اس قرارداد کی شرح کی جانے والی ہے، ایک مثال ایک مقرّر کا وہ جملہ تھا جس میں اُنھوں نے جاپان کو برطانوی حکومت کا دشمن بتایا تھا (ہمارا دشمن نہیں!)۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ کسی ایک منفرد ممبر کی لغزش نہیں ہے۔ یہ غیر جانب داری کی اسپرٹ ہے —— پورے زوروں کے ساتھ۔ بہت سے کانگریسی اس قرارداد کو اسی اسپرٹ میں سمجھیں گے اور دوسروں کو سمجھائیں گے۔ کیا یہ گروہ ہماری قوم کے دلوں کو قوی اور اُس کے بازوؤں کو توانا بنائے گا؟ نہیں، یہ تو ہزیمت خوردگی کے بیج بونے والا ہے۔ آپ اپنے دشمن سے اُس وقت تک مؤثر اور کارگر طریقے پر لڑ ہی نہیں سکتے جب تک کہ آپ اُس سے پورے طور پر نفرت کرنا نہ سیکھیں گے۔ یہی وہ بات ہے جو دو دن پہلے اسٹالن نے اپنی قوم سے یومِ مئی کے حکم میں کہی تھی۔

یہ سبق ہم اسٹالن سے، خاص کر کے اس موقع پر، سیکھ کر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جس چیز کی ہمیں آج سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ پورے ملک میں پروپگنڈے کی مہم ہے، ایسا پروپگنڈا جو جاپانی حملہ آوروں اور نازیوں کے خلاف دلوں میں نفرت کی اِک آگ سی بھڑکا دے، اور لوگوں کو بتائے کہ جاپانی اور نازی وہ لوگ ہیں جو ہمارے ملک پر قبضہ کر لینے کے منصوبے رکھتے ہیں، یہ وہ حملہ آور ہیں جو ہمیں غلام بنا لینے کے ارادے رکھتے ہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ اچھا یہ پروپگنڈا ہمیں کہاں لے جائے گا؟ یہ پروپگنڈا قوم کے اندر قومی دفاع کی روح پیدا کرے گا۔ یہ بہ یک وقت پی۔ وی۔ بی اور دوسری سرگرمیوں کے لئے ایک سمت متعین کر دے گا اور اُن میں زور اور اہمیّت پیدا کر دے گا۔ پی۔ وی۔ بی کے لئے آپ ہمارے ملک کے محبِّ وطن

بالغ مردوں کو پکار رہے ہیں۔ آپ ان کو شہری دفاع اور ہنگامی خدمات کے لئے منظم کر رہے اور تربیت دے رہے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر جاپانی دشمن اسپرٹ پھیلا دیجئے اور اُس چیز کا ایک عام شعور و احساس پیدا کر دیجئے جو اس جنگ میں واقعی خطرے میں آجائے گی اگر وہ ہماری سرزمین پر لڑی گئی —— اور یہی لوگ کل ہنگامی فوجی دستوں اور چھاپہ مار ٹولیوں کی بُنیاد بھی بنیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ برطانویوں کے علی الرّغم بھی ہماری قوم حملہ آوروں سے لڑنے کے لئے اسلحہ فراہم کرے گی۔ مگر آپ اُن کے دلوں کو جاپانی دشمن اسپرٹ سے مضبوط کر دیں۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح اہلِ چین نے ۱۹۳۷ء سے پہلے سالہا سال تک اپنی قوم کے دلوں کو مضبوط بنایا تھا۔ اپنی قوم کے دلوں کو غیر جانب داری کے جام پلا کر مسموم نہ کریں۔ ہمارے نوجوان پی۔ ڈی۔ بی میں موجود ہیں۔ مگر رجحان یہ ہے کہ اُن کو اس تنظیم سے نکال دیا جائے، صرف اس بنیاد پر کہ وہ جاپانی دشمن پروپگنڈا کرتے رہتے ہیں، صرف اس بُنیاد پر کہ وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ لڑائی ہماری ہے، ہمارے ملک کے دفاع اور ہماری آزادی کی لڑائی ہے۔ یہ قرارداد اس رجحان کو صرف تیز تر کر دے گی۔

دوسری سیاسی بحثوں کو جو اس اجلاس میں اُٹھی تھیں میں نے دانستہ اور قصداً ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ میرا قصد صرف یہ تھا کہ میں آپ کی توجہ قرارداد کے ایک پہلو کی جانب، جیسا کہ وہ ہمیں نظر آرہا ہے مبذول کراؤں۔ میں نے یہ قدم یہ سوچتے ہوئے اٹھایا کہ ممکن ہے میری یہ باتیں آپ کو معقول معلوم ہوں اور آپ اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کرنے کو بے سود نہ جانیں کہ اس قرارداد کے قرین قیاس بُرے نتائج کا مداوا کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا کانگریس اپنے اُن ممبروں کو اپنی تنظیم سے نکال دینے کا ارادہ رکھتی ہے جو از راہِ وطن دوستی جاپانیوں کے خلاف پروپگنڈا کریں گے، جو اُن عظیم تر مسائل کے بیان کرنے اور سمجھانے کے جتن کریں گے جو معرضِ خطر میں ہیں۔ کچھ کارکن، کسان اور طلبہ، غیر جانب داری اور ہزیمت خوردگی کی اسپرٹ کے خلاف سخت پروپگنڈا کرنے میں لگ جانے والے ہیں۔ کیا جو

کانگریسی ان لوگوں کے ساتھ کام کریں گے وہ کانگریس سے نکال دیئے جائیں گے۔ یہ ہیں وہ سوالات جو پیدا ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اس قرارداد کو احمقانہ غیر جانب داری کے معنی پہنانے سے روکا جائے۔ یہ قرارداد اُن لوگوں کے لیئے بیڑی نہ بن جانی چاہیئے جو، اہلِ چین کے بقول، قوم کو "روحانی" طور پر آمادۂ پیکار کرنے اور حملہ آور کا جلد ممکن الحصول ذرائع کے ساتھ ایک بھرپور قومی مقابلہ کرنے کے لیئے اکٹھا کرنے میں سرگرم ہیں۔

اختلافات خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک بات پر متفق ہونا ضروری ہے ــــ اور وہ ہے وطن دوستی، جاپانی دشمنی اور حملہ آور۔ دشمنی کے شعور و احساس سے قوم کو لبریز کر دینا، اُس کے اندر ہر قیمت پر مردانہ وار مقاومت کی روح کا بے دار کر دینا۔ ہماری قوم کے لوگ جو اسلحہ بھی اُنھیں میسر آجائیں گے اُن کے ساتھ وہ اپنے ہنگامی مقابلے کو برطانوی فوج کے ساتھ مربوط و منظم کرکے حملہ آوروں سے لڑیں گے۔ وہ اپنے اس طرزِ مقاومت سے اپنی قومی "شان" کو پست نہ کریں گے بلکہ لاکھوں گنا بڑھا دیں گے۔ اگر حالات یہی رہے جو اس وقت ہیں تو چند ہی مقامات پر اس قسم کا مقابلہ ہوگا اور چند ہی دستے میدان میں آئیں گے؛ مگر ان مُٹھی بھر نوجوانوں کی شاندار شہادت ہمارے نہتّے اور غیر مسلّح ہونے کا داغ جس کے لیئے ہم ایک زمانے تک رو پیٹ چکے ہیں، دھو ڈالنے میں بہت کچھ کر دکھائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کمیونسٹوں کی بھرتی کرانے اور اُس جنگی جدوجہد سے تعاون کرنے کی باتیں پسند نہ کریں جو حملہ آوروں کو ضرر پہنچاتی اور اپنی قوم کا تحفظ کرتی ہیں مگر یاد رکھئے کہ یہ کمیونسٹوں کی دہکتی ہوئی وطن دوستی ہے جو اُنھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ برطانیہ دشمنی کے بلند بانگ دعوے اور اُن کے ساتھ غیر جانبداری کا ڈھول پیٹنا، ان باتوں سے عوام کے اندر ہزیمت خوردگی کی اسپرٹ برابر بڑھتی جائے گی۔ یہ وہ زمین نہیں ہے جس میں آپ ہماری مادرِ وطن کے وطن پرست مُدافعین کی فصل کی کاشت کر سکیں۔ یہ وہ زمین ہے جس میں دشمن ــــ نیا شہنشاہیت پرست غلام بنانے والا اپنی گھناؤنی فصل کی

کاشت کرے گا۔

اسی لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس بات کا دھیان رکھئے کہ اس قرارداد سے فاشست دوست عناصر فائدہ نہ اُٹھانے پائیں بلکہ اس کی شرح و تعبیر اور اس پر عمل آپ کی صحافتی ملاقات کی اسپرٹ میں اور آپ کے اُس بیان کی روشنی میں ہو جو آپ نے چھاپہ ماردستوں اور "جھلسی ہوئی زمین" سے متعلق دیا تھا۔

آپ مجھے اس کسی قدر طویل اور غیر مربوط سا خط لکھنے پر معاف فرمادیں گے۔ یہ ایک محبِ وطن کی مخلصانہ اپیل ہے اُس شخص سے جو ہماری عظیم الشّان قومی تنظیم میں ایک بے نظیر پوزیشن رکھتا ہے اور جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد کے قرین قیاس تباہی اور نتائج کی اصلاح و مداوا کرنے میں بہت کچھ کرسکتا ہے۔

آپ کا برادرانہ

جی۔ ادھیکاری

جی۔ادھیکاری ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک سربرآوردہ ممبر تھے۔

۳۴۲۔ از ابوالکلام آزاد

کلکتہ

۱۳ر مئی ۱۹۴۲ء

عزیزی جواہر لعل

دہلی سے جو تار تم نے مجھے دیا۔ اور جو خط مجھے لکھا اُس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ازراہِ کرم اس بات کو نوٹ کرلو کہ میں نے "میں شکریہ ادا کرتا ہوں" کہا ہے۔ محض "شکریئے" نہیں کہا ہے۔ اور اس طرح میں نے ان دونوں اسالیب بیان کے درمیان اُس نازک سے فرق کو ملحوظ رکھا ہے جو تم نے مجھے دہلی میں سمجھایا تھا۔

مجھے ایک خط قدوائی کا موصول ہوا ہے اور پابیوال نے بھی مجھے تار دیا ہے۔ بچوں کے انخلا کے سلسلے میں اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ حکومتِ بنگال سے

میں تفصیلات طے کر رہا ہوں۔ جیسے ہی یہ لوگ کسی متعین نقطہ پر آجائیں گے میں یوپی کے دوستوں کو مطلع کر دوں گا۔

مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ قدوائی دفاعِ ہند ایکٹ کے ماتحت کل یک بہ یک گرفتار کر لئے گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں انھوں نے کون سا ایسا کام انجام دیا ہے کہ حکومتِ یو۔ پی کے لئے وہ از سرِ نو ایک خطرناک آدمی ہو گئے ہیں۔

میں نے اپنے پچھلے خط میں تمھیں لکھا تھا کہ میں بمبئی جا رہا ہوں۔ مگر بنگال کے معاملات کچھ اس طرح مجھ سے چمٹ گئے ہیں کہ مجھے اپنا بمبئی جانا ملتوی کرنا پڑا۔ چٹگام پر ہوائی حملے نے یہاں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ چند ہی دنوں میں کلکتہ پر بھی حملہ ہوگا۔ مزید برآں بنگال کی ساحلی آبادیوں سے متعلق یک بہ یک کچھ نئے اور دشوار مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر میں خود کو باہر جانے پر تیار نہیں کر سکا۔

مجھے یہ دیکھ کر اذیت ہو رہی ہے کہ افتخار راہ سے بھٹک رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ تم نے ان کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش بھی کی یا نہیں اور اگر کی تو کیا نتیجہ نکلا۔

تم کولو میں جتنے زیادہ دن ٹھیرو گے مجھے اتنی ہی زیادہ مسرت ہوگی۔ الٰہ آباد میں تمھیں پژمردہ اور دل گرفتہ سا دیکھ کر مجھے بڑی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اب یہ بات مان لینی چاہئے کہ تم پچاس سال پورے کر کے آگے بڑھ رہے ہو اور تمھیں اپنی صحت کا کسی قدر زیادہ فکر رکھنا چاہئے۔

تمھارا مخلص

اے۔ کے۔ آزاد

۳۴۴۔ از کلیر۔ بوتھ لوسی

گرین وچ، کنیکٹیکٹ ۴؍ جون ۱۹۴۲ء

پیارے جواہر لعل نہرو

مجھے ایک قصہ اب تک یاد ہے جو مجھ سے میرے ایک ایسے دوست نے

بیان کیا جو پہلی عالمگیر جنگ میں ایک سفیر تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ صلح نامۂ وارسلیز کے چند سال بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دن وہ شام کا کھانا پیڈر ویسکی کے ساتھ کھا رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں وہ پیڈر ویسکی سے پوچھ بیٹھے کہ "جناب یہ تو بتائیں کہ اُن بہت سی علاقائی بے انصافیوں کے پیش نظر، جو یورپ کی اعتبار و اعتماد کرنے والی قوموں کے ساتھ تیلی دھاریوں کی پتلونوں والے شریف حضرات نے روا رکھیں جنھوں نے نگار خلنے میں بیٹھ کر یورپ کے حصے بخرے کر ڈالے، یہ واقعی ایک حیرت انگیز سی بات ہے کہ ان تمام اقوام میں سے صرف ایک پولینڈ ہی اتنا بڑا، آزاد اور شاندار نکلا۔ دورانِ جنگ میں جو دن آپ نے واشنگٹن میں گزارے اُن میں آخر آپ نے کس منطق سے مسٹر ولسن کو نظریۂ رجوع پسندی پر مبنی پولینڈ کی ضرورت کا اطمینان دلایا؟ اس بڑے پوستانی نے (بقول میرے سفیر دوست کے) جواب دیا: "اوہ، اگرچہ میں وہائٹ ہاؤس بہت سے موقعوں پر گیا مگر میں نے مسٹر ولسن سے سیاسیات پر بات چیت شاذ و نادر ہی کی۔ حقیقت میں میں وہائٹ ہاؤس اس لئے جایا کرتا تھا کہ مسٹر ولسن کو میرا پیانو بجانا بہت پسند تھا۔"

یہ قصہ بلاشبہ غیر معتبر ہے...... مگر پھر میں یہ قصہ بیان کیوں کر رہا ہوں؟ اس لئے کہ جیسے اب ویسے ہی اُس وقت اور جیسے اُس وقت ویسے ہی اب۔ واشنگٹن اور وہائٹ ہاؤس قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرتے رہتے ہیں۔ (اس بات کو ہمیشہ تسلیم کرتے ہوئے کہ "جیت" ہماری ہوا کرتی ہے۔ میں اور کسی بات کو باور کر ہی نہیں سکتا)، اور اُس وقت کی طرح اب بھی، بڑی شخصیتوں کی پُراسرار ٹکر ایسی چنگاریاں سُلگا دیتی ہے جو قوموں کے لئے اُن کی آزادی کی راہوں کو روشن کریں گی یا ایسی آگ لگا دیں گی جو سو سال تک بھڑکتی رہ سکتی ہے۔

اگر آپ کو یہاں تشریف لے آنے کا مناسب موقع مل جائے ——— تو، شاید، آپ کو انکار نہ کرنا چاہیے۔ میرا ایمان ہے کہ ہندوستان، انگلستان اور

امریکا میں کئی آدمی ایسے ہیں جن کو اگر کبھی کسی ایک کمرے میں جمع کر دیا جائے تو وہ ہندوستان کے مسئلے کے ایسے صحیح یا قریب قریب صحیح حل ڈھونڈھ نکالیں گے۔ جو آپ کے لئے، برطانیۂ عظمیٰ کے لئے، اور خود ہم لوگوں کے لئے سالہائے آئندہ میں شائستہ اور سلیقے کی زندگی بسر کرنے کے دھندے کو "نبھانا" آسان تر بنا دیں گے۔ ایسے آدمیوں میں بغیر کسی شائبۂ شک کے دو آدمی، پنڈت نہرو اور صدر روزولٹ، ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ دونوں صاحبان باہم ایک دوسرے کو پسند کریں گے یا نہیں۔ پسند کرنے کے لئے ضرورت جاننے کی ہے۔ مگر آپ دونوں صاحبان باہم ایسی زبان میں باتیں کر سکیں گے جو اُنیسویں صدی کی زبان نہ ہوگی۔ ہمارے صدر نے فہم و تمیز کی سنگین غلطیاں اکثر کی ہیں (یہ بات میں یہ جان کر کہہ رہا ہوں کہ میرا یہ کہنا کیسی گستاخی اور بے باکی معلوم ہو رہی ہے) مگر وہ ہمیشہ اور برابر صحیح راستے پر رہے ہیں۔ اگر بعض اوقات انھوں نے اس راستے پر چلتے ہوئے کوئی غلطی کی ہے تو یہ غلطی بھی اُن سے سیدھی راہ پر ہوئی ہے اور یہ وہ بات ہے جو بہر صورت اہم ہے! میرا عقیدہ ہے کہ آپ دونوں صاحبان یقیناً ایک دوسرے کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گے ـــــ اور جو بات لازمی طور پر ضروری ہے۔ آپ دونوں کے دماغ بنیادی مسائل پر ہم خیال ہوں گے۔ مگر اتنا بہت ہے ـــــ آپ اُس وقت تک نہ آئیں گے جب تک کہ آنا آپ کو مقتضائے عقل نظر نہ آئے گا، خواہ کوئی کچھ ہی کہے، اور آنا آپ کو دانشمندانہ نظر نہ آئے گا جب تک کہ اُن کو بھی آپ کا آنا دانشمندانہ نظر نہ آئے گا۔

ہندوستان سے آئی ہوئی آج صبح کی ہفتہ کی خبریں اچھی ہیں؟ میری مراد اُس جنگی سامان سے ہے جو پہنچ رہا ہے۔ اگرچہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان تمام باتوں کے معنی کیا ہو سکتے ہیں اور نہ یہ سمجھ سکتا ہوں کہ جو پوزیشن جاپانیوں کی چٹگام میں ہے وہ اندرونِ ہند اور بیرونِ ہند کے معاملات میں کس بات کی پیشین گوئی کرتی ہے۔

آپ بخیر رہیں۔ بے مانگی صلاح اور تجویزوں کے ساتھ آپ کے اوقات میں مخل ہونے پر مجھے معاف فرما دیں گے۔ میری بے قراری پھر بڑھ رہی ہے۔

میں آسٹریلیا جانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ تسلیمات۔

کلیر بوسے

۲۴۵۔ از ایس۔ ایچ۔ شن

نئی دہلی

۱۶ر جون ۱۹۴۲ء

پیارے پنڈت نہرو

ڈاکٹر مینن کی معرفت مجھے آپ کا ۱۴ر جون کا لکھا ہوا خط مع اُس خط کے مل گیا جو مہاتما گاندھی نے سپہ سالارِ اعظم کے نام، اُن کی خدمت میں پہنچا دینے کے لئے، لکھا تھا۔

میں نے اس خط کے سپہ سالارِ اعظم تک اور آپ کا خط مادام چیانگ تک پہنچا دینے کا کام جنرل لوتسوین، سپہ سالارِ چینی اکسپیڈیشنری فوج متعینہ برما، کے سپرد کر دیا ہے۔ جو کل نئی دہلی سے سپہ سالارِ اعظم سے ایک ملاقات کی غرض سے چنگنگ جانے والے ہیں۔ مزید برآں، میں نے پیغام خفیہ تحریر میں بھی بھیج دیا ہے۔ اس تار کے سپہ سالارِ اعظم تک پہنچ جانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔

اس اثنا میں میں نے مہاتما گاندھی کے خط کے مضمون کو سمجھنے کی جرأت کی ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو کوئی بھی اس خط کو کھلے دل سے اور غیر جانب دار ہو کر پڑھے گا وہ یا تو مہاتما جی کے ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کئے ہوئے فوری حقِ آزادی و استقلال کو یقین کے ساتھ تسلیم کر کے رہے گا اور یا اُن کے اس نیک نیت فیصلے کو پورے طور پر سمجھ کر رہے گا کہ وہ ہر ایسے اقدام سے کنارہ کش رہیں گے جو چین کے حق میں نقصان رساں ثابت ہو سکتا ہو یا جو ہندوستان پر یا چین پر جاپانیوں کے جارحانہ حملے کی کسی طریقے پر جرأت افزائی کر سکتا ہو۔ جو تحریک آپ کے ذہن میں ہے اگر وہ دیانت داری اور ایمان داری کے ساتھ چلائی گئی تو وہ پوری چینی قوم کی ہمدردی اور اخلاقی مدد حاصل کئے بغیر نہ رہے گی اور میں پُرخلوص اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اُس کامیابی سے ہم کنار ہو کر رہے گی۔ جس کی وہ مستحق ہے اور اُس چیز کو حاصل کر کے رہے گی جو بجا طور پر اور بغیر کسی

قیل وقال کے آپ کا حق ہے ـــــ ہندوستان کی آزادی اور استقلال۔

میں آپ کی دوسری بار نئی دہلی تشریف آوری کے دن کا انتظار کر رہا ہوں جب میں ان معرکتہ الآراء اور مہتم بالشان ایام کے بہت سے اہم مسائل پر روشنی حاصل کرنے کی مسرت سے بہرہ ور ہو سکوں گا۔

آپ کا مخلص

ایس۔ ایچ۔ شن

پنڈت جواہر لعل نہرو

بمبئی

۳۴۶۔ بنام لامپٹن بیری

۲۳ جون ۱۹۴۲ء

پیارے مسٹر بیری

آپ کے خط مورخہ ۲۰ جون کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اپنے ساتھ کرنل جانسن کا وہ پیغام لایا جس کو میں نے خوش آمدید کہا۔ میں نے مسٹر ولز کی تقریر بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھی۔ مجھے یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ کرنل جانسن اب پورے طور پر رو بصحت ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی چاق و چوبند اور صحت مند ہو جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے مخلصانہ احترامات اُن کو پہنچا دیں گے اور اُن سے کہہ دیں گے کہ میں اکثر اُن کو یاد کیا کرتا ہوں۔

میں اس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کے بعض حال کے بیانات امریکہ میں غلط سمجھے گئے۔ شاید اُن کے بعد کے بیانات اس غلط فہمی کو دور کر دینے میں مددگار ثابت ہوئے۔ ایک بات یقینی ہے: مسٹر گاندھی چاہتے ہیں کہ ہندوستان پر جاپانیوں کا حملہ اور قبضہ روک دینے پر اپنی پوری امکانی قوت صرف کر دیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ملک کے باشندوں کو جاپانیوں کا مقابلہ کرنے اور اُن کے آگے نہ جھکنے پر پورے طور پر آمادہ و مستعد کر دیں۔ اُن کو اس واقعے سے صدمہ پہنچا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی پالیسی بالکل اُلٹے نتائج پیدا کر رہی ہے اور ملک کے باشندوں کو جاپانیوں کا مقابلہ کرنے اور ان کے آگے

جھکنے پر پورے طور پر آمادہ و مستعد کر دیں۔ اُن کو اس واقعہ سے صدمہ پہنچا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی پالیسی بالکل اُلٹے نتائج پیدا کر رہی ہے اور ملک کے باشندوں کو اس درجہ اپنا مخالف بنا رہی ہے کہ لوگ اپنے اندر ایک ایسی دماغی کیفیت کو نشوونما دینے لگے ہیں جو معاملات کی موجودہ صورت پر کسی تبدیلی کو بھی ترجیح دے گی، خواہ وہ کتنی ہی بُری ہو۔ یہ ایک خطرناک اور مضرت رساں رجحان ہے جس سے وہ لڑنا چاہتے ہیں۔

برما اور ملایا کے بعد ہندوستان میں بھی یہ عقیدہ اب عام ہے کہ جہاں تک ہندوستان میں برطانوی حکومت کا تعلق ہے جاپانی حملے کے روکنے کا نہ تو وہ کوئی سنجیدہ ارادہ رکھتی ہے اور نہ اُس میں اس کی قوت و استعداد پائی جاتی ہے، بنگال میں علی الخصوص۔ یہاں کے حکامِ اعلیٰ نے جو خفیہ گشتی چٹھیاں اپنے افسروں کو بھیجی ہیں اُن میں انخلاء کے طریقے بہ تفصیل بتا دیئے گئے ہیں اور سمجھا دیا گیا ہے کہ اونچے طبقے کے افسروں کو اپنا کام اپنے ماتحت افسروں کی سپردگی میں دے کر کیوں کر وہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔ ان ماتحت افسروں سے یہاں تک کہہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے معمولی منصبی فرائض دشمن کے احکام کے ماتحت انجام دیتے رہیں اس لئے کہ ظاہراً یہی طرزِ عمل بین الاقوامی قوانین کے مطابق ہے۔ ایسے احکام مزاحمت اور مقابلے کی ہمت افزائی نہیں کرتے۔ یہ لازمی طور پر ہزیمت خوردگی کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ اب سے تقریباً دو ماہ پیشتر حکومتِ مدراس نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ بھی عجیب و غریب تھا۔ ایک امکانی حملے کی افواہ سُن کر (جو بعد کو غلط ثابت ہوئی) یہ لوگ بھاگ نکلے۔

اگر آگے چل کر کسی مرحلے پر مصمم اور مضبوط مقابلے کا ارادہ ہو بھی، تب بھی بنگال کے نکل جانے کا تنہا واقعہ بے واسطہ طور پر پورے ہندوستان پر اثر انداز ہوگا۔ یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ بہت سے دیہی حلقوں میں جو کسی فوجی اجتماع سے دور واقع ہیں، شہری اور مدنی انتظامات بہ تدریج درہم و برہم ہو جائیں۔ یہ صورت فوجی صورتِ حال کو ناگزیر طور پر متاثر اور کمزور بھی کر دے گی۔

میں نہیں جانتا کہ امریکی طیاروں اور دوسری قسم کی امداد و اعانت سے

صورتِ حال کچھ بدلی یا نہیں۔ مگر بنیادی طور پر، اب سے دو ماہ پیشتر جو صورت تھی اُس سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہو سکتی۔ کوئی ہندوستانی اس فضا کو سکونِ قلب اور اطمینان کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک کے اہم حصّوں پر جاپانیوں کا قبضہ ہو جائے اور بہت سے دوسرے حصّوں میں روز افزوں ابتری پھیل جائے۔ اور ہم اب بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کو روکا جا سکتا ہے۔ خالص عسکری معنوں میں تو مستقبل قریب میں ہم کچھ زیادہ نہیں کر سکتے اور ہندوستان میں فوجی کارروائیوں کا انحصار یقیناً اُن افواجِ متحدّہ پر ہوگا جو ہندوستان میں متعیّن ہیں۔ مگر ہندوستان کی آزادی کا تسلیم کر لیا جانا اور ایک قومی حکومت کا بن جانا فضا میں برقی لہریں دوڑا دے گا اور دُنیا میں بڑا فرق پیدا کر دے گا اگر بدقسمتی سے جاپانی ملک کے بعض حصّوں پر قابض ہو بھی گئے تو باقی حصّے درہم و برہم ہونے کے بجائے چین والوں کی طرح جارحانہ یورشیں جاری رکھیں گے۔ ایک بے جان سی رضا و تسلیم کی جگہ عملی مخالفت اور مقاومت لے لے گی۔

اس لیے آج اتحادی فوجوں سے تعاون و اشتراکِ عمل کے ساتھ ہندوستان کے دفاع نیز چین کی مدد کے لئے ہندوستان کی آزادی نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے مسئلے پر آج کے مسئلے کے اس سیاق و سباق میں غور کرنا پڑے گا۔

ہم میں سے اُن لوگوں کے لئے جن کو تھوڑی سی بھی ذمّے داری اپنے کندھوں پر لینی ہے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ بہ حیثیت منفرد اشخاص کے اپنے فرائض انجام دیں اگرچہ یہ بھی کرنا پڑے گا۔ ہمیں دوسروں سے بھی کام لینا اور عموماً رائے عامّہ پر صحیح سمت میں اثر ڈلوانا پڑے گا۔ میں اس کام کے انجام دینے کی کوشش کر تا رہا ہوں۔ میں کسی حالت میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ ہندوستان کسی جارحانہ حملے سے دب جائے اور اُس کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے حملے کا برابر عملاً مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اگر مقابلہ اور مزاحمت کو کچھ بھی مؤثر اور نتیجہ خیز ہونا ہے تو پھر ہندوستان میں برطانوی حکومت کو ایک آزاد قومی حکومت کے لئے یقیناً جگہ خالی کر دینی چاہیئے۔ اس تبدیلی سے فوجوں کی تقسیم یا دفاع کے

انتظامات میں کوئی مداخلت نہ ہو گی۔

میں نے پچھلی بار جو خط آپ کو لکھا تھا اُس میں کہا تھا کہ مسٹر گاندھی نے جو خط سپہ سالارِ اعظم کو لکھا ہے وہ ۲۱ جون کو ہری جن میں شائع ہو جائے گا۔ تقریباً اخیر لمحے میں ہمیں ایک پیغام ملا کہ سپہ سالارِ اعظم اس خط کی اشاعت کا ملتوی کر دیا جانا پسند کریں گے۔ ہم نے کسی طرح اس کا انتظام تو کر لیا مگر ہمیں دس ہزار پرچے تلف کرنے پڑے۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

مسٹر لامپٹن بیری

دفتر شخصی نمایندۂ صدر ممالک متحدہ امریکہ

نئی دہلی

۲۴۷۔ از ایس۔ ایچ۔ شین

نئی دہلی

۲۵ جون ۱۹۴۲ء

پیارے پنڈت نہرو

مسٹر رگھو نندن سرن لکھنؤ جانے کے لئے پا بہ رکاب ہیں۔ اُن کے اس سفرِ لکھنؤ سے میں یہ فائدہ اُٹھا رہا ہوں کہ آپ کے خط مورخہ ۲۲ جون کا یہ جواب میں آپ کو انہی کے ہاتھوں بھیج رہا ہوں۔

اگرچہ جیسا کہ میں اپنے اُس خط میں لکھ چکا ہوں جو آپ کو ڈاکٹر مینن کے ہاتھ بھیجا گیا، میں آپ کے دوسری بار دہلی تشریف لانے کے دن کا منتظر ہوں جب مجھے اس وقت کے بہت سے نہایت ہی اہم مسائل پر آپ سے روشنی ملنے کی مسرت حاصل ہو گی، تاہم میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا کہ ایسے وقت میں آپ کو دہلی آنے کی زحمت دوں جب کہ اُن اہم جلسوں سے آپ کی غیر حاضری کی گنجایش مشکل ہی سے نکل سکتی ہے جو دوسرے مقامات پر منعقد ہو رہے ہیں۔ آپ کو ایسی دعوت دینی انتہائی خلافِ مصلحت اور نا عاقبت اندیشانہ حرکت ہو گی

اور اس بنا پر میں اُس پیغام کو جو مسز نہرو نے آپ کو پہنچایا کسی غلط فہمی ہی کا نتیجہ قرار دے سکتا ہوں آیندہ اس قسم کی غلط فہمیوں سے بچنے کے لئے مجھے جو اطلاع بھی آپ کو بھیجنی ہوگی اُسے اپنے دستخطی ذاتی خطوط تک محدود رکھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس انتظام کو پسند کریں گے۔

سپہ سالارِ اعظم کے نام مہاتما گاندھی کے خط کی عدم اشاعت کے سبب آپ کو جو زحمت اُٹھانی پڑی اور ہری جن کی اشاعت میں جو تاخیر ہوئی اُس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ اپنی طرف سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس خط کا مضمون تار کے ذریعے سپہ سالارِ اعظم کو بھیج دینے میں ایک لمحہ ضائع نہیں کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اس خط کی اشاعت کے التواء کی درخواست روانہ کر دینے میں اسی مستعدی اور عجلت سے کام لیا۔ بہر صورت، اب کہ اس خط کی اشاعت ملتوی کی جا چکی ہے، میں آپ کی اُن قیمتی خدمات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے سپہ سالارِ اعظم کی درخواست کی تعمیل کرا دینے کے سلسلے میں انجام دیں۔ مجھے یقین ہے کہ خود سپہ سالارِ اعظم بھی آپ کی اِس اعانت کی قدر کریں گے۔

واردھا میں کانگریس کی مجلسِ عاملہ کی جو نشست عن قریب ہونے والی ہے اس میں آپ کی نمایاں کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اگر وقت مل جائے تو اس نہایت ہی اہم نشست کے مہتم بالشان فیصلوں کی نسبت چند سطریں بھیج کر مجھے مسرور فرمائیں گے۔

آپ کا مخلص

ایس۔ ایچ نیین

پنڈت جواہر لعل نہرو

لکھنؤ

۳۴۸۔ از مادام چیانگ کائی شک

صدر دفتر سپہ سالارِ اعظم چین

چنگنگ، سنرے چوان

۲۶ر جون ۱۹۴۲ء

یہ خط آپ کی مخصوص اطلاع کے لئے لکھا جارہا ہے

خط نمبر ۸

پیارے مسٹر نہرو

آپ کا خط نمبر ۹ جس کا واقعی نمبر ۱ ہے موصول ہوا مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بیشتر آپ کو نہیں لکھ سکی۔ مگر اہم اور حل طلب مسائل نے جو فوری توجہ کے طالب ہوا کرتے ہیں میرا دماغ قریب قریب مختل کر دیا ہے اور یہ سب کچھ، مزید برآں، ایسے وقت ہو رہا ہے جب میں صحت و تندرستی سے کوسوں دور ہوں۔ میں کچھ دنوں کے لئے سپہ سالارِ اعظم کے ہمراہ چنگٹو چلی گئی تھی، چنگنگ میں نہیں تھی۔ اب واپس آئی ہوں۔ اپنے تمام مسائل اور اپنی علالت کے باوجود میں نے آپ کو اور ہندوستان کو ہمیشہ یاد رکھا۔

سپہ سالارِ اعظم کو جب گاندھی کا خط موصول ہوا تو انھوں نے اُسی وقت واشنگٹن تار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ امریکا اور چین متفقہ اقدام کریں سپہ سالارِ اعظم اب گاندھی کے خط کا جواب لکھ رہے ہیں مگر مجھ سے وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ذہن نشین کر دوں کہ جب تک کہ اُس گفت و شنید کا نتیجہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے جو وہ واشنگٹن سے کر رہے ہیں تب تک مطلقاً کچھ نہ کیا جانا چاہیئے۔ یعنی جب تک کہ سپہ سالارِ اعظم کا کوئی صاف اور قطعی پیغام موصول نہ ہو جائے گاندھی یا کانگریس کی طرف سے مطلقاً کسی تحریک کی ابتدا کرنا نہایت نامناسب ہوگا۔

یہ پیغام وہ اس وقت نہیں بھیج سکتے۔ مگر جوں ہی کوئی صاف اور قطعی اطلاع اُن کو مل جائے گی وہ آپ کو مطلع کر دیں گے۔ کوئی تحریک جب ایک بار شروع کر دی جاتی ہے تو پھر اُس کا بند کر دیا جانا بغیر نہایت ہی مصیبت خیز نتائج و عواقب کے ممکن نہیں ہوا کرتا۔ سپہ سالارِ اعظم ہندوستان کی طرف وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو اُن کے امکان میں ہے۔ چین سے واشنگٹن کو اور واشنگٹن سے چین کو تاروں کا ایک سلسلہ قائم ہے اور اس وقت واشنگٹن میں مسٹر چرچل کی موجودگی سے ممکن ہے کہ ہم فائدہ اُٹھائیں۔

اس اثنا میں آپ یقین رکھیں کہ سپہ سالارِ اعظم اور میں، دونوں بہ تہِ دل آرزومند ہیں کہ ہندوستان کے لئے ہم سے جو کچھ بھی بن آئے کر گزریں اور اگر کوئی نتیجہ حسبِ دل خواہ ممکن نظر آیا تو ہماری طرف سے سعی و کوشش میں کوئی کمی یا کوتاہی اُسے تاخیر میں نہ ڈالے گی۔

تمام اچھی سے اچھی تمناؤں کے ساتھ
آپ کی مخلص
مے لنگ سونگ چیانگ

ضمیمہ: میں جانتی ہوں کہ آپ نے گاندھی جی پر کتنا زور ڈالا ہوگا اور تب کہیں جاکر وہ اپنے آپ کو اُس حد تک پابند کر لینے پر آمادہ ہوئے ہوں گے جس حد تک وہ اپنی تحریر میں پابند نظر آتے ہیں اس لئے کہ، اگر آپ بھول نہ گئے ہوں تو آپ کو یاد ہوگا، پچھلی بار جب ہم اُن سے "کلکتے" میں ملے تھے تو اُن کا خیال اور اُن کا انداز سر تا پا عدمِ تشدد اور عدمِ تعاون کا تھا۔ اور اب اُن کا یہ فرمانا کہ وہ ہندوستان کے لئے جاپان کے حملے کا مقابلہ کرنا پسند کرتے ہیں واقعی آگے کو ایک بڑا قدم ہے۔

میں نہیں جانتی کہ میں اب امریکہ کب تک جا سکوں گی۔ یہاں کے معاملات میری توجہ کے طالب ہیں، علاوہ بریں اپنے معدے کے اس ریاحی پرانے پھوڑے کی موجودگی میں جو رہ رہ کر برابر اُبھرتا رہتا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں گرمی برداشت کر سکوں گی۔ کون جانتا ہے کہ اس موسمِ بہار کے آتے آتے موجودہ ہوائی راستہ بند ہو چکا ہو ـــــ جیسا کہ اُس کے بند ہو جانے کا یقین ہے اگر تبروک کے بعد مصر بھی چلا گیا۔ اس صورت میں میں سمجھتی ہوں کہ مجھے روس ہو کر جانا پڑے گا۔ مگر آپ جانتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے، کہ اگر میرے امکان میں ہوا تو میں براہِ ہندوستان جانا پسند کروں گی تاکہ میں آپ کی بھی ایک جھلک دیکھ لوں۔

تمام بہترین تمنائیں
بہ عجلت
ایم۔ایس۔سی

پنڈت جواہر لعل نہرو
ہندوستان

۳۴۹۔ از ایس۔ ایچ۔ شن

نئی دہلی

۸ر جولائی ۱۹۴۲ء

پیارے پنڈت نہرو

مجھے ذیل کا تار (چینی زبان میں) سپہ سالارِ اعظم کی طرف سے موصول ہوا ہے:

ازراہِ کرم پنڈت نہرو کی معرفت مہاتما گاندھی کو مطلع کر دیجئے کہ لارڈ ہیلی فیکس نے جو اب انگلستان میں چھٹیوں پر ہیں، ممالکِ متحدہ امریکہ سے روانہ ہونے سے پہلے میرے نمایندہ کو واشنگٹن میں مطلع کر دیا تھا کہ مسئلۂ ہندوستان کے حل کے لیے وہ اپنی حکومت کے سامنے ٹھوس تجویزیں رکھیں گے اور ان تجویزوں کا جو نتیجہ ہوگا اس سے میرے نمایندہ کو مطلع رکھیں گے۔ ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے کہ حال کی اُن شکستوں کے پیشِ نظر جو اقوامِ متحدہ کو لیبیا میں اُٹھانا پڑی ہیں، کانگریس کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صبر و تحمّل سے کام لے اور کسی سخت اقدام سے پرہیز کرے اور کسی ایسی فوجی جدّ و جہد میں رُکاوٹیں ڈالنے سے اپنی علیحدگی ثابت کر دے جو اقوامِ متحدہ کے مشترک مقصد کے لئے کی جا رہی ہو تاکہ ان قوموں کی ہمدردی ہندوستان کے ساتھ زیادہ ہو اور ہندوستان کے مسئلے کے حل میں سہولت پیدا ہو۔

چیانگ کائی۔ شک

کیا آپ ازراہِ کرم سطورِ بالا میرے احترامات کے ساتھ مہاتما گاندھی کے سامنے پیش فرما دیں گے جن کی خدمت میں حاضری کی عزت میں نے نومبر ۱۹۴۰ء میں حاصل کی تھی۔

اس موقع پر میں آپ کی موجودہ میٹنگ میں آپ کی کامیابی کی تمنا

کرتا ہوں ۔

آپ کا مخلص
ایس ۔ ایچ ۔ شین

پنڈت جواہر لعل نہرو
واردھا

۳۵۰ ۔ از لامپٹن بیری
دفتر شخصی نمایندۂ صدر ممالک متحدہ امریکہ
نئی دہلی
۴ ر اگست ۱۹۴۲ء

پیارے پنڈت نہرو
میں آپ کو ہوائی ڈاک سے آیا ہوا کرنل جانسن کا ایک خط بہ عجلت بھیج رہا ہوں جو ابھی ابھی مجھے محفوظ و معتبر ہاتھوں سے ملا ہے۔
مجھے امید ہے کہ میرا یہ پیغام آپ کو پہنچ گیا ہے کہ امریکی پریس کے وہ تمام تبصرے جو میرے پاس ہیں مقامی پریس میں پہلے ہی شایع ہو چکے ہیں ۔ جہاں تک میں تحقیق کر پایا ہوں جو امریکی تبصرے یہاں شایع ہوئے ہیں وہ امریکی پریس کے متفقہ ردِّ عمل کے ترجمان ہیں ۔
مجھے امید ہے کہ وقت کے آخری لمحے میں کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی جو کسی ایسی تحریک کی ابتدا کرنے سے احتراز کرنا ممکن بنا دے گی جس کے غیر ضروری ہو جانے کی خواہش ، مجھے یقین ہے ، آپ کے دل میں بھی موجود ہے۔

آپ کا مخلص
لامپٹن بیری

پنڈت جواہر لعل نہرو
بمبئی

ضمیمہ : اس خط کا حامل اُس کے مضمون سے واقف نہیں ہے۔

۳۵۱- از کلیر بوتھ لوسے

(یہ خط ابتدا میں مسٹر وینڈل وِلکی کے حوالے کیا گیا تھا۔ میں اُس وقت قلعۂ احمد آباد کے جیل میں تھا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد یہ خط مجھے دوبارہ ذیل کے نوٹ کے ساتھ بھیجا گیا:

۲ر نومبر ۱۹۴۲ء۔ یہ خط دُنیا کا ایک چکّر پہلے ہی کاٹ چکا ہے۔ اس لئے کہ مسز لوسے نے یہ خط مسٹر وِلکی کو اُس وقت دیا تھا جب مؤخرالذکر امریکا سے روانہ ہوئے تھے۔ اب یہ خط ازراہِ اخلاق مسٹر کو، آپ کو پہنچا دینے کی غرض سے لے جا رہے ہیں۔")

گرین وچ، کنکٹیکٹ
۲۵ اگست ۱۹۴۲ء

پیارے جواہر لعل نہرو

اگر وہ عالی مرتبت نامہ بر جس کو یہ خط دیا جا رہا ہے اُسے لے جا کر آخرکار آپ کے ہاتھوں میں دے دے تو پھر اس بات پر سچ مچ ایمان لے آیا جا سکتا ہے کہ اس جنگ میں جیت ہماری ہونے والی ہے۔ مسٹر وِنڈل وِلکی کا اس خط کو لے جا کر ہندوستان میں مکتوب الیہ کے ہاتھوں میں رکھ دینا انتہائی اہمیت کی بات ہوگی ہمارے لئے، یعنی اتحادیوں کے لئے بھی، اور آپ کے لئے یعنی باشندگانِ ہند کے لئے بھی: اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بالآخر ہمارے مقاصدِ جنگ کی نسبت سچّائی کی جستجو واقعی شروع ہو گئی۔ اس لئے کہ مسٹر وِلکی اپنی ذات سے، اپنے قلب و دماغ سے کسی اقلیتی پارٹی کے سیاسی مقاصد کے ترجمان نہیں ہیں، بلکہ وہ ترجمان ہیں باشندگانِ امریکہ کی بڑی اکثریت کی صادق ترین آرزوؤں اور مطامحِ نظر کے۔

میں نے بہت سے ذرائع سے سُنا ہے کہ امریکہ اور اُس کے صحیح مقاصد کی نسبت سچّی اور صحیح خبریں آج کل ہندوستان تک کس قدر کم پہنچ پاتی ہیں۔ میرے اس قول کا ثبوت یہ ہے کہ ہمیں یہاں ہندوستان کے مسئلے کی نسبت سچّی خبریں بہت کم ملا کرتی ہیں۔ ہمارے اور دُنیا کی آبادی کے پانچویں حصّے کے

درمیان سنسرشپ کی جو آہنی دیوار اس بے رحمی کے ساتھ المناک طور پر کھڑی کر دی گئی ہے اُس کی موجودگی میں بالکل فطری سی بات ہے کہ جہالت، نفرت اور غلط فہمیاں دونوں جانب بڑھتی رہیں۔ ہندوستان میں مسٹر ولکی کا ورود اس دیوار میں سب سے پہلا بڑا شگاف ہوگا۔ اس شگاف کی راہ سے بالآخر سچائی کا جوار بھاٹا جاری ہو جائے گا۔ مگر جب تک کہ وہ آپ سے تنہائی میں رُو در رُو باتیں نہ کرلیں گے اُن کا ہندوستان میں ورود ایک دوسرا فریب ہی ثابت ہوگا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ ایشیا میں جمہوریت اور اقوام متحدہ کے مقاصد کے آپ سب سے بڑے اور سب سے مخلص دوست ہیں۔ مگر کتنے ہندوستانی ہیں جو اس بات کو جانتے ہیں کہ مسٹر ولکی مغربی ممالک کے سب سے بڑے اور سب سے سچے آدمی ہیں؟ اس مقصد کے لئے آپ دونوں کا باہم ملنا لابدی طور پر برگ و بار لانے والا ہے اس میں شک و شبہہ صرف تھکے ہوئے اور مایوس لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ میں نہیں کرتا۔

اور اب وہ اپنی طویل سیاحت پر اپنے بمبار طیارے میں روانہ ہو رہے ہیں۔ اگر یہ خط کبھی آپ کو ملا بھی تو کئی ماہ اس کے آپ تک پہنچنے سے پہلے گزر چکے ہوں گے۔ اُف، میں بڑے صدق دل سے دعائیں مانگ رہی ہوں کہ یہ خط آپ کو بخیر و عافیت پائے۔

یہ خط جس امید کا حامل ہے وہ لفظوں کی قوّتِ اظہار سے اتنی زیادہ بڑی ہے کہ میں اس کو لفظوں کا جامہ پہنانے کی سعی و کوشش میں اپنے آپ کو بے وقوف اور پھوہڑ سی پا رہی ہوں۔

آپ دیکھ رہے ہیں، نیک نیت مرد اور نیک نیت عورتیں ہر جگہ ہیں۔ امریکا میں، ہندوستان میں اور برطانیۂ عظمیٰ میں بھی اور وہ سب کوشش کر رہے ہیں کہ ایسی راہیں معلوم کی جائیں کہ اس جنگ کے جیتنے ——— اور امن کے لئے بھی ——— ہم سب یک جا ہو جائیں۔

عجلت میں اور عمیق جذباتِ تحسین کے ساتھ

آپ کی مخلص

کلیر، لوتھ لوسی

۳۵۲۔ از آصف علی

(انڈین نیشنل کانگریس کی مجلسِ عاملہ کے ارکان ۹ر اگست ۱۹۴۲ء کو گرفتار کرلئے گئے تھے اور ۲۸ر مارچ ۱۹۴۵ء تک قلعۂ احمد نگر کے جیل میں یک جا رکھے گئے تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ بتدریج منتشر کردیئے گئے اور اپنے اپنے صوبے کے جیلوں میں بھیج دیئے گئے۔ نریندر دیو کو اور مجھے ۲۸ر مارچ کو صوبجات متحدہ کے مختلف جیلوں میں یکے بعد دیگرے بھیجا جاتا رہا۔ دوسرے ارکان بعد کو ماہ اپریل میں قلعۂ احمد نگر سے علیحدہ کردیئے گئے۔ آصف علی پنجاب کے ایک جیل میں بھیج دیئے گئے تھے، جہاں سے انھوں نے ذیل کا خط لکھا۔ اس خط میں وہ میرے قلعۂ احمد نگر کے جیل سے روانگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں)

سب جیل

گرداس پور (پنجاب)

۳۰ر اپریل ۱۹۴۵ء

پیارے جواہر

یہاں سے تمھارا جانا مجھے اور مولانا کو فراق کا ایک صدمۂ عظیم پہنچا گیا۔ شام تک تو کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوا مگر دوسرے دن صبح کو یہ فراق بہت کھلا۔ میری روانگی تک مولانا نمایاں طور پر دل گرفتہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

میں خبروں کی افراط سے پھٹا پڑ رہا ہوں، مگر اُن کی اہمیت پوچھو تو نادرجۂ صفر ـــــ بلاشبہہ یہ صفر میرا وہ مابعد الطبیعیاتی صفر ہے جو تمام اشیاء موجودہ کے لئے بمنزلۂ رحمِ مادر اور مقامِ نشو و نما کے ہے یا غالباً وہ خود ہی وجود ہے۔ لو تفصیل یہ ہے:

۱۔ میں نے تمھاری بوتلوں میں لگائی ہوئی جنگلی بیل "لایانا" اُس کی تمام ہوائی جڑوں اور سال خوردہ پتیوں سمیت اپنی فیاضانہ میراث کے طور پر باغبان اور سنتری بیراجی کے حوالے کی۔ یہ سنتری آخری لمحے تک نیک دل رہا۔ جب مرچینٹ خدا حافظ کہنے آئے تب میں نے اپنے آپ کو اُس ذمے داری سے سبک دوش کرلیا جو تم میرے کندھوں پر چھوڑ گئے تھے، اور میں نے گلاب کی

جھاڑیاں گملوں (۹) میں رکھ کر یا جس طرح انھوں نے پسند فرمایا اُن کے حوالے کیں اور اخیر میں سنارک نے ازراہِ مہربانی یہ جھاڑیاں مرچینٹ کے باغ میں منتقل کر دینے کی ذمّے داری لے لی۔ کافی کلب کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکا اگرچہ باقی ماندہ لوگوں نے ایک مدّھم سی کوشش، اور وہ بھی یقیناً زبانی کی تھی۔ ہماری تعداد اتنی تھوڑی رہ گئی تھی اور جو رہ گئی تھی وہ اتنی غیر مطمئن تھی کہ ہم نئی روایات وجود میں نہیں لا سکے۔ مگر پھولوں کی، روبہ زوال، کیاریوں کا چکّر لگانے کا اپنا معمول میں نے نہیں چھوڑا۔ بیڈمنٹن کورٹ ایک منہ پھیلائے ہوئے زخم سا رہ گیا مگر والی بال کی ٹیموں کی گرمجوشیاں اخیر تک بدستور رہیں۔ برسبیلِ تذکرہ، چلتے چلتے دو ہفتے کی شکر کا کوٹا مجھ پر لاد دیا گیا اور مجھے اس کو بھی اپنے آخری وصیت نامے میں اُس کی فیاضانہ تقسیم کے لئے شامل کر لینا پڑا: اس وصیت نامے کو نافذ کرنے والے تنہا مولانا ہوں گے۔ ہاں، خوب یاد آیا، ایک نئی ننھی مُنّی سی بلّی کہیں سے ٹپک پڑی تھی (ایک بالکل کچھوؤں کے رنگ برنگ کے چتّی دار خول کی بنی ہوئی مخلوق)۔ قریب تھا کہ دو دو پرچیں بھر دودھ میں اس کے لئے بچا کر رکھنا شروع کر دوں مگر پھر خیال آیا کہ اگر دودھ کا یہ راشن جاری نہ رہا اور ظاہراً جاری رہ بھی نہیں سکتا، تو یہ سلوک اس بے چاری کے حق میں بڑا بے رحمانا سلوک ہو گا۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے اس شوق کو ترک کر دیا۔ باقی یہاں کی ہر چیز بدستور رہی بجز اس کے کہ ہر "رخصت ہو جانے والی روح" کا حصّہ اُس کے ساتھ گیا۔ خیران نے میری کشتی بھی کھیکر نہر سٹائکس کے دوسرے کنارے پر پہنچا دی ہے۔

۲۔ اس مقام تک میرا یہ سفر اتنا اہم اور پُراز حوادث ثابت ہوا کہ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ یعنی آغازِ سفر میں مجھے جسمانی مشقّت اور انحطاطِ صحت کے ایک روز افزوں سلسلے سے گزرنا پڑا۔ دہلی پہنچتے پہنچتے نیند کی کمی اور میرے احتیاط کے ساتھ ترتیب دیئے ہوئے متوازن دستورِ زندگی کی درہمی کے اثرات نمایاں ہو چکے تھے۔ اور جب میں نے اپنے آپ کو یکایک جیل کی سلاخوں کے پیچھے واقعی محبوس پایا تب ایک جسمانی اور دماغی بُحران اپنی انتہا کو پہنچ گیا!

یہ بحران میرے حافظے پر ایک نشانِ زخم سا چھوڑ گیا ہے۔

۲۔ حسبِ معمول پریس میں جو خبر شائع ہوئی غلط شائع ہوئی ——— "بعض قرابت مندوں" سے ملنے پر "میری" آنسو بھری خوشی" میرا خیال ہے کہ رنگ آمیزی کا ایک نمونہ تھی ؛ بھولا بھائی کے نام بیچ میں سے قطع کر دیا گیا ہوا "ایک غیر سیاسی پیغام" تخیل کے ساتھ ایک آزادرعایت ہے ؛ اور اخیر میں ہنگامہ خیز "مرض قلب کا شبہہ" ایک محتاط قیاس آرائی تھی جو یوں ہی سی نشانے سے دور پڑی۔ مگر پریس کے ساتھ آپ کر ہی کیا سکتے ہیں ؛ وہ خبروں کا بھوکا ہوا کرتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ کسی قسم کی سرکاری تردید شائع ہو مجھے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ مگر پریس کے پہیے بھی خدا کی چکی کی طرح آہستہ آہستہ پیستے ہی رہا کرتے ہیں، اگرچہ بہت باریک نہیں پیسا کرتے۔

۴۔ (میں نے پُرانے اچھے سکریٹری کی طرح ——— یا قانونی یادداشتوں کے طریقے پر پیراگرافوں پر جو نمبر ڈال دیئے ہیں اُس سے اور الفاظ کے ہجوں سے خفا نہ ہو جانا) بالآخر میں راستے میں چار یا پانچ پاؤنڈ وزن کھو کر یہاں پہنچا۔ اب میرا وزن پورا ٹھو یا ایک ٹھو ایک پاؤنڈ ہے، درد کے مارے سر ہے کہ پھٹا جا رہا ہے اور اندر کی خاموش شکایتیں تمام کی تمام بیدار ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد "ٹھکانوں کی تلاش" اور اُن میں سکونت پذیری کا عمل شروع ہوا جس کے ساتھ وقتی ضرورتوں کی ترتیب اور یہاں کے بالکل نئے حالات اور ' لاحال' نئے قواعد وضوابط کے ساتھ جن پر یہاں عمل درآمد ہے، شخصی ضرورتوں اور حاجتوں کے ہم آہنگ بنانے کا کام بھی جاری رہا۔ پھر مجھے دو ہفتے کام چلاؤ قسم کے انتظامات کرنے میں لگ گئے۔

۵۔ اب میں نے 'صحت یابی' میں جی لگانا شروع کر دیا ہے ——— تمام ذہنی سرگرمیاں تقریباً معطل ہیں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ جو کام ہاتھ میں تھا اُسے میں نے ختم کر لیا تھا۔ اس لیے کہ شاعری کی دیوی سردست میرا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ تم جانتے ہو کہ نظم و ترتیب میں کوئی خفیف سا خلل بھی بعض اوقات تمہارے شاعرانہ وجدان کو دماغ سے صاف کر جاتا ہے۔ میں نے تفنن طبع کے طور پر

ایک دوسری چھوٹی سی نظم شروع کر دی تھی اور نتیجہ بہت ہی ہمت افزا تھا۔ مگر نثر یا نظم سے کچھ زیادہ اشعار دیباچہ یا تمہید کے طور پر ہوئے تھے کہ یہ تبدیلی پیش آگئی، اور اب خواہ میں کتنا ہی سر کھپاؤں یہاں میں اس سے زیادہ بڑھ ہی نہ سکا۔ اس لیے میں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ جب میری پچھلی دماغی کیفیت بحال ہو جائے تو میں کوئی دوسری چیز جو نا تمام رہ گئی تھی پھر ہاتھ میں لے لوں۔ سرِدست تو ترتیب و تطبیق کا تکلیف دِہ کام جاری ہے۔

۶۔ یہ خطہ دامنِ کوہ میں واقع ہے۔ تُروارخ کا گھر اس برف سے نیچے ہی کہیں ضرور ہوگا جو یہاں سے نظر آ رہی ہے۔ میں صرف قیاس آرائی کر رہا ہوں۔ یہ مقام پٹھان کوٹ سے صرف چند ہی میلوں کی دوری پر ہے۔ اس حصے کے ہمالیہ کا پورا بازو یہاں سے نظر آتا ہے۔ یہ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ تقریباً ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ جگہ کہیں گلمرگ کے نیچے واقع ہے اور کھلن مرگ تمھارے سامنے ہے۔ مگر آب و ہوا بدلتی رہتی ہے اور بعض اوقات اتنی گرم ہو جاتی ہے کہ دم گھٹنے لگتا ہے۔ مجھے جلد ہی ایک پنکھا مل جانے کی امید ہے۔ میں شفاخانے کے ایک حصے میں ہوں ـــــ جو حقیقت میں شفاخانے کا گودام تھا اور میرے یہاں پہنچنے پر میرے لیے خالی کرا لیا گیا۔ یقیناً میں بالکل تنہا ہوں اور دوسری تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے میں اس تنہائی کو موجبِ راحت تصور کرتا ہوں۔ یہ ایک چھوٹا سا جیل خانہ ہے، تقریباً ہمارے احمد نگر کے بلد بز کوشک کے ساز کا نہیں، یہ اس سے کسی قدر بڑا ہے؛ مگر یہ جیل خانہ ہی ہے اور جیل خانے کے جملہ سازوسامان، لوہے کے سینخچے، بیڑیاں، قفل وغیرہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس کمرے میں بیماروں کے کپڑے رکھنے کے لیے ایک کٹ گھر تھا۔ اب میرے لیے سنگار میز، نعمت خانہ، کباڑ کوٹھری، کھانے کے برتن رکھنے کی میز، رکھا بدار خانہ، صندوق کوٹھری اور مچھروں کی فطری طور پر پناہ گاہ۔ یہ کچھ تبدیلی ضرور ہے۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ تمھارے یہاں بھی اس سے کم مچھر نہ ہوں گے۔ مگر شاید مکھیوں اور بعض جانے پہچانے اور ان جانے قسم کے کھٹملوں وغیرہ کے بارے میں میں تم سے بازی لے جاتا ہوں۔ اور ہم لوگ

(جیل خانے کے ہم لوگ)، اپنے آم، جامنیں اور شہتوت آپ اُگاتے اور پیدا کرتے ہیں۔ اور پھول بہ افراط ہیں، اگرچہ بڑی رفعت وشان والے نہ سہی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا یہ خط ۴ ہفتوں سے زیادہ کی جدائی کی کمی پوری نہیں کر دیتا؟

پیام محبت تمھارے لیے اور نرمیند ردیو کے لیے

تمھارا پُر محبت

آصف

ضمیمہ: ازراہِ کرم کتابوں کے بارے میں ہمارا جو معاہدہ ہے اُسے نہ بھول جانا۔ میں دہلی سے رسالوں اور اخباروں کا انتظام کر رہا ہوں۔ اب تک تو ہر چیز ادلتی بدلتی رہی ہے ـــــ اب تک سکون و قرار محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ روز ولٹ کے بارے میں کس قدر افسوس ہوا ہے۔ سین فرانسسکو میں سروپ کی بحالیِ صحت کی خبروں کو دیکھتا رہتا ہوں مگر مقامی پرچے بھی کتنے نکمے ہیں۔ میں نے اُس کو خط لکھا ہے۔

۲۵۲۔ از تیج بہادر سپرو

مسوری

۱۵ جون ۱۹۴۵ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

ممکن ہے دو ایک دن میں آپ الٰہ آباد میں ہوں۔ یہ خط میں آپ سے صرف یہ کہنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ شبِ گزشتہ مجھے اپنے ایک دوست کی زبانی، جس نے ریڈیو پر وائسرائے کی تقریر سُنی تھی، یہ معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا کہ آپ رہا کر دیئے گئے۔ میں آزاد دنیا میں آپ کی اس واپسی کو تہِ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اب آپ جو فیصلہ بھی کریں گے وہ ملک کے بہترین مفادات کے حق میں ہوگا۔

اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو حرارت رہنے لگی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اب جاتی رہی ہوگی۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ آپ کسی پُرسکون مقام پر تھوڑا سا آرام کر لیں، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اگلے چند ہفتے آپ کے قویٰ کے لئے

بڑی مشقّت کے ہفتے ہوں گے۔

میں یہاں ۱۳ر جون کو پہنچا۔ میں صرف آنند کو دیکھنے آیا تھا جو اچھی خاصی ترقّی کر رہا ہے اور اب آہستہ آہستہ چل پھر لیتا ہے۔ میں ۲۵ر جون تک یہاں رہوں گا اور پھر الہ آباد واپس جاؤں گا۔

بہترین آرزوؤں کے ساتھ
تمھارا پُرمحبّت
تیج بہادر سپرو

پنڈت جواہر لعل نہرو
الہ آباد

۳۵۴۔ از ایم۔ ان۔ ساہا
یونیورسٹی سائنس کالج،
شعبۂ فیزکس
کلکتہ
۱۲ر اگست ۱۹۴۵ء

میرے پیارے پنڈت جی

مجھے آپ کا ۲۸ر جولائی کا وہ خط پاکر بڑی مسرّت ہوئی جو آپ نے مجھے سری نگر سے لکھا۔ مجھے امید ہے کہ کشمیر کی صحت مند بنا دینے والی آب وہوا نے آپ کو اپنی صحت بحال کر لینے کے قابل بنا دیا ہوگا اگرچہ اخبارات سے مجھے معلوم ہوا کہ وہاں بھی آپ کو کچھ زیادہ آرام کرنے کا موقع نہیں ملا۔

میں ہر وقت الہ آباد آنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس وقت وہاں ہوں گے اور بشرطیکہ مجھے گاڑی میں جگہ مل جائے جس کا ملنا آج کل کسی قدر دشوار ہو رہا ہے۔ مجھے یہ عرض کر دینے کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ میں خود ہی آپ سے ملنے اور برطانیہ ممالک متحدہ امریکا اور سوویٹ روس میں اپنے تمام تجربے آپ سے بیان کرنے کے لئے بہت بے چین ہوں۔

کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کو اور مولانا آزاد کو کملا لیکچرر مقرر کیا ہے باوجودیکہ

مسلم لیگیوں نے اس سے شدید اختلاف کیا اور کہا کہ مولانا آزاد اپنا مافی الضمیر انگریزی میں ادا نہیں کر سکتے۔ ہمیں مسرت ہو گی اگر آپ یہ لیکچر اگست میں دینے کا وقت نکال سکیں۔ تقریر کا موضوع بالکل آپ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر آپ نے اپنے لیئے کوئی موضوع نہ منتخب کیا ہو تو میں "قومی منصوبہ بندی" تجویز کروں گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ وقت آ گیا ہے کہ کانگریس اپنے لائحۂ عمل کا باضابطہ اعلان کر دے اور بتا دے کہ اگر اُسے اختیارات ملے تو وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کانگریس کا موجودہ پروگرام پُرانی دنیا کے تصورات سے بہت زیادہ بندھا ہوا ہے۔ جیسے چرخا اور گھر کا کتا ہوا سوت، ازمنۂ وسطیٰ کی بنیاد پر تقسیم قوّت و اقتدار وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں چاہیئے کہ ملک کو نئے نعرے دیں جو "ہندوستان کے تمام باشندوں کے لیئے ایک شائستہ اور معقول گزران" کی تدریجی تعمیر و تکمیل کے تصور پر مبنی ہو اور اس تصوّر کی بنیاد سائنس کے ہمہ گیر استعمال، قوّت و توانائی کے وسائل و ذرائع کی ترقّی، کیمیاوی، معدنی اور زراعتی صنعتوں، نہروں، دریاؤں اور اراضی کے اجتماعی اور کثیرالاغراض استعمال اور کام کی نئی بنیادوں پر معاشرے کی از سرِ نو تعمیر کے تخیّل پر استوار ہو۔ میں آپ کے مطالعہ کے لیئے دو مقالے بھیج رہا ہوں، ایک مقالہ رسالۂ نیچر میں چھپا تھا اور دوسرا ہندوستان اسٹینڈرڈ میں۔ یہ مقالے میرے افکار کی آئینہ داری کرتے ہیں۔

پُرمحبت احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم۔ اِن۔ ساہا

پنڈت جواہر لعل نہرو

الٰہ آباد

۳۵۵۔ از ایس۔ ایچ شین

دفتر کمشنر جمہوریۂ چین

نئی دہلی

۱۵ اگست ۱۹۴۵ء

پیارے پنڈت نہرو

غالباً آپ کو یاد آجائے گا ۱۹۴۰ء کے موسمِ خریف میں ہز اکسیلینسی

ڈاکٹر تائی چینیاؤ، صدر امتحان یواں، ایک خیر سگالی مشن کے سر براہ کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس مشن کا ایک رُکن میں بھی تھا۔ اس مشن کی اصل غرض ملاقاتِ بازدید تھی آپ کی اُس سیاحتِ چین کی جو آپ نے ایک سال پہلے کی تھی۔ بدقسمتی سے، جب ہم ہندوستان پہنچے تو ہم نے آپ سے ملنا ناممکن پایا۔

ڈاکٹر تائی نے اپنی مایوسی کے اظہار کے لئے ایک نظم لکھی اور آپ تک پہنچانے کے لئے مسز پنڈت کے حوالے کردی جنھوں نے الٰہ آباد میں ڈاکٹر صاحب کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا تھا۔

حالیہ واقعات اور حالات کے پیشِ نظر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں اُن کی بہترین تمنائیں آپ کو اور مولانا آزاد کو پہنچا دوں۔ انھوں نے اپنی اس نظم کی ایک نقل بھی خود ہی بہت خوش خط لکھ کر، جس میں اُن کو خاصی شہرت حاصل ہے، مجھے بھیجی ہے۔

میں نے اس نظم کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر آپ اس بات کو یقیناً محسوس کریں گے کہ جب کسی نظم کا، خصوصاً چینی زبان کی نظم کا، ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا جاتا ہے تو اصل نظم کی خوبی اور خوب صورتی ناقابلِ تلافی حد تک ضائع ہو جاتی ہے۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایس۔ ایچ۔ شین

پنڈت جواہر لعل نہرو

بنام پنڈت جواہر لعل نہرو

میں تیری تلاش میں بہت دور سے آیا ہوں، بے سود۔ تجھے ایک اُداس اور ملول دُھن میں یاد کرتا ہوا۔ مبارک ہے وہ انسان جو بُدھا کے قلب اور ایک ہیرو کے دماغ کے ساتھ انسانیت کے لئے دُکھ جھیلے گا۔

تائی چینیاؤ

۲۵۶ - از گووند بلبھ پنت

نینی تال
۱۵ر اگست ۱۹۴۵ء

میرے عزیز جواہر لعل جی

میں اس خط کے ساتھ آپ کو گنگا بہاری کا خط اور اپنا جواب بھیج رہا ہوں۔ چوں کہ تجویز میں نے خود پسند نہیں کی تھی اس لئے میں نے اس کی اطلاع آپ کو اس سے پہلے نہیں بھیجی۔ بعد کو اخبارات کی رپورٹوں سے، بہر حال، مجھے معلوم ہوا کہ معاملہ اس وقت آپ کے زیرِ غور ہے۔ سول اینڈ ملیٹری گزٹ کے نامہ نگار نے تو فی الواقع اس مضمون کا ایک قطعی بیان دے دیا ہے۔ اس لئے میں گنگا بہاری کی تجویز آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ اس معاملے سے متعلق میرے جو خیالات ہیں میں یہاں اُن کے دُہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اس لئے کہ گنگا بہاری کو جو خط میں نے لکھا ہے اُس کی منسلکہ نقل میں میرے یہ خیالات پورے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ میں انگلستان کی مزدور پارٹی کا کچھ زیادہ مدّاح نہیں ہوں اور بعض دوستوں نے جس جوش و خروش اور جس امید پروری کے ساتھ مزدور حکومت کی آمد کو خوش آمدید کہا ہے میں اس جوش و خروش اور اس امید پروری میں ان دوستوں کا شریک نہیں ہوں۔ معمولی حالات میں میں اس پارٹی کے راہنماؤں سے کچھ زیادہ توقع نہ کروں گا۔ مگر یہ امید رکھنا شاید کسی بہت بڑی بات کی امید رکھنا نہ ہوگا کہ بہ حالاتِ موجودہ ایٹلی بھی اپنی آسودہ خاطر دلجمی کو برقرار رکھنا دشوار پائیں گے۔ میں منتظر ہوں کہ آپ کو لاسکی اور مزدور پارٹی کے بعض دوسرے ارکان کی طرف سے آج ہی کل میں بُلاوا آئے گا۔ اسی طرح کرپس کے اندازِ فکر کے بارے میں بھی میرا ذہن کوئی واضح تصور نہیں رکھتا۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد جو بیان انھوں نے دیا تھا وہ کسی قدر مبہم سا تھا اور بعض اعتبار سے موجبِ تشویش بھی۔ انھوں نے اپنی گفت و شنید اور دوسری کارروائیوں کے دوران میں جن کا تعلق اُن کی بدقسمت تجویزوں سے تھا ۱۹۴۲ء میں جو طرزِ عمل اختیار کیا اور جو برتاؤ روا رکھا اُس سے نہ تو اُن کی ساکھ اور وقعت

کچھ بڑھی اور نہ اُن کی نیک نامی میں کچھ اضافہ ہوا۔ اُس زمانے میں آپ کے اور جناح کے درمیان ایک نازک سا توازن قائم رکھنے میں انھوں نے جس انتہائی احتیاط سے کام لیا وہ نہ صرف حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی احتیاط نظر آئی بلکہ ایک حماقت و ناعاقبت اندیشی بھی معلوم ہوئی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ جناح کو رضامند رکھنے کی یہ محتاط سعی و کوشش کس حد تک چرچل، ایمرے اور لنلتھگو کے ایما و اشارے کا نتیجہ ہے اور کس حد تک خود اُن کے فکر و تشویش کا نتیجہ کہ جناح کو رضامند اور مطمئن دکھا جائے۔ اِس وقت اِس سے کسی کو فکر مند اور پریشان رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ بہر حال اُن کا موجودہ اندازِ فکر ہے اس لئے کہ ہندوستان کے معاملات پر وہ یقیناً مؤثر طور پر اثر انداز ہوں گے۔ میں اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں کہ یہ امید رکھوں کہ موجودہ حالات میں جب کہ دارالعوام میں مزدور حکومت اپنی پشت پر ایک بہت بڑی اکثریت رکھتی ہے وہ اپنے قلب و دماغ پر شخصیتوں یا تنظیموں کی برابری یا مساوات کا ایسا کوئی سودا مسلّط نہ ہو جانے دیں۔ میں اب بھی، بہر حال، شکوک و شبہات سے خالی نہیں ہوں۔ وہ شاید اگر ڈانواڈول اور متلوّن طبیعت کے آدمی نہیں ہیں تو ایک معمے جیسی طبیعت کے آدمی ضرور ہیں۔

جب آپ کشمیر سے رخصت ہوں گے تو آپ وہاں کم و بیش ایک ماہ قیام پذیر رہ چکے ہوں گے۔ یقین ہے کہ وہاں کا خوش گوار ماحول، چاق و چوبند بنانے والی آب و ہوا اور نسبتاً کسی قدر سکون و اطمینان نے آپ کی صحت پر اچھا اثر ڈالا ہوگا۔ قلعۂ احمد نگر کے زمانۂ قیام کے آخری حصے میں اس احساس سے میں کبھی چھٹکارا نہ پا سکا کہ آپ کی صحت کو غیر محسوس طور پر نقصان پہنچ رہا ہے، اور یہ خیال کہ میں آپ کی کوئی مدد یا خدمت نہیں کر سکتا میرے لئے سخت اذیت اور شرم و ذلت کا موجب تھا۔ مجھے امید باندھنے دیجئے کہ آپ نے کھوئی ہوئی چیز واپس لے لی ہے اور آپ کی صحت و قوت بحال ہو گئی ہے۔

میں آج الموڑہ جا رہا ہوں اور وہاں دو ہفتے قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔

آپ کا پُر محبّت

جی۔ بی۔ پنت

۳۵۷۔ از سیہہ شن ہنف

دفتر کمشنر جمہوریہ چین
نئی دہلی
۲۲ر اگست ۱۹۴۵ء

نمبر حوالہ ۵۶۶۶

پیارے پنڈت نہرو

کمشنر صاحب کی چنگنگ سے عارضی غیر حاضری کے باعث، میں سپہ سالارِ اعظم کی ہدایت کے مطابق ذیل کا تار آپ کو بھیجنے کی مسرّت حاصل کر رہا ہوں:

جاپان کے اطاعت قبول کر لینے پر میں آپ کی مبارکباد کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس یومِ فتح کے موقع پر اہلِ چین، اقوام متحدہ کے بلند نصب العین اور صلح و امن کے اُن کاموں کی تکمیل کا جو ابھی نا تمام پڑے ہوئے ہیں دوبارہ عہد و پیمان کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اُخوّت و دوستی کے وہ روابط جو چین اور ہندوستان کو باہم متحد بناتے ہیں آیندہ اور بھی محکم ہو جائیں گے اور ہماری دونوں قومیں ایک جدید عالمی نظام بر روئے کار لانے میں عظیم الشّان خدمات انجام دیں گی۔

چیانگ کائی شک

کیا آپ ازراہِ کرم اس امر کو نوٹ فرمالیں گے۔

آپ کا مخلص

سیہہ شن ہنف (؟)

پنڈت جواہر لعل نہرو

۳۵۸۔ از ارونا آصف علی

۹ر نومبر ۱۹۴۵ء

پیارے جواہر لعل جی

آپ نے جن فیاضانہ لفظوں میں میرا ذکر فرمایا ہے میں نے اُن کا شکریہ

ادا کرنا ضروری نہ سمجھا، اس لیئے کہ میں جانتی تھی کہ یہ تعریفی کلمے میری ذات کے لیئے نہیں ہیں۔ گمنام اور غیر معروف سپاہی کی بغاوت کے لیئے جو احترام آپ اپنے دل میں رکھتے ہیں اُس کے اظہار کا آپ نے ان تین برسوں میں اپنا یہی طریقہ رکھا ہے۔

پچھلی بار جب آپ بمبئی تشریف لائے تھے تو میں امید کر رہی تھی کہ آپ مجھے یاد فرمائیں گے۔ یہ جانتے ہوئے کہ آپ کس قدر مصروف ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو زبردستی آپ پر لادنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔

کل میرے آپ کے درمیان جو گفتگو ہونے والی ہے اُس کا ایک پسِ منظر آپ کے لیئے مہیا کر دینے کی ایک تدبیر میں نے سوچی ہے۔ ازراہِ کرم آپ یہ خطوط پڑھ لیں۔ ان خطوط سے میری سیاسیات کے سمجھنے میں آپ کو مدد ملے گی۔

آپ کی پُر محبت

ارونا

۲۵۹۔ از مہاتما گاندھی

پونا

۱۳؍ نومبر ۱۹۴۵ء

(اصل خط ہندی میں)

عزیزی جواہر لعل

کل جو گفتگو میرے تمہارے درمیان ہوئی اُس نے مجھے خوش کر دیا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ گفتگو کچھ اور دیر تک نہ ہو سکی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کسی ایک نشست میں پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیئے ضرورت اس بات کی ہوگی کہ ہم اکثر ایک دوسرے سے ملتے رہا کریں۔ میری اُفتادِ طبع کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر میرے اندر اتنی بھی قوت رہ گئی ہوتی کہ میں نقل و حرکت کر سکتا تو تم جہاں کہیں بھی ہوتے میں تمھیں ڈھونڈھ کر خود ہی تمھارے پاس پہنچ جایا کرتا اور دو چار دن ٹھیر کر تم سے جی کھول کر باتیں کر کے واپس آجاتا۔ میں نے پہلے ایسا کیا بھی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور

دوسرے لوگ بھی ہمارا موقف صاف طور پر سمجھ لیں۔ اگر بالآخر ہمیں اس بات پر بھی اتفاق کر لینا پڑے کہ ہم باہم اختلافِ رائے رکھیں گے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ ہوگا جب تک کہ ہم دل سے ایک رہیں جیسے کہ آج ہیں۔ کل کی گفت و شنید سے جو اثر میں نے لیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے تمھارے نظریے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ اس بات کی پرکھ کے لئے جو کچھ میں نے سمجھا ہے اُس کا خلاصہ ذیل میں درج کر رہا ہوں۔ اِس خلاصہ میں اگر تم کوئی بات خلافِ واقعہ پاؤ تو ازراہِ کرم تصحیح کر دو۔

(۱) بقول تمھارے اصل سوال یہ ہے کہ انسان کی اعلیٰ ترین فکری و ذہنی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی ترقی کیوں کر بروئے کار لائی جائے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔

(۲) اس معاملے میں ہر شخص کو یکساں موقعے اور یکساں حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔

(۳) دوسرے لفظوں میں، شہر کے باشندوں اور دیہات کے رہنے والوں کے درمیان کھانے پینے کے معیار، لباس اور دوسرے حالاتِ زندگی میں مساوات ہونی چاہئے۔ یہ مساوات اور برابری حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو اب اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی، یعنی کپڑا، کھانا، مکانات، روشنی اور پانی اپنے لئے آپ مہیّا کر سکیں۔

(۴) انسان سب سے الگ تھلگ رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی سرشت سے باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے والا حیوان ہے، آزاد بھی اور باہم ایک دوسرے کے سہارے جینے والا بھی۔ کوئی کسی دوسرے کی پیٹھ پر سوار نہیں رہ سکتا اور نہ کسی کے لئے یہ زیبا ہے۔ اگر ایسی زندگی کی ضروری شرطیں ہم بہ تفصیل مرتب کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں مجبوراً اس نتیجے پر آنا پڑے گا کہ معاشرے کی اِکائی ایک قصبہ یا ایک دیہات ہونا چاہیے، یا یوں کہو کہ لوگوں کا ایک ایسا چھوٹا سا قابلِ انتظام اور فرماں پذیر گروہ ہونا چاہیئے جو مثالی طور پر ایک اِکائی کی حیثیت سے خود مکتفی ہو (اپنی اہم اور ضروری حاجتوں کے

معاملے میں) اور تعاون اور ایک دوسرے پر انحصار رکھنے کے بندھنوں سے بندھا ہوا ہو۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے یہاں تک تم کو صحیح سمجھا ہے تو پھر میں اپنے دوسرے خط میں سوال کے دوسرے حصّے پر غور و فکر کرنے کی ابتدا کروں۔

میں نے اپنے پہلے خط کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے راج کماری کو پکڑ لیا تھا۔ یہ اب تک میرے پاس پڑا ہوا ہے۔ اس خط کا ایک انگریزی ترجمہ میں تمھارے لئے اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ اس سے دو مقصد حاصل ہوں گے۔ انگریزی ترجمہ مجھے اس قابل بنا سکتا ہے کہ میں اپنا مافی الضمیر زیادہ مکمل اور زیادہ واضح طور پر ظاہر کروں۔ مزید برآں، اس ترجمے سے میں صحیح طور پر یہ سمجھ سکوں گا کہ آیا میں نے تم کو صحیح اور پورے طور پر سمجھایا نہیں۔

اندو کے لئے دُعائیں

باپو کی طرف سے دُعائیں

باپو

۳۶۰۔ از سر فرانسس وائلی

گورنر کا کیمپ

صوبجات متحدہ

۲۲ فروری ۱۹۴۶ء

پیارے پنڈت جی

باہم ہماری ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ جو یقیناً میرا نقصان ہے۔ ہمارے بہرحال بہت سے مشترک دوست ہیں اور میں سالہا سال سے آپ کی کتابوں کے ذریعے آپ سے شناسا ہوں۔ پچھلے مہینے جب میں الہ آباد گیا تو میرے ذہن میں اصل مقصد میرے وہاں جانے کا یہ تھا کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ آیا ہماری ملاقات ممکن ہے۔ مگر کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں ——— جن میں یہ کسی قدر لغو اور بے ہودہ پارلیمانی وفد بھی شامل ہے ——— مانع رہیں اور میں آپ سے

دریافت نہ کرسکا۔

پھر اگاتھا ہیریسن مجھ سے ملنے آئیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بے چاری نے زیارتِ لکھنؤ کی زحمت خود ہی اُٹھائی تھی اور اس غرض سے یہ زحمت انھوں نے گوارا کی تھی کہ آپ سے جلد ملنے کی تجویز میرے سامنے رکھیں۔ مجھے کسی ترغیب کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہاں کی مصروفیتوں کے ہجوم میں آپ سے ملنے کی ضرورت میرے ذہن میں کسی حد تک ماند پڑگئی تھی جب اگاتھا چلی گئیں تب، بہرحال، میں نے اس معاملے میں فوراً ہی کچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وینکٹا چار کو جو الہ آباد ہی میں تھے ٹیلیفون کیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ وہ آپ سے فوراً رابطہ پیدا کریں، آپ سے پوچھیں کہ کیا آپ اُن کے گھر پر مجھ سے ملیں گے، نیز یہ کہ اس غرض سے جب میں الہ آباد آؤں تب وہ مجھے اور میرے لڑکے کو اپنے ہی گھر پر ٹھیرالیں۔ چند ہی گھنٹوں کے بعد جو بڑا ہی مایوس کن جواب ملا وہ یہ تھا کہ آپ الہ آباد چھوڑ چکے ہیں اور ۲۲ر سے پہلے واپس نہ آئیں گے اور واپس آتے ہی فوراً دوسرے انتخابی دورے پر روانہ ہو جائیں گے۔

اب یہ بات واضح طور پر میری سمجھ میں آگئی ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہمیں ضرور ملنا چاہیے۔ دراصل مجھے یہ بڑا مغالطہ ہو گیا ہے کہ اگر ہمارے درمیان کوئی گفت و شنید ہو سکی تو اس سے معاملات کے سلجھانے میں بڑی خاصی مدد مل جائے گی۔ میں آپ کے پُراسرار طریقے پر ملنا پسند نہیں کرتا۔ پُراسرار باتیں بہت سی پہلے ہی چاروں طرف موجود ہیں۔ اسی طرح مجھے اس کا بھی شوق نہیں کہ زبانوں کو جا دبے جا چلنے کا موقع دے دوں۔ اگر آپ اپنے انتخابی دورے کے اثناء میں چند گھنٹوں کے لئے بھی لکھنؤ نہیں آسکتے تو جو جگہ بھی آپ کے لئے مناسب ہو میں بہرحال خود ہی وہاں پہنچ جانے کے لئے تیار ہوں۔

یہ خط میں آپ کو ایک خاص قاصد کی معرفت بھیج رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ، ازراہِ کرم، اسی قاصد کی معرفت اس کا جواب بھی مجھے بھیج دیں۔

آپ کا مخلص،

ایف۔ ڈی۔ وائلی

۳۶۱ - از مہاتما گاندھی

(ذیل میں گاندھی جی کے ایک خط کا انگریزی ترجمہ ہے جو اُنھوں نے مجھے بھیجا تھا۔ اصل خط ہندی میں ہے۔ یہ خط انھوں نے اُس روز لکھا تھا جس روز انھوں نے اپنا وہ برت توڑا تھا جو کئی دنوں سے جاری تھا۔ یہ برت گاندھی جی نے اس لئے رکھا تھا کہ دہلی میں جو ہندو مسلم کشیدگی پائی جا رہی تھی اس سے اُن کی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار ہو جائے۔

دہلی میں پیش آنے والے حوادث نیز گاندھی جی کے برت سے میں کسی قدر پریشان تھا اور دو ایک دن سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ یہ کوئی باضابطہ برت نہیں تھا بلکہ حوادث پر میرا ایک ذاتی قسم کا ردِ عمل تھا جس کو مشکل ہی سے کوئی جانتا تھا۔ گاندھی جی کو اس کا پتہ کسی طرح چل گیا اور اسی لئے انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس برت کو ختم کر دوں۔

"ہندوستان کے جواہر" میرے نام جواہر سے پیدا کردہ ایک لطیفہ ہے۔

گاندھی جی کا میرے نام یہ آخری خط تھا۔ بارہ دنوں کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو وہ ایک قاتل کے ہاتھوں مارے گئے)

۱۸ جنوری ۱۹۴۸ء

عزیزی جواہر لعل

اپنا برت توڑ دو۔

اس خط کے ساتھ میں اُس تار کی ایک نقل تم کو بھیج رہا ہوں جو پاکستان پنجاب کے اسپیکر نے مجھے بھیجا ہے۔ زاہد حسین نے ٹھیک وہی بات کہی جو میں نے تم سے کہی تھی

خدا تمھاری عمر دراز کرے اور تم ہندوستان کے جواہر بنے رہو۔

دعائیں از طرف باپو

مغربی پنجاب کی مجلسِ قانون ساز کے اسپیکر کا تار:

آپ کے برت کے بے لوث اور شریف مقصد سے متعلق یہاں ایوان میں ۱۲ جنوری کو جو تقریریں ہوئیں اُن کے اقتباسات آپ کو بھیجنے میں بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ ان تقریروں میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اُن میں میں خود اور ایوان پورے طور پر شریک ہے۔

ملک محمد فیروز خاں نون: "بانیانِ مذاہب کو مستثنیٰ کر کے، دُنیا میں کسی ملک نے مہاتما گاندھی سے بزرگ تر کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔"

آنریبل میاں ممتاز خاں دولتانہ، وزیر مالیات: "یہ ہمارا اوّلین فرض ہے کہ ہم اُن احساسات کی پورے طور پر قدر شناسی کریں جو مسلمانوں سے متعلق مہاتما گاندھی کے برت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس برت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک آدمی ہندوستان میں ایسا ضرور ہے جو ہندو مسلم اتحاد پر اپنی جان تک قربان کر دینے پر آمادہ ہے۔ ہم خدائے قادرِ مطلق کے حضور میں دست بدعا ہیں کہ اس برت کے مزید جاری رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ہم، اس ایوان کے فرش سے، مہاتما گاندھی کو یقین دلاتے ہیں کہ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے جو احساسات وہ رکھتے ہیں اُن میں ہم سب پورے طور پر شریک ہیں۔"

آنریبل خان افتخار حسین خاں، وزیر اعظم: "ایک بلند اور شریفانہ مقصد کو آگے بڑھانے کی غرض سے مہاتما گاندھی نے جو عظیم الشّان قدم اُٹھایا ہے میں اپنی اور اپنے رفقائے کار کی جانب سے بڑی فکر و تشویش کے احساسات کے ساتھ اس کی عمیق تحسین اور پُرخلوص قدر شناسی کا اظہار کرتا ہوں۔ اس صوبے میں اُن کی گراں بہا جان بچانے کی سعی و کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے گا۔"

اسپیکر مجلسِ قانون ساز مغربی پنجاب

۳۶۲۔ بنام برنارڈ شا

نئی دہلی
۴ ستمبر ۱۹۴۸ء

میرے محترم مسٹر شا

میں اچھی طرح نہیں جانتا کہ میں آپ کو خط کیوں لکھ رہا ہوں، اس لئے کہ ہم دونوں مصروف آدمی ہیں اور میں اس کا خواہش مند نہیں ہوں کہ آپ کا کام بڑھا دوں۔ مگر دیوداس گاندھی نے مجھے اُس خط کی ایک نقل بھیجی ہے جو آپ نے ۱۶ر جولائی کو انھیں لکھا تھا اور جس نے میرے اندر آپ کو خط لکھنے کا شوق پیدا کر دیا ہے۔

چالیس سال ہوئے جب میں اٹھارہ سال کا تھا اور کیمبرج میں ایک انڈر گریجویٹ تھا تب میں نے آپ کو ایک جلسے میں تقریر کرتے سُنا تھا۔ اُس وقت سے نہ پھر میں نے آپ کو کبھی دیکھا اور نہ کبھی آپ کو خط لکھا۔ مگر اپنی موجودہ نسل کے اور بہت سے لوگوں کی طرح میں بھی آپ کے مقالوں اور آپ کی کتابوں کی صحبت میں پلا بڑھا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جیسا کچھ میں آج ہوں اُس کا ایک حصہ آپ کے ان ہی مقالوں اور کتابوں کے پڑھنے سے بنا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات آپ کے لئے کچھ موجبِ فخر و امتیاز ہوگی یا نہیں۔

چوں کہ ایک معنی میں آپ مجھ سے یا غالباً میرے خیالات سے قریب رہے ہیں میرے اندر اکثر یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ آپ سے قریب تر آؤں اور آپ سے ملوں۔ مگر اس کے موقعے میسّر نہیں آئے اور اس لئے میں نے محسوس کیا کہ آپ سے ملنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ لکھ چکے ہیں میں اُس کا مطالعہ کروں۔

دیوداس نے آپ سے پوچھا تھا کہ گاندھی کے قاتل کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ پھانسی پائے گا اور میں اُس کو سزائے موت سے بچانے کی یقیناً کوشش نہ کروں گا اگرچہ سالہائے گزشتہ میں میں سزائے موت کے ختم کر دیئے جانے کا حامی رہ چکا ہوں۔ اس معاملے میں کوئی دوسری متبادل صورت نہیں ہے۔ مگر اب بھی اس قسم کے عام معاملوں سے متعلق مجھے اس امر میں کسی قدر شبہہ سا ہو گیا ہے کہ آیا کسی شخص کو پندرہ بیس سال تک جیل میں

بند رکھنا سزائے موت پر قابلِ ترجیح ہے۔

زندگی اس قدر ارزاں ہوگئی ہے کہ چند مجرموں کو سزائے موت دے دینا یا نہ دینا کوئی بڑی اہمیت کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ بعض اوقات آدمی یہ سوچنے لگا کرتا ہے کہ کیا عمر قید کی سزا بہرصورت سخت ترین سزا نہیں ہے۔

میں اپنے اُن ہم وطنوں کی طرف سے آپ سے ضرور معافی کا خواستگار ہوں گا جو ہندوستان سے متعلق آپ کی رائیں معلوم کرنے کے لئے آپ کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے اب تک دوسروں سے سندیں طلب کرنے کی اپنی پُرانی عادت ترک نہیں کی ہے۔ شاید یہ عادت نتیجہ ہے خود اپنے اوپر اعتماد میں کسی قدر کمی کا۔ حوادث نے ہم لوگوں کو غالباً بُری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور مستقبل اُتنا روشن نظر نہیں آتا جتنا روشن ہونے کا ہم نے تصوّر کیا تھا۔

آئندہ اکتوبر میں دو تین ہفتوں کے لئے میرے انگلستان آنے کا امکان ہے۔ میں بڑے شوق سے آپ سے ملنا چاہوں گا مگر یقیناً اس شرط کے ساتھ کہ یہ ملاقات آپ کے روزمرہ کے ضابطۂ زندگی میں مخل نہ ہو۔ میں آپ کو سوالات سے پریشان کرنے کے لئے نہ آؤں گا۔ دماغ میں سوالات بہت ہی زیادہ بھرے ہوئے ہیں اور اُن کے شافی جوابات نظر نہیں آتے اور اگر آتے بھی ہیں تو وہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔ اُن ہستیوں کے باعث جن کو اُن پر عمل کروانا چاہئے۔ اگر مجھے چند لمحوں کے لئے آپ سے ملنے کی عزّت حاصل ہوئی تو یہ اس لئے ہوگا کہ میں اپنے حافظے میں ایک ایسی قیمتی یاد محفوظ کروں جو مجھے میری موجودہ حالت کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ تونگر بنا دے گی۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

جارج برنارڈ شا

ایوٹ سینٹ لارنس، ویلوِن

ہرٹس، انگلستان

۳۶۳۔ از جارج برنارڈ شا

لندن

۱۸ ستمبر ۱۹۴۸ء

پیارے مسٹر نہرو

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ میری سیاسی تالیفات سے روشناس ہیں؛ اور مجھے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کا میری ملاقات کو تشریف لانا میرے لیئے موجبِ عزت افزائی ہوگا، اگرچہ میں اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آپ کا اپنے بیش بہا اوقات میں سے ایک سہ پہر اس دور دراز دیہات کے سفر پر صرف کر دینا جہاں اب برنارڈ شا کا نشان ضعف پیری سے ایک لرزاں ڈھانچے کے سوا جس کو سالوں پہلے مرجانا چاہیئے تھا کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے آپ کے وقت کا کوئی معقول مصرف ہوگا۔

ایک بار میں نے ایک ہفتہ بمبئی میں اور ایک ہفتہ سیلون میں صرف کیا تھا؛ ہندوستان سے متعلق میرا براہِ راست علم بس اتنا ہی ہے۔ سیلون کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوگیا کہ نوعِ انسانی کا اوّلین گہوارہ یہی جگہ ہے، اس لیئے کہ یہاں ہر شخص اس نوع کا ایک ابتدائی نمونہ نظر آتا ہے۔ دوسری تمام قومیں بڑے پیمانے پر تیار کی ہوئی نقلیں ہیں۔

اگرچہ میں ہندوستان کے متعلق اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا جو اخباروں میں ہوا کرتا ہے مگر بس اُس پر واقعی رنگ میں غور کر سکتا ہوں اس لیئے کہ میں انگریز نہیں ہوں بلکہ ایک آئرستانی ہوں اور انگریزی راج سے نجات حاصل کرنے کی طویل جدّوجہد کے مختلف مراحل سے گزر چکا ہوں اور ملک کی تقسیم آئر اور شمالی آئرستان میں دیکھ چکا ہوں جو ہندوستان اور پاکستان کا ہم معنی اور مرادف مغربی لفظ ہے۔ میں انگلستان میں ویسا ہی ایک اجنبی ہوں جیسے آپ کیمبرج میں تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ جنر کی موت آپ کے انگلستان آنے میں حائل تو نہ جائے گی۔ اگر وہ اپنا کوئی قابل جانشین نہیں رکھتے تو آپ کو پورے

جزیرہ نما پر تنہا حکومت کرنی پڑے گی۔

آپ کا وفادار

جی۔ برنارڈ شا

ایچ۔ ای۔ وزیر اعظم

نئی دہلی۔ ہندوستان

۲۶۴۔ بنام جارج برنارڈ شا

جارج ہوٹل، پیرس

۲۸ ر اکتوبر ۱۹۴۸ء

پیارے مسٹر شا

آپ کا خط مورخہ ۱۰ ر ستمبر جو نئی دہلی بھیجا گیا وہ آج مجھے پیرس میں ملا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں نہیں جانتا کہ اس خط کو دہلی پہنچنے اور وہاں سے یہاں آنے میں اتنے دن کیوں لگ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۵ ر اکتوبر کو دہلی پہنچا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ خط مجھے کچھ پہلے نہ مل سکا۔

جیسا کہ میں نے آپ کو لکھا تھا۔ کہ انگلستان کے اس سفر کے دوران میں اگر مجھے آپ سے ملنے کا موقع میسر آجاتا تو اُس کو میں تہِ دل سے خوش آمدید کہتا۔ یہ واقعہ ہے کہ جن لوگوں نے میرا پروگرام ترتیب دینے کی ذمے داری لی تھی اُنھوں نے اُسے مصروفیتوں سے اتنا بھر دیا کہ میرے لئے بہت ایسے کاموں کے لئے جنھیں میں واقعی انجام دینا چاہتا تھا وقت نکالنا دشوار ہوگیا۔ اس کے باوجود آپ سے ملنے کے لئے یقیناً وقت نکالتا۔ مگر چونکہ مجھے اپنے خط کے جواب میں آپ کا کوئی خط نہیں ملا اس لئے مجھے اس امر کا پورا اطمینان نہ ہوا کہ آیا میرا آپ سے ملاقات کو آنا آپ کے لئے بھی مناسب و موزوں ہوگا۔ اس خیال سے میں نے آپ کو دوبارہ خط لکھنے میں پس و پیش کیا۔

اب میں ہندوستان واپس جا رہا ہوں۔ میرے لئے یہ بات انتہائی تکلیف و افسوس کا باعث ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجالانے کا یہ موقع میں نے گنوا دیا۔ مگر مجھے اب بھی اُمید ہے کہ آیندہ کسی موقع پر

یہ شرف مجھے ضرور حاصل ہوگا۔

احترامات کے ساتھ
آپ کا مخلص
جواہر لعل نہرو

جارج برنارڈ شا
ایوٹ سینٹ لارنس
ویلوِن، ہرٹس، انگلستان

۳۶۵۔ از جارج برنارڈ شا

۴ وھایٹ ہال کورٹ (۱۳۰)
لندن، ایس۔ ڈبلیو۔ آئی
۱۲ر نومبر ۱۹۴۸ء

پیارے پنڈت نہرو

میں مایوس نہیں ہوا۔ جب میں نے آپ کو خط لکھا تھا تب میں اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ آپ کے قیامِ انگلستان کے زمانے میں آپ کی وہ مانگ ہوگی کہ آپ پورا ایک سہ پہر اس پہنچ سے باہر گاؤں تک آنے کے لیے اپنے مصروف اوقات میں سے نہ نکال سکیں گے۔ پھر بھی میں نے یہ بات واضح کر دینی چاہی کہ کہ اگر آپ آسکیں تو آپ میرے لئے ایک خوش آیند میہمان ہوں گے۔

کانفرنس میں آپ کا حصّہ لینا آپ کے لئے شخصی طور پر ایک بڑی کامیابی تھی۔ آپ کا نشریہ دوسروں کی پُرانی دُہرانی فرسودہ باتوں کے مقابلے میں ایک بڑی نمایاں چیز تھی۔ اور آپ کی بعد کی تقریروں نے آپ کو اسٹالن کا تنہا ایشیائی مدِمقابل یا ہمسر ثابت کر دیا۔ آپ کی یہ یقین دہانی کہ جنگ کا کوئی فوری امکان نہیں ہے ٹھیک وقت پر ایک درست بات کا اعلان تھا۔ ہمارے وزرائے کابینہ احمق تو نہیں ہیں؛ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

جی۔ برنارڈ شا

رائٹ آنریبل جواہر لعل نہرو
نئی دہلی، ہندوستان

۳۶۶۔ از تیج بہادر سپرو

الہ آباد

۲ر دسمبر ۱۹۴۸ء

میرے عزیز جواہر لعل

تم جو کچھ بھی کہا کرتے ہو میں اخبارات میں اُس کا ایک ایک حرف پڑھ لیتا ہوں اور تمھاری عزّت و توقیر میرے دل میں برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ تمھاری سال گرہ کے موقع پر میں نے تم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر اُس وقت میری صحت بہت خراب تھی اور میں اپنا یہ ارادہ پورا نہ کر سکا۔ یہ ارادہ میں اب پورا کر رہا ہوں اور اپنی بہترین تمنائیں میں غالبؔ کے ان غیر فانی لفظوں میں بھیج رہا ہوں۔

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

زبان کے مسئلے سے متعلق یو۔پی کے بعض کانگریسی لیڈروں کے انداز سے میں قطعاً خوش نہیں ہوں۔ ہندی ضرور سیکھیے مگر اس بات کو نہ بھولیے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ ہندوؤں نے بھی اس زبان کی بڑی بیش قرار خدمات انجام دی ہیں اور روہیلکھنڈ اور صوبے کے مغربی حصّے کے باشندے اُس ہندی کے سمجھنے کے عادی نہیں ہیں جو صوبے کے مشرقی حصّے میں بولی جاتی ہے۔ میں اس بات کو بہ طور ایک حقیقت کے جانتا ہوں کہ ملک کے دوسرے حصّوں میں بھی لوگ نہایت بے چین ہیں اور اس اونچے درجے کی ہندی کے سمجھنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بعض انگریزی لفظوں کا ہندی ترجمہ تم خود بھی سمجھ نہ سکو گے۔ جب میں اس پورے معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ یہ اندازِ فکر پریشانی کا موجب ہوگا۔ میں اتنا کمزور ہوں کہ اس سے طویل تر خط نہیں لکھوا سکتا۔

میری حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہے۔ فالج اور مثانے کی تکلیف کے سوا ورمِ معدہ کی بھی سخت شکایت ہوگئی تھی۔ دن میں پانچ چھ بار ربر کی سلائی سے پیشاب کرایا جاتا ہے۔ ان تمام حالات کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا ہے

[illegible]
[illegible]
سے دیکھ لی۔

تمہارا پُر محبت

تیج بہادر سپرو

پنڈت جواہر لعل نہرو
وزیر اعظم ہندوستان
نئی دہلی
